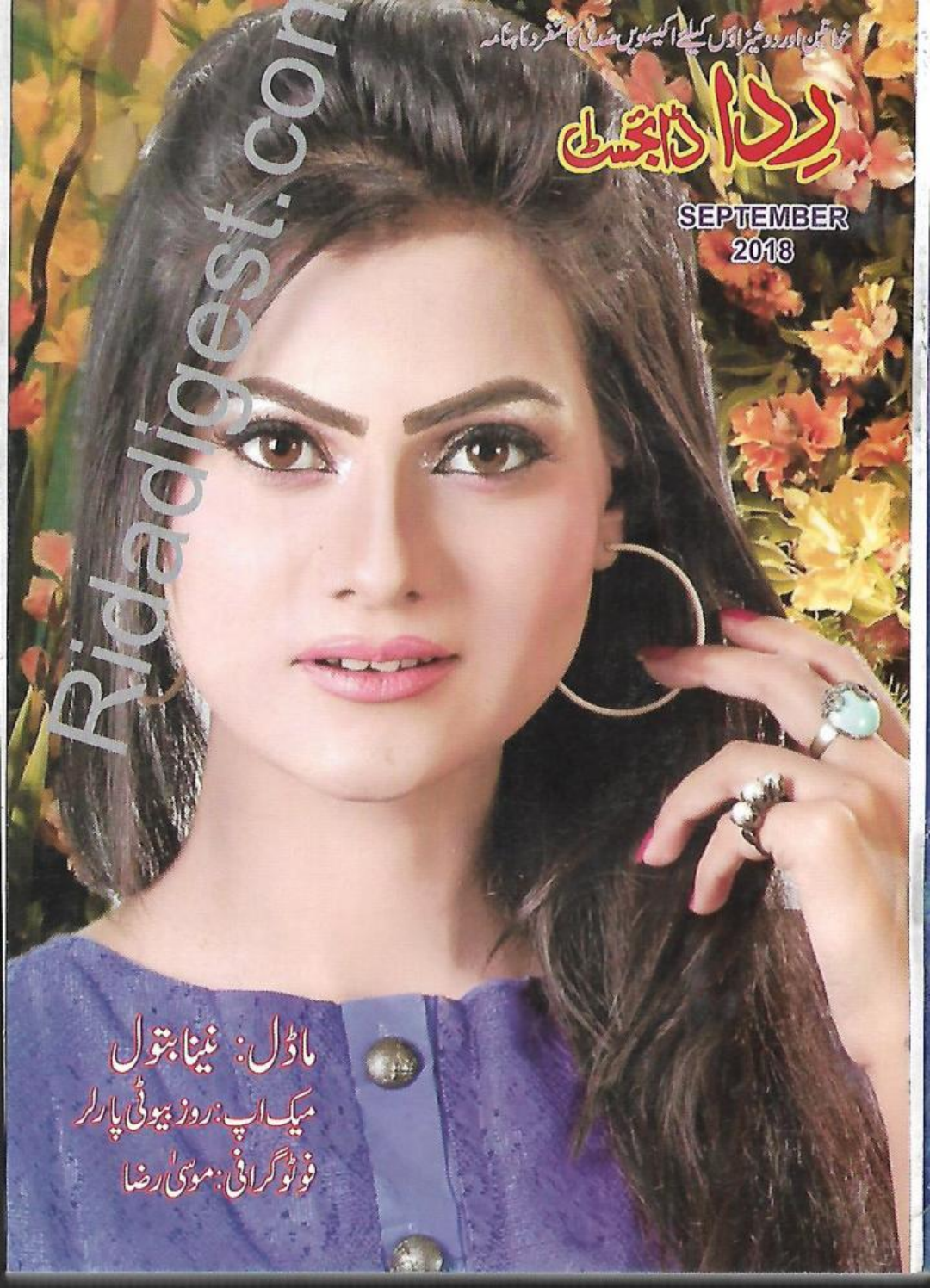

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ
ردا ڈائجسٹ
SEPTEMBER
2018
Ridadigest.com
ماڈل: نینا بتول
میک اپ: روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

رِداڈائجسٹ

خط وکتابت کا پتہ
رداڈائجسٹ
۱۳۹-ڈی-بلاک ۲
پی-ای-سی-ایچ-ایس
کراچی

چیف ایڈیٹر
صالحہ محمود

ایڈیٹرز
سعدی محمود جعفری، بلال جعفری
نمائندہ امریکہ، فراز جعفری
E-Mail: frazjafri@aol.com
نمائندہ UAE، عمیر علی جعفری
E-Mail: ...@emirates.net.ae
نمائندہ لندن، شہزادہ آصف خان

آرٹسٹ: جنید انصار

گوشہ آگہی	صالحہ محمود	۶

سلسلے وار ناول

عشق کی داستاں جدا	ریحانہ آفتاب	۱۰
زندگی پھول محبت خوشبو	شازیہ مصطفیٰ	۱۶۴
بانہوں کے حصار میں	قمر وش شہک	۹۴
عائشہ نے لکھا ہے	عائشہ ذوالفقار	۱۹۰

مکمل ناول

عشق کی نگری میں	کرن نعمان	۳۰
کچھ عشق تھا کچھ	سباس گل	۱۱۴

ناولٹ

تم آئے بہار آئی	سلمیٰ غزل	۶۶
آغازِ محبت	حنا کامران	۱۴۶

افسانے

گلاب دیوی	ایقان علی	۷۸
وہ اک خواب سا	اقصیٰ سحر	۸۶
آدمی کو بھی	اقراء چنا	۹۲
مایوسی کفر ہے	رمنا نور	۱۱۰
واپسی	سعدیہ اقبال	۱۵۸
زمانہ بدل گیا	نذیر فاطمہ	۱۸۴

ستمبر 2018ء

جلد نمبر 23 شمارہ نمبر 9

قیمت 70 روپے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے

34535726

پبلشر وایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: ۱۲۹/ ڈی بلاک ۔ 2 ۔ پی ۔ ای ۔ سی ۔ ایچ ۔ سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-

ماہنامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "ردا پبلیکیشنز"۔

مستقل سلسلے

ردائے جنت	صالحہ محمود	۷	کچن	ثریا اقبال	۲۲۲
ردا کی ڈائری	صدف سعد	۲۰۶	سنگھار	شہلا مشائق	۲۲۵
ذرا پھر سے کہنا	شہلا مشائق	۲۱۷	اشعار	نورین ملک	۲۰۸
خوشبو	نورین ملک	۲۱۴	دوستوں کے نام پیغام	ادارہ	۲۲۰
اس ماہ میں	نورین ملک	۲۱۰			

عید قربان بھی اختتام کو پہنچی، وہی شب و روز پھر پلٹ کر آ گئے۔ زندگی کی رفتار کہاں ٹھہری۔ ہجوم شہر میں نئی کہانیوں کا جنم لینا کوئی نئی بات نہیں۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ناانصافیوں کو روکنے کے اس عہد نو پاکستان میں جدوجہد جاری تو ہے سو دیکھو کامیاب ہوئے تو ٹھیک ورنہ پھر وہی جاں سے گزر گئے۔ لیکن امید صبح نو بہاراں اگر قائم کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے اپنی رحمتوں کا نزول کرتا ہے، ایک بار اپنے ملک کے لیے دعا ضرور کرنی چاہیے۔

موسم خوب صورت ہے عزیز و اقارب سے ملنا ہر اچھے انسان کا عمل ہے۔ یہ میرے والد نے میری آٹو گراف بک میں لکھا تھا۔ سو ہم آپ سے شیئر کرتے چلے۔ وقت نے ہمیں سکھایا ہے کہ کوئی کسی کے لیے نہیں رکتا، سو مت بھولیے کہ ہم کہیں سے اس دنیا میں آئے ہیں قربانی کی بھی یاد تازہ کر لی۔ سرائے عارضی میں گھوم پھر لیجیے پھر ہمیں لوٹ کر وہیں جانا ہے۔ پہلا پڑاؤ دنیا سے گھومنے کے بعد اسی دنیا میں کہیں ہوگا اور پھر اس کے بعد پل صراط سے گزر کر قیامت کے دن جمع ہو جائیں گے۔ حساب کتاب ہو گا۔ نامۂ اعمال ہمارے ہاتھ میں ہوگا اس لیے اپنے عمل اور اخلاق پر نظر رکھیے۔ صرف اور صرف اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر سنت رسولؐ پر عمل کیجیے۔

اب چلتے ہیں ردا کی جانب۔ اگست کے شمارے کی بے حد پذیرائی ہوئی لیکن سندیسہ لکھنے والوں سے ایک شکایت ہے کہ ٹائم کی پابندی نہیں، اگلا پرچہ آ گیا ہوتا ہے پچھلے پرچے کے سندیسے مل رہے ہوتے ہیں۔ 20 تاریخ تک ملنے والے سندیسے شامل اشاعت ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں، کوشش کیجیے کہ وقت پر مل جائیں۔

نئے لکھنے والے ردا سے رابطہ رکھیں۔ انہیں گائیڈ کارنر میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک افسانہ ایک ناول کیسے لکھا جاتا ہے۔ اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔ اپنا خیال رکھیے۔

آپی

بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگنا

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ والے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) پیش کیا گیا اور ان کا سر اور داڑھی سفیدی میں ثغامۃ (بوٹی) کی طرح تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کے سفید بالوں کو بدل دو لیکن ان کو سیاہ کرنے سے بچو۔'' (مسلم)

کچھ بال مونڈھنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے سر کے کچھ بال مونڈھے ہوئے ہیں اور کچھ چھوڑے ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا اور حکم دیا۔ ''اس کے سارے بال مونڈو یا سارے بال چھوڑ دو۔'' (اسے ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے جو کہ بخاری و مسلم کی شرط پر ہے)۔

بین کرنا

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو (ان کی شہادت پر رونے کی) تین دن مہلت دی، پھر ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''آج کے بعد میرے بھائی پر مت رونا۔'' پھر فرمایا:

مصنوعی بال لگانا

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری بیٹی کو حصبہ (جلدی بیماری) لگی، جس سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں اور میں نے اس کی شادی کر دی ہے۔ کیا میں اس میں مصنوعی بال جوڑ سکتی ہوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بال جوڑنے والی پر اور اس پر جس کے بال لے کر جوڑے جائیں، لعنت فرمائی ہے۔'' (بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں ہے: ''بال جوڑنے والی اور بال جوڑنے کی خواہش کرنے والی۔'' (پر لعنت فرمائی ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح کی ایک روایت منقول ہے۔ (بخاری و مسلم)

صورت میں تبدیلی کرنا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدن گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور پلکوں کے بال اکھڑوانے والیوں اور خوب صورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فاصلہ کرنے والیوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرتی ہیں، لعنت فرمائی ہے، چنانچہ ایک عورت نے اس کی بابت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بحث کی تو انہوں نے فرمایا: مجھے کیا ہے میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور وہ اللہ کی کتاب میں موجود ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''رسول تمہیں جو (حکم) دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ۔'' (بخاری و مسلم)

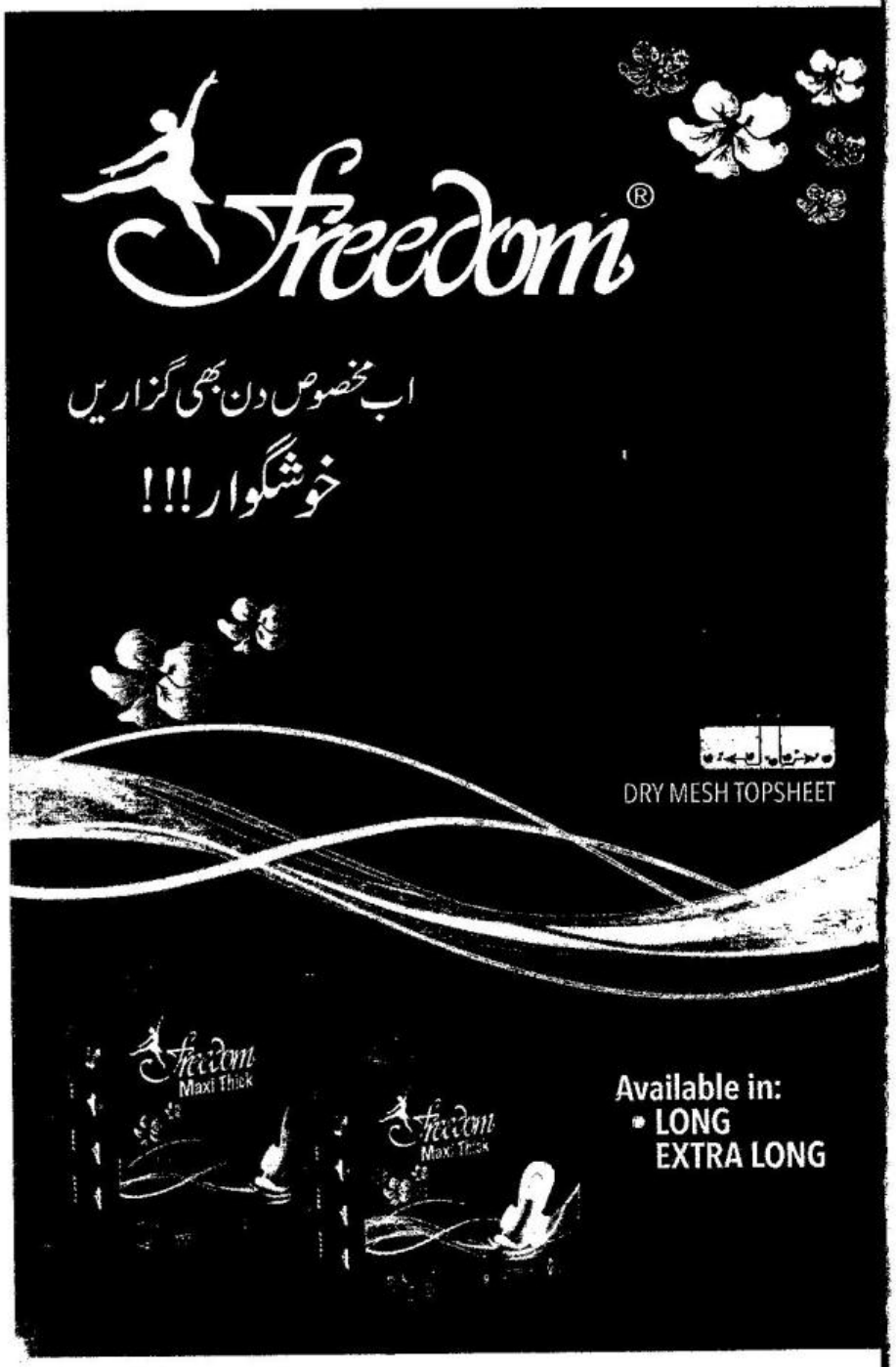

بدعت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ایسا کام کیا جس کی بابت ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ (کام) مردود ہے۔'' (مسلم)

جس بات کا علم نہ ہو

حجرت مسروق (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا: ''اے لوگو! جس کو کسی بات کا علم ہو تو اسے بیان کرے اور جسے کسی چیز کا علم نہ ہو تو (وہاں) کہہ دے، اللہ اعلم (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) اس لیے کہ جس چیز کی بابت علم نہ ہو، وہاں اللہ اعلم کہنا ہی علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ''کہہ دے! میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔'' (بخاری)

عورت کے بال منڈوانا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے سر کے بال منڈوانے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی)

دو بیٹیاں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص کی دو بیٹیاں جوان ہو جائیں اور وہ ان سے اس وقت تک اچھا سلوک کرتا رہے جب تک وہ اس کے ساتھ رہیں یا جب تک وہ ان کے ساتھ رہے، وہ اسے جنت میں ضرور داخل کر دیں گی۔''

ہمسائیگی کا حق

حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرے، جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔''

آداب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں طرف ہوتے اور السلام علیکم کہتے۔'' (ابوداؤد۔عن عبداللہ بن بسرؓ)

میں نے کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جو اخلاق و عادات کے لحاظ سے فاطمہؓ سے زیادہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے، ان کا بوسہ لیتے اور انہیں اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پکڑتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ لیتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ابوداؤد۔عن عائشہؓ)

مصائب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن مرد اور مومنہ عورت کے جسم، اس کے مال اور اس کی اولاد پر مسلسل مصائب نازل ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب اس کی ملاقات اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے تو وہ گناہوں سے پاک و صاف ہوتا ہے۔'' (ترمذی۔عن ابی ہریرہؓ)

.....☆.....

ریحانہ آفتاب

عشق کی داستاں جدا ہے میری

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:

آئنور غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ چار بہنوں میں اس کا نمبر دوسرا تھا۔ وہ سب میں حسین تھی۔ خود سے پہلے اپنے والدین اور بہنوں کی خوشی کا سوچتی تھی۔ کم عمری میں ہی اس نے گھر کی تنگدستی دور کرنے کے لیے محنت کرنا شروع کر دی تھی۔ اپنے لیے خریدی چیزیں بہنوں کے پسند آ جانے پر انہیں دے دیتی تھی۔ وہ اپنی روتی بلکتی زندگی سے عاجز تھی اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ کسی امیر کبیر بندے سے شادی کر کے اپنے گھر والوں کی زندگی سنوارے گی۔ دونوں چھوٹی بہنیں اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ اس سے بڑی درخشاں کی آئنور سے ٹھنی رہتی تھی۔ وہ طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ قدوس صاحب جو آئنور کے والد ہیں اولاد نرینہ نہ ہونے پر اپنی بیوی ہاجرہ کو ساری زندگی باتیں سناتے رہے۔ انہیں آئنور کا کالج جانا پسند نہیں تھا۔ ہاجرہ، آئنور کے پارلر (جو اس نے گھر میں ہی کھولا ہوا تھا اور محلے کی عورتیں بڑے پارلر میں پیسے بچانے کی خاطر اس کے پاس آتی تھیں کہ وہ کم پیسوں میں بہترین کام کرتی تھی) اور کوچنگ سے ملنے والی آمدنی کے گن گاتیں تو قدوس صاحب کی انا بلبلا جاتی تھی۔ آئنور بھی ان کی جلی کٹی کی زد میں رہتی تھی۔ عرشان ولی جدی پشتی رئیس ہے۔ Perfection اس کی پہچان ہے۔ ذرا بھی نقص اسے برداشت نہیں خواہ وہ چیز اسے کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے کمرے سے ملحق

قسط نمبر 19

کمرے کی زینت بنا دیتا تھا مگر خود سے جدا کرنا گوارا نہیں تھا۔ عرشان ولی وجاہت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ وہ بے حد ہمدرد دل رکھتا تھا۔ ماہ پارہ بے حد نک چڑھی اور ماڈرن خاتون ہیں۔ عرشان ولی کی والدہ محترمہ، فرہاد صاحب، ماہ پارہ کے مزاج کے بالکل برخلاف بہت اچھے انسان ہیں۔ ماہ پارہ اور فرہاد صاحب کی تین اولادیں ہیں۔ اسارا بڑی بہن ہے جو اپنے شوہر راحیل اور تین بچوں کے ساتھ شارجہ میں رہتی ہے۔ راحیل لالچی انسان ہے۔ اسارا، ماہ پارہ کی طرح تنک مزاج ہے۔ اسارا سے چھوٹا شاہ میر ہے۔ حمنیٰ، شاہ میر کی بیوی ہے جسے کم صورتی کے باعث اکثر ماہ پارہ جلی کٹی سناتی تھیں۔ حمنیٰ کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے وہ ابھی تک بے اولادی کا شکار تھی۔ حمنیٰ سلجھے مزاج کی لڑکی ہے۔ ماہ پارہ کی بیسٹ فرینڈ واصفہ کی دو اولاد ہے۔ کاشان اور زویا۔ کاشان بھنورا صفت انسان ہے۔ فلرٹ اس کا من پسند مشغلہ ہے۔ زویا نک چڑھی لڑکی ہے۔ وہ عرشان ولی کو پسند کرتی ہے۔ اس کی نظر کرم حاصل کرنے کے جتن کرتی رہتی ہے۔ تینوں بچپن سے دوست ہیں۔ آنور نے زویا سے بڑے جتن کر کے دوستی کی تھی۔ کاشان کی صورت میں محرم زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ زویا نے کاشان کو چیلنج کیا تھا کہ وہ آنور سے فلرٹ کر کے دکھائے تو وہ استاد مان لے گی۔ کاشان نے چیلنج قبول کر لیا تھا جلد ہی اس نے آنور سے دوستی کر لی۔ اسے سوٹ، ورسیل فون گفٹ کیا۔ جدید اسمارٹ فون استعمال کرنا آنور کو مشکل لگ رہا تھا۔ عرشان ولی، کاشان کو اس کی حرکتوں پر بے نقط کی سناتا رہتا تھا۔ اسے ان لڑکیوں پر غصہ آتا تھا جو کاشان کا شکار بنتی تھیں۔ وہ اپنی محبت اور جذبے اس کے لیے سنبھالے بیٹھا تھا جو صرف اس کی ہوگی۔ ولید عرشان ولی کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ (اب آپ آگے پڑھیں)

☆.....☆

عشق کے جزیرے پر
بے پناہ محبت کا
اک ہی گھروندا تھا
اک ہی ٹھکانا تھا
بے پناہ چاہت کا
اک ہی سہارا تھا
جس کو بے خیالی میں
اک انا کی ضد لے کر
تم نے آج کھویا ہے
آج ضبط رویا ہے

رن وے پر ٹائر اپنے نشان چھوڑ کر اب اوپر کی طرف اٹھنے لگے تھے۔ ٹائر اپنا آپ جہاز کے پنجوں میں گم کر چکے تھے۔ زمین سے اب جہاز کا ناتا ٹوٹ کر خلاء میں اوپر کی طرف سفر کر رہا تھا اور بالآخر اپنی اڑان کا ہدف پورا کر کے اس کا رخ سیدھا ہو گیا تھا۔

جہاز بادلوں میں سفر کرنے لگا تھا۔ ایئر ہوسٹس سیٹ بیلٹ کھولنے کی اناؤنسمنٹ کر رہی تھی۔ دوسری اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کو نبھاتی مسافروں کی ضروریات پوچھ رہی تھیں تو کوئی سیٹ بیلٹ کھولنے میں مدد دے رہی تھیں۔ سیٹ بیلٹ کھول کر عرشان ولی کی نظریں آسمان کے سینے پر سفر کر رہی تھیں۔

وہ اکثر و بیشتر سفر کرتا تھا مگر اس بار تو سفر سے پہلے ہی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ شانے شل اور ذہن

تھکاوٹ کا شکار نظر آ رہا تھا۔ وہ بے ساختہ سیل فون کی اسکرین روشن کر گیا تھا اور آنور کی مسکراتی تصویر سامنے آ گئی تھی۔ دانستہ اسے خود سے دور رکھ کر اس گھڑی اپنے انگوٹھے کو اس کے نقوش پر سرسرانے سے باز نہیں رکھ سکا تھا۔

زندگی میں آنور کی شمولیت کے بعد پہلا موقع تھا جب وہ اس کے بناء اکیلے سفر کر رہا تھا جو آتش فشاں اس کے اندر پل رہا تھا اس نے اسے ڈرا دیا تھا۔ وہ آنور سے محبت کرنے میں بے اختیار تھا۔ سچ جان کر بھی اس کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی لیکن اس کے اندر کا پرفیکشنسٹ ہر گھڑی اسے کچوکے لگاتا تھا، کبھی کبھی اسے لگتا تھا وہ کسی کمزور لمحے میں انتہائی فیصلہ کر کے دونوں کی زندگی کو دوراہے پر لا کھڑا کرے گا۔ ایک اسی ڈر سے بچنے کے لیے وقتی فرار کی تلاش میں تھا اور قسمت سے موقع بھی مل گیا تھا۔

وہ اسے چھوڑ تو آیا تھا مگر دل کہیں اس کے پاس ہی رہ گیا تھا۔ آنکھیں ضبط سے سرخ ہونے لگی تھیں۔ نظریں تصویر پر جمی تھیں۔ انگوٹھا اسکرین پر سرسرا کر اسے بلک جھپکنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میسج ٹون کی آواز نے اس نے میسج کھولا تھا اور لفظوں پر نظر پڑتے ہی آنکھ کا ایک موتی اسکرین پر ٹپکا تھا۔

☆.....☆

زویا کی آنکھ کھلی تو کئی ثانیے اسے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ پلکیں جھپک جھپک کر ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی اور پھر اسے سب یاد آنے لگا۔ وہ ہوٹل کے اس روم میں ذکی سے ملنے آئی تھی۔ میٹنگ اچھی چل رہی تھی۔ وہ اپنے ایڈز کے لیے اسے سلیکشن کی خوش خبری دے رہے تھے۔ زویا اپنی اڑان پر خوش ہو رہی تھی اور پھر ڈرنک انجوائے کرتے جانے کب وہ ہوش سے غافل ہو گئی تھی اور اب آنکھ کھلی تو خود کو بیڈ پر پا کر اپنے حلیے پر نظر ڈالتے اسے جو کہانی سمجھ آ رہی تھی وہ ناقابل یقین لگ رہی تھی۔ تب ہی واش روم کا دروازہ کھلا تھا اور چالیس پینتالیس سالہ ذکی جو حواس میں اس کے سامنے سوٹڈ بوٹڈ براجمان تھا اس وقت غیر اخلاقی حلیے میں اس کے سامنے موجود مسکراتی نگاہ اس پر ڈال رہا تھا۔

''اٹھ گئیں۔''

''کیا کیا ہے، تم نے میرے ساتھ؟'' وہ غم و غصے سے چلانے لگی۔

''کم آن! تم اتنی بچی نہیں ہو۔ ہاٹ فوٹو شوٹ کروانے والی اور کئی مردوں کے ساتھ وقت گزارنے والی کی پارسائی میں چیک کر چکا ہوں کہ کتنی ان ٹچ ہے۔'' وہ جیسے مذاق اڑانے لگا۔

''میری مرضی کے خلاف مجھے آج تک کسی نے استعمال نہیں کیا۔'' اس کی آواز غصے سے اونچی ہو گئی۔

''اب تو یہ گستاخی میں نے کر لی کیا کرو گی۔ میڈیا بلاؤ گی؟ نیوز پیپر کو بیان دو گی؟ ان سب سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ الٹا تم زیرو پر آ کر آؤٹ ہو جاؤ گی اور چپ کر کے میرے ساتھ تعاون کرتی رہیں تو میں جلد ہی تمہیں ٹاپ ماڈل بنا دوں گا۔ ابھی تمہیں جو آفر کی ہے مجھوان سے ہی ایک دم آسمان چھو لو گی۔ اب بتاؤ شور کر کے یہاں سے جانا ہے یا خاموشی سے کنٹریکٹ کر کے کامیاب ماڈل بننا ہے۔''

سگریٹ سلگاتے وہ مقابل بیٹھ گیا تھا۔ زویا بتائی ہوش و حواس میں اسے سن اور دیکھ رہی تھی۔ ذکی کے لفظوں کو بھی پرکھ رہی تھی۔ اس کی ریپوٹیشن جاننے کے بعد بھی جانے کیسے چلی آئی تھی۔ نشہ آور ڈرنک پیتے اسے احساس بھی نہ ہوا کہ وہ استعمال ہو جائے گی۔ ان باتوں کی بھنگ بھی بند کتاب کو ہوتی ہے جس کے ورق اپنی مرضی سے دبئی میں کئی مقامات پر کھلے ہوں اسے کیا پروا ہو سکتی تھی۔ ہاں اسے ذکی کی اس چالاکی کا علم

Ridadigest.com

نہیں تھا۔ شور کر کے بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اس طرح اس کا کیریئر ختم ہو سکتا تھا۔ پروڈیوسرز اس سے دور بھاگ سکتے تھے۔ آگے بڑھنے کے لیے اسے ان کی ضرورت تھی تو ان کے مطالبات بھی ماننے تھے۔ کش لگاتا ذکی خاموشی سے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

"کنٹریکٹ پیپر کہاں ہے؟" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"گڈ گرل! بہت آگے جاؤ گی۔" ذکی خوش ہو گیا تھا۔

"پیپر تو یہیں سامنے پڑے ہیں۔" ذکی نے پیپر اٹھا کر اس کی طرف بڑھائے۔ اس سے پہلے کہ زویا انہیں لے کر سائن کرتی ذکی نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لیے تو وہ لب بھینچے اسے دیکھنے لگی۔

"سائن کرنے سے پہلے ایک بار خوش کر دو تو...... وہ کیا ہے نا تم ہوش میں نہیں تھیں تو......"

خباثت چہرے پر سجائے وہ معنی خیزی سے کہہ رہا تھا اور اس کا مفہوم سمجھتے زویا نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں دبی اپنی کامیابی کی کنجی کو دیکھا اور جیسے ہتھیار ڈال دیے۔

☆......☆

انسان جب تک ایک برانڈ نہیں بن جاتا زمانے کی ٹھوکر پر رہتا ہے جس دن برانڈ بن جاتا ہے، دنیا ٹھوکروں پر آ جاتی ہے۔

تب وہ بھی برانڈ نہیں تھی۔ تب ہی لوگوں کی ٹھوکروں میں ذلیل و خوار ہوتی دو وقت کی روٹی کے لیے خود کو گھسیٹتی رہتی تھی۔ خوشگوار زندگی کے لالچ میں در در سے آس لگا کر نامراد ہوتی رہی اور آج جب وہ ایک برانڈ بن چکی تھی تو وہی لوگ جو اسے کوڑیوں کے مول برابر عزت نہیں دیتے اب اس کے نام کے بھرم سے خائف رہنے لگے تھے۔

اور اسے برانڈ بنانے والا کون تھا وہ شخص جو اپنی ذات میں بذات خود ایک Instituite تھا۔ آنوز نے اس ایک شخص میں اتنی خوبیاں دیکھی تھیں جتنی شاید ہزاروں لوگوں میں ڈھونڈنے سے بھی نا ملتیں۔ وہ شخص رشتوں کے لیے لفظ نہیں عملاً قدم اٹھاتا تھا۔ حقیقت جاننے کے بعد بھی اپنی ذات کا مان بخش کر اپنے گھر میں جس طرح پناہ دے رکھی تھی جس طرح اپنی ذات کی چھاؤں میں محفوظ کر رکھا تھا کاشان کے تمام مکروہ ارادوں کو جس طرح ایک جھٹکے میں ناکام بنا کر اسے تحفظ فراہم کر گیا تھا وہ ہر گز بھی فراموش کے قابل نہیں تھا۔

وہ شخص ناراض تھا، خفا تھا لیکن اس سے لاپروا نہیں تھا۔ دو گھڑی کو بھی کہیں جاتا تھا تو Miss me! کا پیار بھرا آرڈر کرتا تھا اور آج وہ واقعی اسے بے حد مس کر رہی تھی۔ تب ہی Missing you کا میسج چھوڑ گئی۔ خبر تھی اس کے لیے مخصوص لگائی ٹون پر وہ سب کچھ چھوڑ کر پہلے میسج دیکھے گا، پڑھے گا لیکن جواب بھیج کر سچ نہیں بولے گا۔

سیل فون رکھ کر وہ بے دلی سے اٹھنے ہی لگی تھی جب ولید کی کال آنے لگی۔ اس کی غیر متوقع کال پر حیران ہوتی وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ ریسیو کرے یا نہ کرے۔ ولید ہر لحاظ سے معتبر حوالہ رکھتا تھا۔ تب ہی اس نے کال ریسیو کر لی۔

"السلام علیکم!" حتی الامکان کوشش کر کے اس نے نارمل لہجے میں بات شروع کی۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہیں بھابی؟"

ان کے درمیان ورکر اور مالک کا رشتہ رہ چکا تھا۔ ولید پہلے بھی بات کرتا تھا مگر شادی کے بعد سے جو مزید احترام و تعظیم لہجے میں آ گیا تھا وہ واضح کر جاتا تھا کہ برانڈ بن کر اس کی حیثیت و رتبے کو عزت دی جا رہی ہے۔

"الحمدللہ! آپ سنائیں وریشہ کیسی ہے؟" وہ معمول کی طرح اس کی نصف بہتر اور اپنی کلاس فیلو کی طبیعت پوچھ گئی۔ وہ جواب دے کر مدعے کی طرف آیا۔

"بھابی صاحبہ! آپ کی خدمت میں ایک عرضی لے کر حاضر ہوا ہوں۔ عرشان نے تو سارا کچھ آپ پر چھوڑ دیا ہے۔ اب آپ بتائیں آپ کا فیصلہ کیا ہے۔"

ولید سارا معاملہ گوش گزار کر کے اس کی رائے مانگ رہا تھا اور وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہی ہو گئی تھی۔ اس کے لیے یہ ہی خاصا حیران کن تھا کہ عرشان ولی نے اپنے بزنس کے لیے اسے Nominate کیا ہے۔

"پھر بتائیں بھابی! آپ راضی ہیں؟ کروالوں پیپرز تیار؟" ولید جاننا چاہ رہا تھا۔

"میں آپ کو سوچ کے جواب دیتی ہوں۔ عرشان اسلام آباد کے لیے نکلے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔"

وہ سبھاؤ سے وقت طلب کر گئی۔ عرشان ولی سے بات کیے بنا وہ کوئی بھی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ خواہ انکار ہو یا اقرار۔ اسے سن کر تو خود عجیب لگا تھا کہ وہ بزنس کرے گی۔ وہ چھوٹتے ہی انکار کرنا چاہ رہی تھی لیکن عرشان ولی نے سب کچھ اس پر چھوڑا تھا تو وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کیسے۔

"بھول گیا ہو گا آپ سوچ کر مجھے انفارم کر دیجیے گا تا کہ میں جلد پیپرز تیار کروالوں۔"

"جی بہتر!"

چند ایک بات کے بعد اس نے کال بند کر دی تھی وہ اس کی اذیت کا سبب بنی ہوئی تھی۔ ایک اسی کے باعث وہ اپنے اندر کی جنگ سے نڈھال ہو رہا تھا لیکن اس کے لیے اپنے سے اوپری سوچ رہا تھا۔ چاہتا تو ایک سیکنڈ میں سب چھین کر اسے پھر سے راہ کی دھول کر دیتا مگر وہ ظالم نہیں تھا۔

☆......☆

زویا [illegible] پر سگریٹ پھونک رہی تھی۔ آنکھیں نشے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ ذکی نے جس طرح چالاکی دکھائی تھی اور وہ جس طرح کامیابی کے لیے سب کی ڈیمانڈ پوری کرتی جا رہی تھی اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اپنی اس زندگی کا ذمہ دار وہ عرشان ولی کو سمجھنے لگی تھی۔

محبت ایسا وصف ہے جس کے ملنے یا کھونے سے انسان یا تو ولی بن جاتا ہے یا شیطان۔ کچھ تو اس کی فطرت اور تربیت ایسی رہی تھی کہ اس میں اچھی لڑکیوں والے طور طریقے تو کبھی نہیں رہے تھے۔ سونے پر سہاگہ اس نے ماڈلنگ کی فیلڈ چن کر کیا تھا۔

وہ جس قدر آگے جانے کے لیے پستی میں اترتی جا رہی تھی، اتنی ہی نفرت عرشان ولی کے لیے اس کے اندر موجزن ہونے لگی تھی۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا ان سب کا قصوروار اسے وہی لگ رہا تھا۔ حالانکہ اس میں عرشان ولی کا کوئی دوش نہیں تھا۔ وہ عرشان ولی کی خواہاں تھی۔ اس نے تو کبھی اشارے کنایے میں بھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ غصہ تو اسے پہلے ہی عرشان ولی پر تھا۔ آنوز کو اس کی زندگی میں خوش حال

Ridadigest.com

دیکھ کر اسے اپنے بستر کے کانٹے مزید چبھنے لگے تھے۔

''زندگی میں اتنا Embarrasses کبھی نہیں ہوا، جتنا آج تھانے جا کر ہوا ہوں۔'' کاشان بھی لوٹ آیا تھا اور اب غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بیئر کی بوتل تھی جو وہ آتے ہوئے فریج سے نکال لایا تھا۔ بڑا سا گھونٹ بھر کے بوتل لہراتے ہوئے کہا تو زویا اپنے خیالوں سے چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''Same felling brother!'' زویا نے لمبا کش لگا کر دھواں فضا میں چھوڑا۔

''کیا ہوا تھانے میں؟'' زویا نے جاننا چاہا۔

''جی بھر کے Insult ہوئی اور کیا ایس پی شہیر کو تو اللہ نے موقع دیا۔ میرا سارا کچا چٹھا لیے بیٹھا تھا۔ ثبوت کے طور پر ان لڑکیوں سے رابطہ کر کے ان کا بیان ریکارڈ کر کے گواہی دلوانے کی دھمکی بھی دے رہا تھا، جنہیں میں نے کبھی بلیک میل کیا تھا، ہاتھ جوڑ کر ختم کرنے کی درخواست کرتے معافی مانگی تو عرشان ولی کو کال ملا کر سزا پوچھنے لگا اور اس نے احسان کر کے چھوڑنے کا کہہ دیا، ساتھ ہی وارننگ بھی دی کہ آئندہ اس کی بیوی کو تنگ بھی کیا تو شوٹ کر دے گا۔ بہت بڑی چیز ہے یہ عرشان ولی!'' کاشان نفرت سے کہہ رہا تھا۔

''کیا تمہیں اب بھی نہیں لگتا کہ ہمیں اس کے بارے میں کچھ سوچنا چاہیے۔'' سب سن کر زویا کام کی بات کی طرف آئی۔

''سوچو......اب تو مجھے بھی اس شخص سے شدید نفرت محسوس ہو رہی ہے۔''

کاشان نفرت و نشے میں گالیاں دینے لگا تھا۔ پھر دونوں بہن بھائی پلان کرنے لگے۔

☆......☆......☆

میرا پیچھا اب انجھن موڑ سجن!
مجھے چاہ نہ کوئی اور سجن!
میں نے اوڑھا رنگ سیاہ فقط
دیئے کنگن، چوڑی توڑ سجن
میں نے تجھ سے سچا عشق کیا
دی ساری دنیا چھوڑ سجن!
تیری یاد سے باہر نکلوں میں
مجھے آکر یوں جھنجھوڑ سجن!
کوئی دھاگا تجھ سے جوڑے تو
منت کی باندھوں ڈور سجن
چل مجھ سے عشق دوبارہ کر
چل پھر سے ناتا جوڑ سجن!
میرا جرم بس محبت ہے سائیں!
میں ہوں زندہ درگور سجن
تیرا نام پڑھوں ہر پور سجن

ساری رات اکیلے کمرے میں بتا کر اتنی وحشت ہوئی تھی کہ وہ صبح ہی صبح ڈرائیور کے ساتھ ہاجرہ کی

طرف آ گئی تھی۔ قدوس صاحب اسٹور پر تھے۔ روبی سونی اسکول گئی ہوئی تھیں۔ ہاجرہ اکیلی تھیں۔ اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں اسے اکیلے دیکھ کر یہی سمجھیں کہ عرشان نیچے سے ہی چھوڑ کر چلا گیا ہے لیکن شہر سے باہر جانے کا سن کر ہاجرہ نے بھی سراہا کہ وہ ان کے پاس آ گئی۔ ماہ پارہ کی فطرت وہ بھولی نہیں تھیں عرشان کی غیر موجودگی میں شاید وہ لحاظ نہ کرتیں۔ اس لیے انہیں درست لگا کہ آ نوران کی طرف چلی آئی۔

ہاجرہ نے بصد اصرار ناشتا کروایا تھا۔ وہ جھوٹ بولتی رہی کہ ناشتا کر کے آئی ہے۔ لیکن ہاجرہ ماں تھیں۔ پکڑ گئیں۔ حمنیٰ اور فرہاد صاحب کے اصرار پر اس نے بہانہ گھڑ دیا تھا کہ اماں کی طرف ناشتا کروں گی لیکن یہاں آ کر ٹال مٹول کر رہی تھی۔

ہاجرہ ناشتا بنا کر لے آئی تھیں لیکن اس کا کسی بھی چیز کو دیکھنے کا دل نہیں کر رہا تھا۔ دل کو ایک بے کلی سی لگ گئی تھی۔ عرشان ولی جب سے گیا تھا اس نے ایک کال نہیں کی تھی۔ ولید کی آفر کا بہانہ لے کر خود اس نے کئی بار کال کی مگر وہ پک نہیں کر رہا تھا۔ تب اس نے یہ سوچ کر فون سائیڈ پر رکھ دیا تھا کہ بزی ہے۔ فری ہو کر Ring back کرے گا مگر ساری رات فون کو تکتے گزر گئی۔ کان مخصوص ٹون کی صدا سننے سے محروم رہے۔ انتظار انتظار ہی رہا۔ تکیہ آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔ دل اتنا پریشان ہوا کہ اس نے خود کئی بار کال کی مگر بے سود ہی رہا۔

''کیا وہ فرار چاہ رہا تھا؟''

ہر گھڑی پاس رہنے والا اجنبی بن گیا۔

اپنا عادی بنا کر یکسر جو لوگ بدل جاتے ہیں وہ غضب کرتے ہیں۔

اسے لگا چند گھنٹے اسی فیز میں رہی تو اس کا کچھ ہوش ور جائے گا۔ تب ہی وہ ہاجرہ کی طرف آ گئی تھی۔

''اچھا بتاؤ دن کے کھانے میں تمہارے لیے کیا بناؤں؟'' گھڑی میں وقت دیکھتے ہاجرہ دن کے کھانے کی تیاری کے لیے اس کی رائے طلب کر رہی تھیں۔

''کھانے کو رہنے دیں۔ جو پکے گا کھا لوں گی۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔''

''بیٹی شادی کے بعد گھر آئے تو ماں کا دل یہی چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر نعمت اپنی بیٹی کے آگے رکھ دے، تم نہیں سمجھو گی ابھی تم ماں جو نہیں بنیں۔ خیر کھانے پینے کی تو تمہیں وہاں بھی تنگی نہیں ہو گی۔ ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے عرشان۔ تمہارا بہت خیال رکھتا ہو گا۔

ہمارے دن پھرنے کے لیے اللہ نے اسے ہی تو وسیلہ بنایا جو آج بیٹیوں کے آنے پر اچھا پکا کر انہیں کھلا سکتی ہوں۔ ورنہ تو حسرت ہی رہتی۔ تب اللہ قدم قدم پر عرشان کی حفاظت کرے۔'' ہاجرہ ممتا بھرے لہجے میں کہتے کہتے عرشان ولی کے لیے بے ساختہ دعائیں کرنے لگیں۔ دل ہر دعا پر آمین کہنے لگا۔ وہ شخص اتنا اپنا تھا کہ اس کے لیے دل سے خود بخود دعائیں نکلتی تھیں۔

''بن کہے دل کی بات سمجھ لینے والے کتنے بے درد ہو گئے ہو تم۔'' اس کا دل دہائیاں دینے لگا تھا آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے آپ بس میرے پاس بیٹھی رہیں۔'' اس نے ہاجرہ کا ہاتھ تھام کر التجا کی تو ہاجرہ مسکرا کر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ اس نے جھٹ ان کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند کر کروٹ لے لی تاکہ وہ بھیگی آنکھیں نہ دیکھ لیں۔

ہاجرہ کو اپنی چاروں بیٹیوں سے محبت تھی لیکن آئنور سے شاید کچھ زیادہ تھی۔ اس کی وجہ اس کی حساسیت اور گھر والوں کے لیے کیا جانے والا عمل تھا اس نے ہر مشکل وقت میں گھر والوں کے لیے محنت کی تھی اور ان کے دن بھی تو اسی کے نصیب سے پھرے تھے۔ وہ مزید عزیز کیسے نہ ہوتی۔

وہ خاموشی سے گود میں سر رکھے لیٹی رہی اور ہاجرہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی رہیں۔ انہیں اپنی گود میں آنسوؤں کی نمی محسوس ہوئی تو وہ تشویش سے اس کا چہرہ اپنی طرف کر گئیں۔

''کیا ہوا ہے آئنور...... سب ٹھیک تو ہے نا بیٹا؟ کوئی بات ہوئی ہے عرشان سے کوئی لڑائی وغیرہ۔'' ہاجرہ اس کا چہرہ گود میں دھرے متفکر ہو کر ایک ساتھ کئی سوال کر گئی تھیں۔

''عرشان لڑتے ہی تو نہیں۔'' اس نے پردرد مسکراہٹ سے کہا تھا۔

''پھر......!'' ہاجرہ متفکر ہو کر کئی سوال کر گئی تھیں۔ تب اس نے ہولے ہولے سب کچھ کہہ ڈالا۔ دل اتنا بوجھل ہو رہا تھا کہ نہ کہتی تو دل پھٹ جاتا۔ ہاجرہ سنتی جا رہی تھیں اور دل پر ہاتھ رکھ گئی تھیں۔

''یہ تو نے کیسی نادانی کر لی آئنور۔ ہمیشہ منع کیا تھا۔ جلتے کوئلے کو چھونے کی کوشش نہ کرنا مگر تم لڑکیاں جب جلتے کوئلے سے ہاتھ جلا لیتی ہو تب سوائے افسوس کے کوئی راہ نہیں بچتی۔ کیا سوچتا ہوگا عرشان...... مرد کے دل میں ایک بار بال آ جائے تو عورت ساری زندگی لگا کر بھی وہ بال نہیں نکال پاتی۔'' ہاجرہ سر پکڑے بیٹھی تھیں اور وہ اشک بار تھی۔

''عرشان نے کچھ کہا تجھ سے لڑائی کی۔'' ہاجرہ کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ آئنور نے نفی میں سر ہلایا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''رونا تو اسی بات کا ہے عرشان نے مجھے کچھ کہا نہیں وہ آج بھی میرے لیے اسٹینڈ لے رہے ہیں۔ تب ہی تو کاشان کی دوبارہ ہمت نہیں ہوئی مجھے کال کرنے کی ورنہ اس کی جرأت سے مجھے لگ رہا تھا میں ذہنی مریض بن جاؤں گی۔''

''جب وہ اتنا اچھا ہے تو، تو نے کیوں ایسی بے وقوفی کی۔'' ہاجرہ کو افسوس ہو رہا تھا۔

''مجھے کیا خبر تھی میں صحرا سے ہاتھ ملا رہی ہوں اور گلستان میرا منتظر ہے۔ اماں! جب ہم لڑکیاں بن ٹھن کر کالج جانے لگیں نا تو ماؤں کو صرف سرزنش نہیں کرنا چاہیے پوری خبر رکھنی چاہیے۔ یاد ہے جب آپ مجھے کالج تیار ہو کر جانے پر روکتی تھیں اور اس رات سیڑھیوں پر آپ نے جو مجھ سے فون لے لیا تھا۔ وہی تو تھا کاشان۔ کاش اماں! اس وقت آپ نے میرے جھوٹ پر اعتبار نہ کیا ہوتا اے کاش!'' بیتے ہوئے وقت کو یاد کر کے وہ ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ ہاجرہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ عرشان ناراض تھا۔ دوسرے شہر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ شاید فرار چاہ رہا تھا۔

''پریشان نہ ہو۔ عرشان سمجھ دار بچہ ہے۔ وہ اس نادانی کو معاف کر دے گا۔ دو چار دن یہیں رک جاؤ۔ وہاں اکیلی کیا کرو گی۔'' ہاجرہ نے اس کا دل بہلانے کی غرض سے کہا۔ ورنہ ''اب کیا ہوگا'' کا بھوت انہیں بھی ڈرانے لگا تھا۔

''نہیں اماں، میں جاؤں گی واپس۔ جانے عرشان کب لوٹ آئیں۔ وہ جب بھی لوٹ کر آئیں انہیں منتظر ملوں۔'' وہ فوراً منع کر گئی۔

''آئے گا تو تمہیں بتا کر ہی آئے گا نا، تب چلی جانا۔'' ہاجرہ نے سمجھانا چاہا۔ اس کے لبوں پر استہزائیہ

مسکراہٹ پھیل گئی۔

''شاید! میں نے وہ حق کھو دیا ہے کہ وہ اپنی ہر بات مجھ سے کریں۔''

ہاجرہ اس کے تلخی سے کہے لفظ پر افسوس سے دیکھنے لگی تھیں۔ اس کی خوشیوں بھری راہ گزر کو جانے کس کی نظر لگ گئی تھی۔

☆......☆

فرہاد صاحب نے کہہ تو دیا تھا وہی ہوگا جو وہ چاہتی ہے مگر ساتھ ہی انتظار کے لیے بھی کہا تھا لیکن گھر میں آئنور اور عرشان کے اٹھنے والے قصے نے یہ معاملہ ذرا پیچھے کر دیا تھا۔ ماہ پارہ بھی اپنی دنیا میں مگن تھیں۔ وہ شاپنگ کر کے پارٹیز میں جا کے بور ہو جاتی تو اس پر قنوطیت کا دورہ سا پڑنے لگتا۔ آج بھی یہ ہی عالم تھا۔ تب ہی جب شاہ میر آیا تو وہ اس سے الجھنے لگی۔

مجھے فارن ٹور کا کہہ کر بلایا گیا تھا اور ناردن ایریا تک نہیں لے گئے۔ کیا میں یہاں بور ہونے کو بیٹھی ہوں۔''

''میں نے کہا تھا لیکن سچویشن تمہارے سامنے ہے۔ عرشان بزنس کے سلسلے میں دوسرے شہر میں ہے اس لیے یہاں کے بزنس کی ساری ذمہ داری میرے سر ہے۔ وہ واپس آئے تو پھر پلان کرتا ہوں۔'' شاہ میر سچائی بتا کر پلان بھی بتا گیا۔

''میں جانتی ہوں۔ تم میرا احساس کرتے ہو اور میں تمہیں ضرورت سے زیادہ تنگ کرتی ہوں۔ اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ میرے پاس کوئی مصروفیت نہیں۔ اولاد ہوتی تو میں اس میں لگی رہتی۔ اسے کھلانا، پلانا، اس کے کپڑے بدلنا، اسے تیار کرنا، لیکن......'' وہ شوق سے کہتے کہتے آخر میں دکھی ہو کر چپ ہو گئی۔

''وہ دن بھی آئے گا، انشاء اللہ! نا امید کیوں ہوتی ہو۔'' شاہ میر نے حوصلہ بڑھایا۔

''پتا نہیں آئے گا بھی یا میری کوکھ ہی بنجر ہو گئی اب تک۔'' وہ درد سے رونے کے لیے پر تولنے لگی۔

''وہ جب پتھر سے آبشار نکال سکتا ہے تو اس کے لیے کیا مشکل ہے تمہاری گود ہری کرنا، دعا کیا کرو۔'' شاہ میر نے گال تھپتھپائے۔

''شاہ میر! ہم ٹور کے لیے فارن نہیں جائیں گے بلکہ عمرے کے لیے چلتے ہیں۔ میں کعبے میں رو رو کر اپنی اولاد کے لیے دعا مانگنا چاہتی ہوں۔ مدینہ میں حاضری دینا چاہتی ہوں شاید محبوب کبریا کے طفیل میری دعا رب کی بارگاہ میں قبول و منظور ہو جائے۔'' حمنیٰ ایک جذبے سے کہہ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تو شاہ میر مسکرا دیا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ایسا ہی کرتے ہیں۔'' وہ حامی بھر گیا۔

''شاہ میر! دیکھو پلیز غصہ مت ہونا۔ وہ میں کہہ رہی تھی جب تک ہماری اپنی اولاد نہیں ہوتی کیوں نا ہم ایک بچہ ایڈاپٹ کر لیں۔'' حمنیٰ نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔ شاہ میر نفی میں سر ہلاتے لب بھینچ گیا۔

''اپنی غرض کے لیے ابھی بچہ ایڈاپٹ کر لیں اور کل کو جب اپنا بچہ ہو تو ایڈاپٹڈ بچے کو پھر سے یتیم خانے چھوڑ آئیں، نہیں کبھی نہیں۔'' شاہ میر کا انداز قطعیت بھرا ہو گیا۔

''واپس کیوں چھوڑیں گے اسے بھی پال لیں گے۔'' حمنیٰ نے یقین دلایا۔

''اپنے بچوں میں توازن آج دنیا کا سب سے مشکل کام ہے اور تم ایک ایڈاپٹڈ بچے کی ذمہ داری اٹھانا

Ridadigest.com

چاہ رہی ہو۔ حمنیٰ سو طرح کے مسائل ہوتے ہیں۔ بڑا ہو کر محرم نامحرم کے چکر جائیداد کے حصے بخرے بچے کی مرضی موڈ ہٹ دھرمی ہم کن کن چیزوں کو ہینڈل کریں گے؟ کل کو اس کی تربیت کے لیے سختی بھی کی تو اسے لگے گا سگے نہیں اس لیے ایسا برتاؤ ہے۔ آج کے دور میں سگی اولاد منہ کو آرہی ہے من مانی کر رہی ہے پھر ہم ایڈاپٹڈ بچے سے کیسے کوئی امید لگا سکتے ہیں۔ نیکی برباد اور گناہ لازم والی بات ہو جائے گی۔'' شاہ میر نے حقیقت پسندی سے ساری صورت حال کی ایک فلم سی اس کی آنکھوں کے آگے چلا دی تھی جنہیں سمجھنے کے باوجود وہ اداسی سے منہ بنا گئی۔

☆......☆

''ایسا لگتا ہے کہ میں ٹوٹ گیا ہوں اندر سے
بات کرتا ہوں تو آواز کھنکتی ہے میری''

مختلف لوگوں سے میٹنگ، نئی کمپنی کے لیے جگہ کی سلیکشن، سائٹ کا وزٹ، ان تمام مصروفیات میں بھی سب سے اہم مصروفیت نہیں بھولتا تھا۔ اسے یاد کرنا، اسے سوچتے رہنا لیکن اب ان بے تابیوں کو ظاہر کرنا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ پہلے ایک سیکنڈ کی بھی فرصت ملتی تھی اور وہ اس کا نمبر ڈائل کر لیتا تھا یا پیار بھرا پیغام چھوڑ دیتا تھا اور اب فرصت ملتے ہی بس سیل فون کی اسکرین روشن ہو جاتی تھی اور اس ستم گر کی صورت نگاہوں میں بھرنے لگتی تھی۔ آنکھوں میں جب اس کا عکس جھلملاتا تھا، لمحے وہیں ساکت ہوتے محسوس ہونے لگتے تھے۔ جانتا تھا وہ بے چین ہوگی۔ بات کرنا چاہتی ہوگی اس کی خاموشی اسے کھا رہی ہوگی مگر اتنا سب جاننے کے بعد بھی وہ اس کی کال پک نہیں کر پا رہا تھا۔

دریچے سے لگا وہ باہر ہوتی بارش پر ایک نظر ڈالتا پھر سے اسکرین پر نظر ڈال گیا۔ موسم حسین ترین تھا تو ماحول اس سے کہیں زیادہ......

''ابھی تم ساتھ ہوتیں تو شاید اس موسم کی رعنائی مزید بڑھ جاتی جانم۔''

تصور ایک لمحے کو غائب ہوئی تھی اور کال آنے لگی تھی۔ ذہن میں پہلا خیال اسی کا آیا تھا لیکن قدوس صاحب کا نمبر دیکھ کر وہ بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے بنا کال ریسیو کر گیا کہ کہیں کوئی مسئلہ نہ ہو گیا ہو۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! کیسے ہو عرشان بیٹا؟'' خلاف توقع ہاجرہ کی آواز سن کر وہ محبت سے جواب دینے لگا تھا۔ ہاجرہ بھی اِدھر اُدھر کی بات کرنے لگی تھیں اور وہ بھی جاننے کا خواہش مند تھا کہ سب خیریت ہے؟ ہاجرہ نے یقین دلایا تو وہ مطمئن ہو گیا۔

''آئنور سے ناراض ہو بیٹا؟'' ہاجرہ نے استفسار کیا تھا اور اس کی طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

''صبح آئی تھی بہت بے کل تھی۔ میں نے رک جانے کے لیے بھی کہا مگر یہ کہہ کر واپس چلی گئی کہ نہ جانے تم کب لوٹ آؤ اور اسے موجود نہ پاؤ تو اسے اچھا نہیں لگے گا۔ آئنور نے نادانی میں جو کچھ کیا اسے معاف کر دو بیٹا۔'' ہاجرہ ان دونوں کے مابین سرد جنگ کے متعلق سن کر ازحد متفکر ہو گئی تھیں تب ہی عرشان کو کال ملا گئیں۔

''اس نے آپ کو وکیل بنایا ہے۔'' جہاں اسے حیرانی ہوئی کہ اس نے ہاجرہ کو سب بتا دیا ہے۔ وہیں اچھا بھی نہیں لگا۔

''نہیں نہیں......وہ وہ پریشان تھی۔ اکیلا پن محسوس کر رہی تھی، تب ہی میرے اصرار پر سب کہہ گئی۔ اپنی نادانی تمہاری اعلیٰ ظرفی۔ میرے بچے کیا تم دل بڑا کر کے اسے معاف نہیں کر سکتے؟'' ہاجرہ التجا کر رہی تھیں۔ وہ چپ رہ گیا تھا۔

''آئنور بری نہیں ہے نہ ہی اس کی نیت کبھی بری رہی ہے۔ وہ تو بس ہماری غربت کو امیری کی چادر اڑھانے کے لیے خود کو داؤ پر لگا گئی، نادان تھی جو جان نہ سکی کہ مانگے کی چادر سے کب جسم ڈھک سکا ہے۔ جو ہو سکے تو ایک ماں کی لاج رکھ کر اسے معاف کر دو۔''

''میں نے اسے معاف کر دیا ہے اماں لیکن بھول نہیں پا رہا، وہ کل بھی عزیز تھی آج بھی اتنی ہی عزیز ہے آپ اصرار کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔'' وہ حقیقتاً ان کے بار بار کہنے پر عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔

''تم بات کر لو گے تو سنبھل جائے گی۔ ٹھیک سے کھا پی نہیں رہی۔ بس روئے جا رہی ہے بات بے بات۔ اس طرح بیمار پڑ جائے گی۔ اس کا علاج تمہارے اعتماد بھرے لفظ ہی کر سکتے ہیں وہ بہت شرمندہ ہے۔''

ہاجرہ کہہ رہی تھیں اور وہ چپ کر کے سن رہا تھا۔

☆......☆

کوئی دیوانہ کہتا ہے کوئی پاگل سمجھتا ہے!
مگر دھرتی کی بے چینی کو بس بادل سمجھتا ہے
میں تجھ سے دور کیسا ہوں تو مجھ سے دور کیسی ہے
یہ میرا دل سمجھتا ہے یا تیرا دل سمجھتا ہے!

یہ شاید ہاجرہ سے ہوئی بات کا نتیجہ ہی تھا جو اس کی کال آتے ہی تو وہ ریسیو کر گیا۔

''کہاں تھے؟ میں نے کتنی بار کال کی، ریسیو کیوں نہیں کر رہے؟'' وہ چھوٹتے ہی جس بے قراری سے بولی عرشان ولی کو خود کو سنبھالنا مشکل لگنے لگا۔ جہاں اس کی محبت دھڑکنے لگی تھی وہیں درد کی بارش ہونے لگتی تھی۔ ایک اسی کشمکش سے تو وہ دور آ بیٹھا تھا۔

''بزی تھا۔'' مختصر جواب دیا گیا۔

''رات کو بھی بزی تھے۔ میں نے کتنی کالز کیں ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ رات فری ہونے کے بعد تو سیل فون دیکھا ہوگا۔'' گلہ کرتے استفسار ہوا۔

''دیکھا تھا۔'' اختصار سے کام لیا گیا۔

''پھر Call back کیوں نہیں کی۔'' حیرانی کے ساتھ افسوس ہوا۔

''چیک کر رہا تھا تمہارے بنا رہ سکتا ہوں یا نہیں۔'' عجیب سے لہجے میں دیے گئے جواب پر اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ کئی پل دونوں طرف صرف جھینگر کی آواز آنے لگی۔

''پھر کس نتیجے پر پہنچے؟'' درد سے سوال ہوا تھا۔

''ابھی نتیجے سے دور ہوں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ اس کے دل پر چوٹ سی لگی۔

''عرشان پلیز مت کریں ایسے، میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

”ہاتھ جوڑتی ہوں، پاؤں پڑتی ہوں اگر تمہیں یہ ہی بات کرنی ہے تو فون سوئچ آف کرنے لگا ہوں۔ مجھے نہیں سننی ایسی باتیں۔“ وہ انتہائی لہجے میں کہہ گیا تو وہ جلدی سے ٹوک گئی۔

”بند نہیں کریں اچھا نہیں کرتی ایسی باتیں۔“ وہ فوراً مان گئی، مبادا واقعی وہ سوئچ آف کردے سیل کا۔

”بولو کیوں کال کر رہی تھیں؟“

”آج سے پہلے تو یہ سوال نہیں کیا آپ نے؟“ گلہ ہوا۔

”آج سے پہلے یہ صورت حال بھی ہمارے بیچ نہیں تھی۔“

لاجواب کردیا گیا۔ وہ ایک بار پھر چپ رہنے پر مجبور آنسو بہانے لگی کہ معذرت کے جملوں پر بھی پابندی تھی۔ وہ کیسے گھیر کے مار رہا تھا۔

”سر ولید کی کال آئی تھی آپ کی ان سے کوئی بات ہوئی ہے۔“ وہ عادتاً سر کہہ گئی۔ اس سے جڑے رہنے کے لیے اس کی گھمبیر آواز کو تادیر سماعت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ تو چاہیے تھا۔

”ہاں! ولید والی پارٹنر شپ سے اپنا نام نکال کر تمہارا نام ڈلوانے کا کہا ہے۔ میں ٹائم ہی نہیں دے پا رہا۔“

”میں کیسے کروں گی بزنس۔ مجھے تو اس کی الف ب کی سمجھ نہیں۔“ وہ معذوری ظاہر کر گئی۔

”ساری زندگی ناسمجھی میں نہیں گزاری جاسکتی کبھی نہ کبھی تو سمجھ دار ہونا ہی پڑتا ہے۔“ انداز ناصحانہ تھا۔

”ورکنگ وومن بنو، اپنا بزنس ہینڈل کرو، اپنا بنگلہ اپنی گاڑی جب لوگی تو اس کی خوشی کا اندازہ ابھی نہیں کر پاؤ گی۔“

”میرے پاس آل ریڈی سب کچھ ہے۔ آپ کے توسط سے۔“ وہ ہچکچا رہی تھی۔

”بے شک ہے اور رہے گا لیکن خود کو پہچانو اپنی شناخت بناؤ۔“ وہ مصر تھا۔

”میرا حوالہ آپ ہیں مجھے کسی شناخت کی ضرورت نہیں۔“ وہ بھی اڑی رہی۔

”میں ہمیشہ نہیں رہوں گا۔ میرے بعد تمہیں مشکلات ہوں، بہتر ہے کہ ابھی ہی سب کچھ سیکھ لو۔ بزنس کی الف ب سیکھنا کوئی مشکل نہیں۔ ولید سب سمجھا دے گا پھر میں ہوں تمہیں بتاتا رہوں گا۔“

”آپ ہمیشہ کیوں نہیں رہیں گے کیسی فضول بات کر رہے ہیں۔“

عرشان ولی کے لب بھنچ گئے ساری تقریر میں اسے وہی قابل گرفت جملہ لگا۔

”میں نے آب حیات نہیں پی نہ ہی امر ہوں۔ مرنا میں نے بھی ہے۔“ وہ جھنجلایا۔

”مریں آپ کے دشمن آپ کو آتی موت مجھے آجائے پھر ایسی بات مت کیجیے گا۔ مانا آپ میری وجہ سے تنگ ہیں مگر موت کی بات......“ وہ روتے ہوئے گلہ کر رہی تھی اور عرشان ولی سر پکڑ گیا تھا۔

”ٹھیک ہے بیٹھی روتی رہو۔“ وہ جھنجلا کر فون ہی بند کر گیا۔

☆......☆

”All is fi!“ کاشان کو دیکھتے ہی زویا استفسار کرنے لگی۔ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کاشان لگ چکا تھا۔

”ہاں فکس کردیا سب ڈیڑھ لاکھ میں مشکل سے ڈن کیا ہے۔ آدھی پے منٹ کردی ہے آدھی عرشان ولی کے مرنے کے بعد۔“ وہ آرام سے پھیل کے بیٹھ گیا۔ چہرے پر اتنا سکون تھا جیسے وہ عرشان ولی کی سپاری نہ

دے آیا ہو بلکہ کوئی تیر مار آیا ہو۔

”اس کی موت حادثہ لگے، گولی چھری کا استعمال نہ ہو، قتل کیس نہ بنے، تم نے ٹھیک سے سمجھا تو دیا ہے نا۔“ زویا یاددہانی کروا رہی تھی۔

”ہاں یار کروا دیا ہے۔ تب ہی تو زیادہ پیسے مانگ رہا ہے کہ گولی مارنا آسان ہے بہ نسبت حادثاتی رنگ دینے کے۔“ وہ مطمئن تھا۔

”پھر ہم کب عرشان ولی کی موت کا جشن منائیں گے۔“ زویا ایکسائیٹڈ ہوگئی۔

”ابھی تو اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ واپس آئے گا تب تک ہی کچھ ہوگا۔ تم پتا تو کرنے کی کوشش کرو کب واپس آرہا ہے؟“ کاشان بھی جلد سے جلد کام چاہ رہا تھا۔ تب ہی اتاولا ہونے لگا۔

”میں کس سے پوچھوں؟ عرشان ولی تو اب تک میرا نمبر بھی بلاک لسٹ میں ڈال چکا ہوگا۔“ زویا نے نخوت سے کہا۔

”میں ماما سے کہتا ہوں، باتوں باتوں میں ماہ پارہ آنٹی سے پوچھیں۔“ کاشان کا دماغ چلنے لگا۔

”ہاں یہ ممکن ہے اور کسی کو ہم پر شک بھی نہیں ہوگا۔“ زویا خوش ہوگئی۔

”ایک بار اس عرشان ولی کو کفن پہنانے دو، دیکھنا پھر اس آنسو کا کیا حال کرتا ہوں۔ جتنی ذلت اس کے باعث ہوئی ہے سود سمیت وصول کروں گا۔“ وہ اپنے عزائم بیان کرتا جا رہا تھا۔

”اور میں تو تماچے لگاؤں گی بچی اس (گالی) کو۔“ زویا بھی نفرت سے گویا تھی۔

☆......☆

”میں بھول بھٹک کر بار گئی ہر بار تمہارا نام لیا!
اس عشق کی کملی کے ہر قصے کا عنوان پیا!“

اس نے فون بند کردیا تھا اور اس کی دوبارہ کال کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ وہ روتی رہی تھی۔ کمرا اس کی یاد دلانے لگا تو وہ کروٹ بدل کر خاموشی سے اس کی خالی جگہ کو دیکھتی ہاتھ پھیرنے لگی۔ تب ہی اس کا سیل فون بجنے لگا۔ غیر متوقع ٹون پر اس کے اعصاب الرٹ سے ہوگئے تھے عرشان ولی کی کال تھی۔

”السلام علیکم!“ اس نے جھٹ کال ریسیو کرلی۔

”والسلام!“ میں نے ولید کو انفارم کردیا ہے۔ وہ پیپرز تیار کروا لے گا۔ تم صبح سے ہی آفس جوائن کرلو۔“ اس غیر متوقع آرڈر پر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

”اتنی جلدی کیا ہے، آرام سے کرلوں گی۔“ وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔ کال آنے پر وہ خوش فہم سی ہوگئی تھی لیکن اس کا سنجیدہ لہجہ اس کی ساری خوش فہمی دور کر گیا۔

”کیوں جلدی میں کیا مسئلہ ہے؟“ خشک لہجے میں دریافت ہوا تو اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ جانے کیوں وہ شخص اسے بزنس وومن بنانے پر کمر بستہ تھا۔ لوگ عورتوں، بیویوں کی ٹانگیں کھینچتے تھے اور وہ اسے کاروبار کی طرف دھکیل رہا تھا۔

”تم صبح وقت پر آفس پہنچ رہی ہو، اینڈ ڈیٹس اٹ!“ حتمی لہجے میں کہا تو اس کے لب پھڑپھڑائے۔

”عرشان! گھر پر سب کیا کہیں گے۔ میری وجہ سے کوئی ٹینشن نہ ہو جائے۔“ در پردہ وہ اس وجہ سے بھی پریشان تھی کہ جانے وہ سب سننے کے بعد کیسا ری ایکٹ کریں۔ اجازت ملے گی بھی یا نہیں۔

”تم میری ذمہ داری ہو۔ تمہیں صرف میری اجازت درکار ہے اور جب میں خود کہہ رہا ہوں تو کس بات کا ڈر ہے۔ رہی میری فیملی تو وہ میرا ہیڈک ہے۔ میں ڈیڈ سے بات کرلوں گا۔ فضول باتوں کو سوچ کے خود کو ہلکان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس مدلل انداز کے بعد باقی کیا بچا تھا۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق وہ ہامی بھر گئی۔

”ٹھیک ہے، میں چلی جاؤں گی صبح۔“ ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

”ڈرائیور پک اینڈ ڈراپ کردے گا۔ ہوسکے تو ڈرائیونگ اسکول میں بھی ایڈمیشن لے لو۔ تاکہ ڈرائیور کی بھی محتاج نہ رہو۔“ وہ کہہ رہا تھا اور وہ سر پکڑ گئی۔

”آپ مجھے کسی جنگ پر بھیجنا چاہ رہے ہیں جو اتنی تیاری کروا رہے ہیں؟“ وہ تشویش کا اظہار کر گئی۔

”زندگی بذات خود ایک جنگ ہے۔“ وہ تلخی سے کہہ گیا۔

”او کے! میں کال بند کر رہا ہوں۔“ وہ کال کاٹنے کے لیے پر تولنے لگا۔

”تھوڑی سی بات کرلیں نا ایک تو اتنے دور ہیں بات بھی نہیں ہو پا رہی اس وقت بھی کال کاٹ دی تھی۔“ دل کی بات کرنے کے ساتھ اس نے گلہ بھی کر دیا۔

”جو کام کی بات تھی کرلی، اب اور کیا بات کرنی ہے۔“ لہجہ خشک ہی تھا۔

”کیا ہمارے بیچ اب صرف کام کی باتیں ہی رہ گئی ہیں۔“ اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔ وہ خاموش ہی رہا۔

”عرشمان ولی! آپ جو بولیں گے کروں گی، جہاں جانے کو کہیں گے جاؤں گی، جو سکھانا چاہیں گے سیکھ لوں گی لیکن ایسا کرنے کے بعد آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجھے میرے پیروں پر کھڑا کر کے آپ خود کو مجھ سے دور کرلیں گے اور میں آپ کے بناء کامیاب زندگی گزار دوں گی تو یہ آپ کی بھول ہے، بھلے میں جتنی کامیاب ہو جاؤں، آپ کے بناء کچھ بھی نہیں ہوں۔ مت کریں مجھے خود سے دور کرنے کی کوشش۔“

اور وہ جو سب کچھ خاموشی سے پلان کیے بیٹھا تھا اس کے منہ سے حقیقت جان کر کئی لمحے ایئر پیس پر مکمل سناٹا رہا۔ اس کی سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔ کرب سے لب بھینچتے اس نے خاموشی سے کال کاٹ دی تھی۔

☆......☆

وہ آڑی ترچھی نشے میں دھت سو رہی تھی۔ اس کے سوئے ہوئے ذہن میں مسلسل گھنٹی سی بجنے لگی تو اس نے ناگواری سے آنکھ کھلنے کے اسباب کو ڈھونڈنا چاہا۔ آواز سیل فون کی تھی اور سیل فون بیڈ کی دوسری طرف نظر آگیا تھا۔ کئی لمحے اگنور کرتی رہی کہ بجتے بجتے خود ہی بند ہو جائے گا۔ مگر فون کرنے والا بھی غالباً ڈھیٹ تھا۔

”کون (گالی) ہے؟“ کروٹ بدل کر وہ بیڈ کی دوسری طرف گئی تھی اور ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھا کر دیکھنے لگی۔ ذکی کا نام دیکھ کر اس کا منہ تک کڑوا ہو گیا۔

”اس بڈھے موٹے کو کیا تکلیف ہو گئی اب۔“ ناگواری سے دو تین موٹی موٹی گالیاں دیتے اس نے کال پک کرلی کہ بات کرنا مجبوری تھی۔

”ہیلو!“ اس نے ناگواری سے آغاز کیا۔

”میرا خیال ہے میں نے ایگریمنٹ میں کال ریسیو کرنے کی شرط نہ لکھ کر غلطی کی ہے۔“ دوسری طرف سے ذکی نے چھیڑا۔

”سپر ماڈل بنی نہیں اور ابھی سے بھاؤ کھانے لگیں۔“

”۔۔۔ وری تھی، کہیں اس وقت کیسے یاد کیا۔ کوئی خاص بات۔“ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ آج کوئی شوٹ نہیں تھا اس لیے وہ ٹھیک ٹھاک ڈوز کے ساتھ ڈرنک کر کے کب دھت ہو کر سو گئی اسے خود بھی احساس نہ ہوا۔

”تھوڑی دیر پہلے ہی شوٹ سے لوٹا ہوں۔ تمہاری خاص سہیلی کی شوٹ سے جس سے تمہیں بہت پیار ہے۔“ ذکی نے چھیڑا۔

”ماریہ! اس (گالی) سے تو مجھے شدید نفرت ہے۔ اس کے منہ پر تیزاب پھینکوانے کو دل کرتا ہے۔ آپ اسے فوراً اپنے گروپ سے آؤٹ کردیں اور مجھے ان۔“ اس کا ذہن جاگ گیا تھا۔ ذکی ہنسنے لگا۔

”بہت آرڈر دینے لگی ہو جانم! ہاں تم ایسی ہو کہ تمہارے آرڈر مانے جائیں۔ تمہاری اس سے لگتی ہے تو نکال دوں گا اور تم ان۔ لیکن بدلے میں مجھے کیا ملے گا۔“ وہ سودے بازی پر آگیا تو زویا نے دل ہی دل میں اسے گالی دی۔

”جو کہیں۔“ بظاہر مسکرا کے کہا۔

”اس وقت تمہاری یاد آرہی تھی اس لیے کال کر رہا تھا۔ آجاؤ میرے فلیٹ پر۔“ وہ فوراً مطلب کی بات پر آگیا۔

”اس وقت؟“ اس نے حیرانی سے ایک بار پھر گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوئیاں ذرا سا آگے پیچھے ہوئی تھیں۔

”ابھی تو رات شروع ہوئی ہے، تم جیسی لڑکی ایسی بات کرے، اچھا نہیں لگتا۔“ وہ منہ بنا گیا۔

”اصل میں اس وقت حواسوں میں نہیں ہوں۔ ڈرائیو کرنے کی پوزیشن نہیں ہے۔“ اس نے جلدی سے مجبوری بتائی کہ مبادا وہ ناراض نہ ہو جائے۔

”دیکھو لوزوئی! تم مجھے تھکا رہی ہو۔“ گلہ ہوا، ساتھ ہی سوچے پیرائے میں واضح کیا گیا کہ نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔

”بائی گاڈ! میں سچ کہہ رہی ہوں اس وقت کھڑی ہونے کے بھی قابل نہیں۔“ وہ منمنانے لگی۔

”ہاں، وہ تو تمہاری نشیلی آواز سے صاف ظاہر ہے اور میں اور بھی اٹریکٹ ہو رہا ہوں۔“ وہ ٹلنے کے موڈ میں نہیں لگ رہا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر ایسا کریں آپ میرے گھر آجائیں۔ میں پیچھے کا گیٹ کھول دوں گی۔“ اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اسے ناراض کر کے اپنے پیر پر کلہاڑی نہیں مار سکتی تھی۔

”دیکھو لوزوئی، کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے، تمہارے گھر والے۔“ ذکی نیم رضامند ہوتے کہہ رہا تھا۔

”میرے گھر میں کسی کو اتنی فرصت نہیں کہ میرے سر پر سوار رہے۔ مڈل کلاس والی بات نہ کریں میرے ساتھ۔“ زویا ناگواری سے کہہ کر ماڈرن ہونے کا ثبوت دے گئی تو ذکی ہنس پڑا۔

”او کے ناراض کیوں ہوتی ہو، آتا ہوں۔“ راضی ہو گیا اور اب زویا کو اس کا انتظار کرنا تھا۔ آنکھیں پھر سے جڑنے لگی تھیں۔

☆......☆

”کیسی ہو مس شازیہ!“

Ridadigest.com

اس کے حکم کی تعمیل کے لیے وہ اٹھ کر تیار ہو کر نیچے آئی تو سب حسبِ معمول ناشتے پر موجود تھے۔ فرہاد صاحب نے دیکھتے ہی گرم جوشی سے اسے وش کیا تو ماہ پارہ کے ساتھ شاہ میر اور حمنیٰ بھی چونک گئی تھی۔ فرہاد صاحب نے ہی سب کو بتایا کہ وہ اب سے عرشان کا بزنس سنبھالے گی۔ ماہ پارہ نے سنتے ہی واویلا مچانا شروع کر دیا اور فرہاد صاحب کی ڈانٹ کھا کر ہی چپ ہوئی تھیں مگر اسے کدورت سے گھورتی رہیں حمنیٰ اور شاہ میر نے خوش دلی سے وش کیا تھا۔ جب میاں بیوی راضی تھے تو وہ اعتراض کرنے والے کون ہو سکتے تھے۔ عرشان ولی نے غالباً فرہاد صاحب کو اپنی غیر موجودگی میں ہینڈل کرنے کو کہا تھا۔ تب ہی وہ ماہ پارہ کا منہ بند کر گئے۔

برائے نام ناشتا کر کے وہ ڈرائیور کے ہمراہ سفر کر کے جانے پہچانے آفس میں داخل ہوئی تو احساسات عجیب سے ہونے لگے۔ پرانی یادیں فلم کی طرح چلنے لگیں۔ عرشان ولی کا ملنا، اس کی باتیں، اس کی دیوانگی۔ ان سب کو یاد کر کے دل میں چبھن سی ہو رہی تھی۔ وجہ صرف اس کی دوری اور ناراضی تھی۔

وقت کتنی جلدی گزر گیا تھا، کل تک جس آفس میں چند ہزار کی نوکری ملنے پر خوش تھی آج اس کے مالکانہ حقوق کے پیپرز پر سائن کرنے آئی تھی۔

شازیہ کو مخصوص جگہ پر دیکھ کر وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''ارے آئنور! گلے ملوں یا صرف ہاتھ ملاؤں یا وہ بھی نہیں۔'' وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

خوشی کا پرتپاک انداز اس کے بیش قیمت ملبوسات، کانوں اور گلے میں پڑے ڈائمنڈ اور امپورٹڈ پرس کو دیکھ کر ایک لمحے کو جھجک کے رک گئی۔ اس کا رتبہ یاد آ گیا تھا۔ حیثیت بدل گئی تھی۔

''دوستی میں سوال کیسا۔'' آئنور نے آگے بڑھ کے گلے لگا لیا تو شازیہ خوش ہو گئی۔

''تم تو ابھی تک ویسی ہی ہو، ورنہ مجھے لگا تھا رتبہ پا کے غرور آ گیا ہے تب ہی مجھے یاد نہیں رکھا۔'' شازیہ الگ ہوتے گلہ کر گئی۔

''غرور کس بات کا یار، مر کے ہم سب نے ایک ہی جگہ دفن ہونا ہے۔ ہاں یہ کوتاہی مجھ سے ہوئی کہ تم سے رابطہ نہ رکھ سکی۔'' وہ اعتراف جرم کر گئی۔

''ہاں شادی کے بعد دنیا ہی بدل جاتی ہے اور شادی بھی جب سر عرشان جیسے بندے سے ہو تو بندے کو خود پر نازاں ہونے سے فرصت ملے تو کچھ اور سوچے نا۔'' شازیہ بھی اعتراف کر گئی تو وہ مسکرا دی۔

''ارے بھابی صاحبہ کیا حال ہیں؟'' اسی گھڑی ولید باہر نکلا تھا۔ اسے دیکھ کر خوش دلی سے احوال دریافت کرنے لگا۔

''میں واپسی میں آتی ہوں تمہاری طرف، اب روز ملنا ہوگا، انشاءاللہ۔'' ولید نے اسے آفس کی طرف چلنے کو کہا تو وہ شازیہ سے الوداعی کلمات کہتی آگے بڑھ گئی۔

شازیہ کو بھی روز ملنے والی بات حیران کر گئی تھی مگر ولید سامنے تھا۔ وہ پوچھ نہ سکی تو مسکرا کر سر ہلا گئی۔

یہ اس کی زندگی کا نیا دن ثابت ہوا۔ پیپرز سائن کر کے ولید سے کام سمجھتے اسے یوں لگ رہا تھا وہ ایک نئی آئنور سے مل رہی ہے۔ جسے خود پر بھروسہ ہے اور ان چیزوں کی طرف اسے راغب کس نے کیا تھا؟ بجائے اس کے وہ کمرے میں بیٹھ کے سوچ سوچ کے روتی رہتی یہاں آ کر بہل گئی تھی۔ بزنس ڈیٹیلز لیتے پاس کی کرسی پر بیٹھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایک ناکام پرزہ نہیں ہے اور جب کچھ ڈیٹیلز ڈیلنگ میں اس نے یوں ہی اپنی رائے دی تو ولید بھی حیران رہ گیا۔

''Imressive! آپ نے تو آتے ہی حیران کر دیا۔ یعنی میرا تجزیہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ آپ میں ایک کامیاب بزنس وومن چھپی ہوئی ہے۔'' ولید سراہ رہا تھا۔

''یہ سب عرشان کے ساتھ کے مرہونِ منت ممکن ہوا۔ ان کا دیا ہوا اعتماد ہے جو میں آپ کے آگے بیٹھی اپنے آئیڈیاز شیئر کر رہی ہوں۔ ورنہ میں کیا میری اوقات کیا تھی۔'' وہ برملا تعریف کر گئی تو ولید بھی مسکرا دیا۔

''آپ دونوں ہی ماشاءاللہ ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔ اس کی غیر موجودگی میں آپ تعریف کر رہی ہیں اور آپ کی غیر موجودگی میں وہ آپ کی تعریف کرتے نہیں تھکتا۔'' ولید متاثر ہو گیا تھا۔

''وہ خود لاجواب ہیں اس لیے دوسرے کو لائق تعریف سمجھتے ہیں۔''

وہ محبت سے کہہ گئی تھی اور ان کی ساری گفتگو سنتا عرشان ولی اس کے لہجے کی محبت محسوس کر کے رہ گیا۔ ڈیلنگ کے وقت ولید نے اسے شامل کرنے کے لیے کال ملا رکھی تھی تاکہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو وہ بھی سن لے۔ وہ منع کرتا رہ گیا تھا لیکن ولید نے پہلے ہی اصرار کر کے پابند کر رکھا تھا۔ ہاں آئنور اس حقیقت سے لاعلم تھی کہ عرشان ولی اس گھڑی یہاں موجود نہ ہو کر بھی مواصلات کے ذریعے اس کے ساتھ اس کی آواز سن رہا تھا اور محبت بھری تعریف پر اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

☆......☆

آفس کا پہلا دن جس طرح اچھے سے گزرا تھا وہ اس سے اپنا تجربہ شیئر کرنا چاہ رہی تھی مگر حسبِ معمول اس نے کال ریسیو نہیں کی تھی۔ جانے وہ ایسا کیوں کر رہا تھا۔ شاید اپنے بناء اسے جینا سکھانا چاہ رہا تھا مگر وہ اسے واضح لفظوں میں کہہ چکی تھی اس کے باوجود وہ اپنا روش چھوڑنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر فرہاد صاحب نے پہلے دن سے متعلق سوال کیا تھا اور وہ اپنا ایکسپیرینس شیئر کر رہی تھی خوشی کے باوجود اس کے لہجے میں ایک اداسی اور بے کلی تھی جسے سب محسوس کر رہے تھے اور جسے انہوں نے عرشان سے دوری سے موسوم کیا تھا۔

''اتنی اداس کیوں ہو بیٹا؟ عرشان آفیشل کام سے گیا ہوا ہے چند دن میں آ جائے گا۔''

وہ آفس جانے کے لیے تیار تھی ناشتے کی میز پر سب ہی تھے لیکن ایک شخص کی غیر موجودگی سے جیسے ساری رونقیں ماند پڑ گئی تھیں۔ فرہاد صاحب نے اس کی زود رنجی دیکھی تو پچکارنے لگے۔ وہ مصنوعی مسکراہٹ سجا گئی۔

''ناشتا ٹھیک سے کرو، آفس کی ذمہ داری بھی لے لی ہے۔ زیادہ کیئر کرو یہ نہ ہو اس کے آنے تک تم بستر سے لگ جاؤ، پھر وہ ہماری کلاس لے گا کہ اس کی غیر موجودگی میں ہم نے تمہارا خیال نہیں رکھا۔''

اس کی پلیٹ میں چیزیں ڈالتی حمنیٰ اس کے ناں ناں کو بھی نظر انداز کر گئی۔ حمنیٰ کی بات پر ایک پُر درد مسکراہٹ اس کے چہرے پر آ گئی تھی۔ وہ کھائے نہ کھائے، عرشان ولی کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ درحقیقت اس کی لاتعلقی اسے کھانے لگی تھی۔

ماہ پارہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی اداسی، زود رنجی نے ماہ پارہ کو بہت اچھی طرح از بر کروا دیا تھا کہ دونوں کے بیچ کشمکش کی صورت حال ہے۔ عرشان ولی اس سے لاپروا ہو رہا ہے۔ ورنہ یوں چھوڑ کر کبھی اکیلا نہ جاتا۔ ان کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہیں اپنے پرفیکشنسٹ بیٹے کی فطرت کا بہت اچھے سے پتا تھا۔

''بیٹا! یہاں دل نہیں لگ رہا تو کچھ دن کے لیے اپنی امی کی طرف چلی جاؤ، تمہارا دل بہل جائے گا۔

Ridadigest.com

ڈرائیور آفس کے لیے وہیں سے پک کرلیا کرے گا۔'' ماہ پارہ کے چہرے پر استہزائیہ رنگ دیکھ کر فرہاد صاحب نے مشورہ دیا۔

''جی! عرشمان بھی کہہ گئے ہیں میں شام کو ہی چلی جاؤں گی۔''

اس کا دم یہاں گھٹنے لگا تھا۔ سب کے سامنے بات کھلنے کے بعد سے وہ ایک دم سے خود کو بہت چھوٹا محسوس کررہی تھی اوپر سے ماہ پارہ کی ہنسی اڑاتی نظریں ذہنی اذیت دے رہی تھیں۔

''خوش ہوکر ناشتا کرو۔''

فرہاد صاحب کی مزید ہدایت پر وہ سر ہلا کر بے دلی سے کھانے لگی۔ کسی چیز کو دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی تمام سوچوں کا محور عرشمان ولی تھا۔ آج دوسرا دن تھا اس نے پلٹ کر کال نہیں کی تھی۔

''ارے کہاں جانے لگیں، رکو ناشتا تو ٹھیک سے کرو۔'' اسے اٹھتے دیکھ کر حمنیٰ اصرار کرنے لگی۔

''نہیں بھابی! دیر ہوجائے گی میں کرچکی ناشتا۔''

ڈرائیور منتظر تھا وہ عجلت سے انکار کرتی اٹھی تھی۔ ایک دم سے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تو وہ لڑکھڑا کر سنبھلنے کی کوشش میں حمنیٰ کے شانے پر ہاتھ رکھ گئی۔

''ارے سنبھل کے۔'' حمنیٰ اسے تھام گئی۔

''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟'' اسے کرسی پر بٹھا کر حمنیٰ فکرمندی سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔

''جی بھابی ٹھیک ہوں۔'' سب کی متجسس نظریں خود پر مرکوز دیکھ کر اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''خیال رکھو اپنا۔'' شاہ میر نے بھی فکرمندی ظاہر کی تو وہ مسکرا دی۔

''جی بھائی!'' وہ دوبارہ اٹھی تھی مگر اس زور کا چکر آیا کہ وجود بے جان ہونے لگا۔

''حمنیٰ پکڑو بیٹا!'' فرہاد صاحب نے اسے گرتے دیکھا تو فوراً چلائے۔ حمنیٰ پہلے ہی اس کی طرف متوجہ تھی۔ اسے گرتے دیکھ کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ تب تک شاہ میر بھی لپک کے آگیا تھا۔

''یا اللہ! یہ تو بے ہوش ہوگئی۔ ڈاکٹر کو بلائیں پلیز۔'' حمنیٰ اس کے رخسار تھپتھپا کر تشویش سے اس کا سر اپنی گود میں رکھ کے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ شاہ میر تیزی سے ڈاکٹر کو کال کرنے لگا۔

☆......☆

''ماشاء اللہ! آپ کے گھر نیا مہمان آنے والا ہے۔'' ڈاکٹر آچکی تھی اور تفصیلی معائنے کے بعد جب اس نے باہر آکر کہا تو سب کے چہرے وفورِ شوق سے کھل گئے، سوائے ماہ پارہ کے۔

''کانگریس ڈیڈ! آپ دادا بننے والے ہیں۔'' شاہ میر خوشی سے مبارک باد دے رہا تھا۔

''تمہیں بھی تایا بننے کی مبارک باد ہو بیٹا۔''

فرہاد صاحب بھی خوش ہوگئے تھے۔ حمنیٰ کو اس خوش خبری نے ایک پل کو فریز ضرور کیا تھا مگر اگلے ہی پل وہ آئنور کو مبارک باد دیتے چھیڑنے لگی تھی۔

''کسی حال میں یہ بچہ نہیں آنا چاہیے۔ ایسی دوا دیں کہ بے بی ایکسپائر ہوجائے۔'' ماہ پارہ ڈاکٹر سے ڈیل کررہی تھیں۔

(جاری ہے)

کرن نعمان

عشق کی نگری میں

پچھلے دو گھنٹے سے وہ اس بیس منزلہ عمارت کے سامنے کھڑی آغا فرحان آفندی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے لاکھ چاہنے کے باوجود ان کی سیکرٹری نے بنا اپائنمنٹ اسے ملنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ پر ماہرہ حالات سے سمجھوتا کر کے پیچھے ہٹ جانے والوں میں سے نہیں تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ان سے مل کر ہی جائے

... آتی ہوئی ... عمارت کے سائے میں کھڑے لوگوں کی سوالیہ پریشان کن نگاہوں کا شکار ہوتے ... بھی آ رہا تھا۔ اسی اثناء میں اس کے نزدیک ایک گاڑی آ کر رکی۔ جس میں سے ایک بھاری ... نما خاتون اور ایک ... سالہ صحت مند پھرتیلا بچہ باہر آئے خاتون بچے کا ہاتھ تھامے بلڈنگ کی طرف ... پر اسی وقت بچے نے ... سے خاتون سے ہاتھ چھڑایا اور مین روڈ کی طرف بھاگا۔ تیز رفتار ٹریفک رواں دواں تھی۔ قریب تھا کہ کسی گاڑی کی زد میں آ جاتا۔ خاتون کی چیخیں نکل گئیں۔ ماہرہ تیزی سے بچے کی طرف بھاگی اور روڈ کے کنارے اسے جالیا اسے سختی سے پکڑ کر تیزی سے واپس لے آئی پر بیچ میں لگے بیریر سے ٹکرا کر اپنا گھٹنہ زخمی کروا بیٹھی۔ خون تو نہیں نکلا پر چوٹ بڑی تکلیف دہ تھی۔ بچے کو خاتون کے حوالے کر کے وہ خود بلڈنگ کی سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گئی۔ خاتون اس کا شکریہ ادا کر کے بچے کو برا بھلا بولتی بلڈنگ کے اندر

مکمل ناول

چلی گئیں۔ ماہرہ ایک ہاتھ سے بیگ سنبھالتی دوسرے ہاتھ سے گھٹنہ دبانے لگی۔

''آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔'' بلڈنگ سے باہر آتے آغا فرحان آفندی سارا منظر دیکھ چکے تھے۔ ماہرہ نے پریشان نگاہیں ان کی طرف اٹھائیں پر انہیں دیکھتے ہی اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ ان کی تصویر سیکریٹری کے آفس میں دیکھ چکی تھی۔

''زیادہ ہمدردیاں نہ جھاڑیں یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔''

''جی......'' اٹھائیس تیس سالہ اجنبی عورت کے اتنے بے تکلفانہ انداز پر فرحان حیران رہ گئے۔

''میں سمجھا نہیں میری وجہ سے کیسے؟'' وہ دوسری ٹانگ پر بوجھ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ انہیں احساس ہوا یہ چہرہ کچھ جانا پہچانا ہے۔

''آپ کی وجہ سے ایسے کہ نہ میں آپ کا شکریہ ادا کرنے یہاں آتی اور نہ میرے ساتھ یہ حادثہ ہوتا۔''

''میرا شکریہ، پر میں نے ایسا کیا...... اوہ۔'' اس کی بات پر اچھنبے سے پوچھتے ہوئے انہیں اچانک یاد آگیا کہ اس عورت کو انہوں نے چند گھنٹے قبل انکم ٹیکس آفس میں ایک صاحب سے جھگڑتے دیکھا تھا۔ وہ شاید اپنے والد کی روکی جانے والی پینشن کو دوبارہ سے جاری کروانے کے لیے عملے سے جھگڑ رہی تھی۔ پر وہاں کا عملہ اس کی مدد نہیں کر رہا تھا۔ آغا فرحان آفندی وہاں اپنے ایک اعلیٰ عہدیدار دوست سے ملنے گئے تھے۔ از راہ ترحم ان کی سفارش پر وہاں کے عملے نے فوری طور پر اس کا مسئلہ حل کر دیا تھا اور جب اسے پتہ چلا دو ہفتوں سے حل نہ ہونے والا اس کا مسئلہ آغا فرحان آفندی کے کہنے پر حل ہوا ہے تو وہ وہاں کے لوگوں سے ان کا پتہ پوچھ کر یہاں ان کا شکریہ ادا کرنے چلی آئی تھی۔

''آئم سوری میری وجہ سے آپ کو یہ تکلیف اٹھانی پڑی۔

''پر شکریہ ادا کرنے کی ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔'' انہوں نے اپنی ازلی نرم طبیعت سے مجبور ہو کر اس سے سوری کر لیا ورنہ تو حقیقتاً اس سب کے وہ ذمہ دار نہیں تھے۔

''واہ، ایسے ہی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ دیکھیے ہم غریب ضرور ہیں پر اچھی طرح جانتے ہیں کہ رواداری کیا ہوتی ہے۔ بہر حال آپ کا بہت بہت شکریہ میں پچھلے دو ہفتوں سے خوار ہو رہی تھی آپ کی وجہ سے میری بڑی مشکل آسان ہو گئی۔'' یہ کہہ کر وہ پلٹی اور لنگڑا کر چلتی مین روڈ کی طرف جانے لگی۔ فرحان دلچسپی سے نرم مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے جاتا دیکھ رہے تھے۔ تبھی ایک سیکیورٹی اہلکار ان کی گاڑی پارکنگ سے لے آیا۔

''سنیے محترمہ! اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کو چھوڑ دوں۔'' انہوں نے گاڑی اس کے قریب لے جا کر شیشہ نیچے کیا۔ ماہرہ نے اتنی بڑی لشکارے مارتی گاڑی دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں پر جو دنیا اعتراض کرے گی تو کیا آپ جواب دیں گے۔'' یہ کہہ کر ماہرہ نے قریب سے گزرنے والی بس کو ہاتھ دے کر روکا اور لنگڑاتے ہوئے اس پر سوار ہو کر چلدی۔ پیچھے ایک بار پھر فرحان اس انجانی عورت کے دلچسپ انداز پر حیران رہ گئے۔

☆......☆

''سچ پھپھو مرسڈیز آپ کی جگہ میں ہوتی نا تو فوراً بیٹھ گئی ہوتی۔ پتہ تو چلتا کہ لگژری گاڑی میں بیٹھ کر انسان کیسا فیل کرتا ہے۔ پھٹیچر بسوں اور چنگچی رکشوں میں بیٹھ بیٹھ کر تو اپنا آپ ہی پھٹیچر لگنے لگا ہے اب تو۔''

ہائی... آبش نے گرما گرم چائے کا کپ ماہرہ کی طرف بڑھایا۔

''دل تو میرا بھی یہ ہی چاہ رہا تھا پر سوچا کسی محلے دار کی زبانی بھیا کو پتہ چل گیا کہ ان کی بہن مشہور بزنس مین آغا فرحان آفندی کے ساتھ مرسڈیز میں آئی ہے تو وہ کیا سوچتے آج کل ویسے بھی مالی حالات کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔'' چائے کے گرم کپ سے ماہرہ اپنی چوٹ کی سکائی بھی کر رہی تھی۔

''ویسے آغا فرحان آفندی دیکھنے میں کیسے تھے۔'' آبش کے لہجے میں شوق سمٹ آیا۔

''ٹھیک ٹھاک ہی تھے۔ لمبے چوڑے، گھنی مونچھیں، تھری پیس سوٹ جیسے ایک امیر آدمی ہو سکتا ہے۔ بس ویسے ہی پر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''ایسے ہی ویسے پھپھو اگر آپ ان کے ساتھ بیٹھ جاتیں تو ہو سکتا ہے گھر تک آتے آتے وہ آپ کے حسن اور حسن اخلاق سے متاثر ہو کر آپ کو پرپوز کر دیتے۔ پھر آپ ان کی دوسری یا تیسری بیوی بن کر راج کرتیں اور میں اور سونیا روزانہ مرسڈیز کی سیر کرتے۔ سچ کتنا مزہ آتا۔'' خیالوں ہی خیالوں میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ ماہرہ اس کی بات سن کر ہنس دی۔

''جی کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے پر بیٹا یہ سب ناولوں اور ڈراموں میں ہوتا ہے حقیقت میں نہیں۔'' بے ساکھیوں کی کھٹ کھٹ پر وہ دونوں سنبھل گئیں۔

''لو بھئی سنبھالو اپنی گڑیا کو لے آئے ہیں محترمہ آئسکریم۔'' تھکے تھکے سے ہمایوں کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور بے ساکھیاں سائیڈ میں کھڑی کر دیں۔

''بھائی جان! آپ نے روزانہ آئسکریم کھلا کر اس کی عادت خراب کر دی ہے۔'' ماہرہ نے سونیا کو اپنے پاس بلایا پر آبش نے جھٹ اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور سونیا کے ساتھ آئسکریم کھانے لگی۔

''کل صفیہ اور کلیم بھائی آ رہے ہیں رات کے کھانے پر۔'' ہمایوں کے بتانے پر دونوں چونک گئیں۔

''کھانے پر کیوں بلا لیا ابو جی شام کی چائے پر بلا لیتے پچھلی دو بار بھی وہ لوگ کھانے پر ہی آئے تھے اس بار پھر۔''

''کوئی بات نہیں آبش! سمدھیانے کا خیال کرنا ہی پڑتا ہے۔'' پریشانی اور فکر سے بولتی آبش کو ماہرہ نے ٹوک دیا۔

''پر سمدھیانے والوں کو بھی تو خیال کرنا چاہیے۔ خالہ کو تو پتہ ہے جب سے ابو جی کی ٹانگ کٹی ہے گھر میں کھانا بھی مشکل سے پک رہا ہے پھر یہ آئے دن کے چکر۔'' آبش کی تلخ مگر سچی بات پر ہمایوں اور ماہرہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ صفیہ آبش کی سگی خالہ اور ساس تھیں ایک سال قبل جاوید کے پیرس جانے سے پہلے انہوں نے آبش اور جاوید کا نکاح سادگی سے کر دیا تھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! مہمان خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔'' ہمایوں نے تسلی دی تو ماہرہ بھی بولی۔

''ہاں ناں تم کیوں فکر کرتی ہو اباجی کی پینشن جاری ہو گئی ہے۔ مجھے بھی دو جگہوں سے انٹرویو کال آ گئی ہے کہیں نہ کہیں تو نوکری مل ہی جائے گی۔ جب تک دونوں مل کر ٹیوشن پڑھاتے رہیں گے۔'' چھوٹی سی عمر میں کڑے امتحان سے گزری تھی ماہرہ پر اباجی کی ایک نصیحت پلے سے باندھ لی تھی اس نے کہ مایوسی کفر ہے۔

☆......☆

''گڈ مارننگ ایوری ون۔ رائمہ ذرہ جلدی سے ایک ٹوسٹ پر کریم چیز لگا دو اور ایک کپ کافی بنا دو۔''

Ridadigest.com

نگہت آفندی نے اپنا ہینڈ پرس ڈائننگ ٹیبل پر رکھا اور اپنے آئی فون پر کال ملانے لگیں۔

''نگہت پہلے سکون سے ناشتہ کرلو۔'' نگہت نے انہیں دیکھا۔

''نہیں فرحان ٹائم بالکل بھی نہیں ہے۔ ویمنز ایسوسی ایشن کی سالانہ تقریبات اسٹارٹ ہو رہی ہیں میرا رول سب سے زیادہ ہے اس لیے ٹائم پر پہنچنا بہت ضروری ہے۔''

''یہ سب تو تمہارا آئے دن کا معمول ہے۔ کبھی کوئی تقریب کبھی کوئی، پر گھر اور گھر والوں کو بھی تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔'' بات فرحان نے بہت رسان سے کہی تھی پر نگہت کو سر سے پیر تک سلگا گئی۔

''تو تمہارا کیا مطلب ہے گھر والوں کی وجہ سے میں اپنی سوشل ایکٹیوٹیز ختم کردوں اور مڈل کلاس جاہل عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ کر شوہر اور بچوں کے ساتھ مغز ماری کرتی رہوں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' ماحول گرم دیکھ کر فرحان دھیمے پڑ گئے۔

''تمہارا جو بھی مطلب تھا مجھے اس سے غرض نہیں پر ایک بات اچھی طرح سمجھ لو فرحان میں تمہاری وجہ سے پابندیاں قبول نہیں کروں گی۔'' نگہت کافی کا کپ ٹیبل پر پٹخ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ممی پلیز! آپ پاپا سے اس طرح بات نہیں کر سکتیں۔'' نیہان کا ماں باپ سے اس طرح بات کرنا اچھا نہیں لگا۔ ویسے بھی جتنا ٹھنڈا فرحان آفندی کا مزاج ٹھنڈا تھا نیہان آفندی کا اتنا ہی گرم۔

''واٹ ڈو یو مین، میں کیا کر سکتی ہوں کیا نہیں یہ اب تم مجھے بتاؤ گے نیہان! تم میرے بیٹے ہو تو بیٹے ہی رہو میرا باپ بننے کی کوشش نہ کرو۔ سمجھا لو اسے فرحان!'' اس وقت گاڑی کا ہارن سنائی دیا نگہت نے اپنا پرس اٹھایا اور غصے بھری نگاہ سب پر ڈالتی باہر نکل گئیں۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے نیہان! ماما بابا کے بیچ تمہیں بولنے کی کیا ضرورت ہے۔'' نگہت کے جاتے ہی رائمہ نے اسے ڈانٹ دیا وہ اس سے ایک سال بڑی تھی اور رعب ڈالنے کا حق رکھتی تھی۔

''ضرورت ہے اب اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ حالات کی نوعیت کو سمجھ نہ سکیں اور پھر جب سب کچھ ہمارے سامنے ہو رہا ہے تو بولیں گے بھی۔'' اس نے باپ پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی اور منہ صاف کرتا اٹھ گیا۔

''دیکھ رہے ہیں بابا! دن بدن کتنا بدتمیز ہوتا جا رہا ہے یہ۔'' رائمہ نے تلملا کر باپ سے شکایت کر ڈالی پر وہ حیرت سے نیہان کو جاتا دیکھتے رہے اس کے منہ سے ادا ہونے والے الفاظ انہیں چونکا گئے تھے۔

☆......☆

تاحد نگاہ ان دونوں کے سامنے سمندر کی نیلاہٹیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کندھے سے کندھا ملائے وہ دونوں بہت دور تک نکل آئے تھے۔ لہریں ان کے قدموں تلے پھیلتی جا رہی تھیں۔

''بہت دیر ہو گئی رامس اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' نگہت کے احساس دلانے پر رامس صدیقی نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

''ہوں...... تمہارے ساتھ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا جی چاہتا ہے عمر گزر جائے پر یہ پل نہ تھمیں۔'' ایک جذب کی کیفیت میں رامس صدیقی نگہت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہے تھے۔

''ایسی باتیں نہ کیا کرو رامس! تم سے دور ہونے کے بعد یہ باتیں مجھے بہت بے چین رکھتی ہیں۔''

''اس لیے تو کہتا ہوں اب یہ دوری ختم ہو جانی چاہیے کب تک چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے۔'' رامس نے ان کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر قریب کرنا چاہا پر وہ ان کے ہاتھ ہٹا کر دو قدم پیچھے ہو گئیں۔

''آسان نہیں ہے رامس! دو جوان بچوں کی ماں ہوں سوسائٹی میں ایک نام ہے پہچان ہے اتنا بڑا قربانی، اور نہیں کیا جا سکتا۔''

''محبت قربانی مانگتی ہے نگہت! میرے ساتھ بھی بیوی بچوں کی مجبوری ہے۔''

''پر میرے لیے تم انہیں چھوڑ دو گے تو نہیں نا۔''

''بچے چھوٹے نا ہوتے تو چھوڑ دیتا میری اور اس کی انڈرسٹینڈنگ نہیں ہے وہ بچوں میں مگن ہے خوش اور میرا دل تمہارا طلب گار ہے۔'' نگہت نے واپس گاڑی کی طرف قدم بڑھا دیے۔

''انڈرسٹینڈنگ تو میری اور فرحان کی بھی کوئی خاص نہیں ہے پر چوبیس سال کا ساتھ ہے اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی۔ نجانے کیسے تمہاری محبت بھری نگاہوں نے میرے دل کی ساکن جھیل میں تلاطم برپا کر دیا میں شوہر، بچے گھر بار سب فراموش کر بیٹھی۔'' دونوں گاڑی میں آ بیٹھے۔

''اب جب ہم دونوں محبت کی راہ پر آ ہی گئے ہیں تو منزل تک پہنچنے میں دیر کیسی۔ تم جلد از جلد فرحان سے طلاق لے لو تو پھر ہم نکاح کر لیتے ہیں۔'' رامس صدیقی نے گاڑی مین روڈ پر لاتے ہوئے کہا۔

''ہوں کرتی ہوں کچھ۔'' یہ کہہ کر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ چھ ماہ قبل رامس صدیقی ان کی زندگی میں آئے تھے وہ ایک فیکٹری کے اونر تھے۔ نگہت اپنی ساتھی ورکر کے ساتھ ان کے آفس ویمن ایسوسی ایشن کی طرف سے معذور خواتین کے لیے چندہ جمع کرنے گئی تھیں۔ تبھی رامس صدیقی ان کے حسن کے بے دام غلام ہو گئے تھے انہوں نے نگہت کو اگلے روز بہانے سے اپنے آفس بلایا تھا اور پھر یہ ملاقاتوں کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔

☆......☆

''ایکسکیوزمی یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟'' نیہان میکڈونلڈ سے اپنے اور رائمہ کے لیے برگر پیک کروا کر نکلا تو سامنے کا منظر اس کے لیے انتہائی اشتعال انگیز تھا۔ آبش سونیا کو اس کی نئی کرولا آوڈی کے بونٹ پر بٹھا آئس کریم کھلا رہی تھی۔

''کیا کر رہی ہوں، نظر نہیں آتا بچی کو آئسکریم کھلا رہی ہوں۔'' آبش نے سر سے پیر تک نیہان کا جائزہ لینے کے بعد بڑے سکون سے جواب دیا۔ وہ اپنی کچھ چیزیں لینے سونیا کے ساتھ قریبی مارکیٹ تک آئی ہوئی تھی۔

''محترمہ یہ کسی پارک کا بینچ نہیں میری گاڑی ہے اٹھائیں فوراً بچی کو۔'' نیہان کا تپتا لہجہ آبش کو بھی تپا گیا اس نے فوراً سونیا کو اٹھا لیا۔

''یہ لیں اتار لیا ویسے بھی ہم نے آپ کی گاڑی کو کھا نہیں جانا تھا۔ دور دور تک بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی اس لیے ذرہ سی دیر کو بچی کو بٹھا دیا تھا گاڑی نا ہوئی پتہ نہیں کیا ہو گیا۔'' اس کے بمبار لہجے پر نیہان حیران تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے بونٹ پر گرے آئس کریم کے قطروں کی طرف اشارہ کیا۔

''آئس کریم ہے اور کیا ہے۔''

''مجھے بھی نظر آ رہا ہے کہ یہ آئس کریم ہے پر یہاں کیوں ہے صاف کریں اسے۔'' اسے اپنی نئی گاڑی پر یہ برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

''آپ کے باپ کی گاڑی ہے جو صاف کروں خود ہی کر لیں۔'' اس نے ٹشو سے سونیا کا منہ صاف کیا اور پیچھے نیہان حیران کھڑا اجرات مندلڑکی کو تکتا رہ گیا۔

☆......☆

آج پھر ماہرہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کے لیے انٹرویو دینے اس بڑے سے ہال میں موجود تھی۔ تبھی اسے ایک جانب سے آتے آغا فرحان آفندی نظر آئے ان کا رخ مین گیٹ کی طرف تھا۔ وہ لپک کر ان کے پیچھے آئی۔

''ہیلو سنیے۔'' اپنے پیچھے ابھرنے والی زنانہ آوازوں پر ان کے قدم رک گئے۔

''آپ نے مجھے پہچانا، میں وہی ہوں۔ میرے ابا کی پینشن کے سلسلے میں آپ نے میری مدد کی تھی۔'' ان کے مقابل آتے ہی وہ تیزی سے بولنا شروع ہوگئی۔

''جی۔'' پہلی نظر کی حیرت کے بعد انہیں روڈ پر ہونے والی وہ ملاقات یاد آگئی۔

''جی میں نے پہچان لیا۔ کہیے کیسی ہیں آپ چوٹ ٹھیک ہوگئی آپ کی۔'' ان کے پوچھنے پر وہ مسکرادی۔

''جی وہ تو کب کی ٹھیک ہوگئی۔ وہ اس دن آپ نے میری بڑی مدد کی تھی۔ تھوڑی آج بھی کر دیں میں یہاں جاب کے سلسلے میں آئی تھی۔ یہ یہاں سب بڑی بڑی سفارش لائے ہیں۔ مجھے تو کوئی منہ بھی نہیں لگائے گا۔ حالانکہ میں ہر طرح سے کوالیفائیڈ ہوں۔ آپ میری C.V چیک کرلیں۔'' اس نے اپنی فائل کھول کر ان کے سامنے کردی۔

''یہاں جاب کرنا ضروری ہے۔'' انہوں نے فائل کے صفحات پلٹتے ہوئے اس پر سرسری سی نگاہ ڈالی۔

''یہاں ضروری ہے یا نہیں یہ پتہ نہیں پر جاب ملنا بہت ضروری ہے۔'' اس کی باڈی لینگویج میں ایسا کچھ تھا جس نے انہیں پہلے بھی متاثر کیا تھا اور اب بھی۔

''ٹھیک ہے آپ کل صبح میرے آفس آجائیں آپ کو جاب مل جائے گی۔'' انہوں نے فائل بند کرکے اس کی طرف بڑھادی۔

''ہیں، سچ! آپ سنجیدہ ہیں نا کہیں مذاق تو نہیں کر رہے؟'' اس کی بے یقین سی کیفیت پر وہ مسکرادیے۔

''میرا اور آپ کا مذاق ہے کیا؟'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

☆......☆

گرے اور پرپل کے حسین امتزاج کی سلکی ساڑھی اور سلور سلیولیس بلاؤز میں ان کا بدن کندن کی طرح دمک رہا تھا ڈائمنڈ کی نازک جیولری اور کھلے بالوں میں آج وہ رامس صدیقی کے دل پر قیامت ڈھا رہی تھیں۔ رامس صدیقی کی بے باک نگاہیں ان کے وجود کے آر پار ہورہی تھیں۔ آج نگہت اپنی سالگرہ رامس صدیقی کے ساتھ شہر کے پوش علاقے میں واقع اس ریسٹورنٹ میں منارہی تھیں۔

''اس طرح نا دیکھو پلیز میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔'' رامس کی نگاہیں نگہت کو گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھیں۔

''تمہیں نہ دیکھوں تو میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دیں دونوں کے درمیان اظہار محبت کی باتیں جاری تھیں۔'' ہال کے دوسرے کونے میں چار لڑکے آکر بیٹھے تو ایک نے کہا۔

''نیہان یار! وہ تیری ماما ہی ہیں ناں دیکھو وہ پرپل ساڑھی والی۔'' باتوں میں مگن نیہان نے اس طرف نگاہ اٹھائی تو پھر جھکا نہیں سکا۔ کسی غیر مرد کے ساتھ ماں کو بے حجابانہ دیکھ کر اس کے دل کو دھکا لگا۔ چند دن پہلے بھی وہ اس شخص کو ویمن ایسوسی ایشن کے آفس میں اپنی ماں کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ دونوں کے درمیان بے تکلفی اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ پر یہاں دونوں کو کھلم کھلا ہنس ہنس کر باتیں کرتے دیکھ کر اس سے رہا نہیں گیا۔ اپنی سیٹ سے اٹھ کر وہ ان کی طرف آگیا وہ دونوں اس کی یہاں موجودگی سے بے خبر تھے۔ پر جب وہ قریب آگیا تو دونوں کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔ نگہت کا رنگ سفید پڑ گیا۔

''اٹھیں ماما! گھر چلیں۔''

''نیہان......'' نگہت کے لب کپکپا گئے۔

''بیٹھ جاؤ نیہان! بیٹھ کر بات کرلیتے ہیں۔'' رامس صدیقی نے نگہت کو آہستہ سے کھڑا ہوتے دیکھ کر کہا۔ نیہان نے ایک سخت نظر ان پر ڈالی پھر بولا۔

''نہیں۔'' پھر نگہت کے بے جان ہوتے وجود کو اپنے بازو کے حلقے میں لے کر دروازے کی طرف بڑھ گیا تمام راستہ دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ نگہت کا خیال تھا کہ گھر پہنچ کر وہ ان سے بات کرے گا پر کوئی بات کیے بنا وہ اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں آغا فرحان آفندی کی موجودگی کا امکان تھا۔ اس کی بات سن کر چند لمحے فرحان کچھ بولنے کے قابل نہ رہے۔ وہ نگہت کے شوہر تھے اور اپنی نصف بہتر کی خود سے دوری پچھلے چند ماہ سے واضح طور پر محسوس کر رہے تھے۔ وہ خود بھی ایک بار نگہت اور رامس صدیقی کو ایک ساتھ گاڑی میں کہیں جاتے دیکھ چکے تھے۔ پر جب انہوں نے پوچھا تو نگہت بھتے سے اکھڑ گئیں۔ بقول ان کے وہ فنڈ ریزنگ کے سلسلے میں رامس صدیقی کے آفس گئی تھیں واپسی میں رامس صدیقی نے ایک ہی راستہ ہونے کے باعث انہیں ویمن ایسوسی ایشن کے آفس تک ڈراپ کیا تھا۔ ہائی سوسائٹی کے حساب سے کوئی بڑی بات نہیں تھی پر ایک انجانا خدشہ فرحان کے دل میں پھن پھیلا کر بیٹھ گیا تھا اور آج وسوسوں کے ناگ نے انہیں ڈس لیا تھا۔

''آپ کی نرمی اور خاموشی نے حالات کو اس حد تک پہنچایا ہے بابا! عورت کو اس حد تک آزادی نہیں ملنی چاہیے۔'' نیہان کا غیرت مند خون کھول رہا تھا۔ فرحان نے اسے دیکھا پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے۔

''بے جا پابندیاں بھی عورت کو باغی کردیتی ہیں بیٹا! میں مانتا ہوں مجھ سے کچھ غلطیاں ہوگئیں۔ عورت کے معاملے میں مجھے حد اعتدال پر رہنا چاہیے تھا سختی کے سنگین نتائج میں بھگت چکا تھا اس لیے نرمی کی راہ اپنائی۔ پر یہاں بھی غیرت کی دودھاری تلوار مجھے کاٹ گئی۔''

☆......☆

ماہرہ کو آغا فرحان آفندی کا آفس جوائن کیے آج پانچواں دن تھا انہوں نے اسے اپنی پرسنل سیکرٹری کے ساتھ کام سیکھنے پر لگایا تھا۔ فاطمہ اپنی شادی کے سلسلے میں پندرہ دن بعد کام چھوڑ کر جارہی تھی۔ وہ واپس پہنچی تو خوشی سے پاگل ہوتی آبش اس سے لپٹ گئی۔

''یا اللہ خیر! اتنی خوش۔ کہیں جاوید واپس تو نہیں آگیا۔'' ماہرہ کے پوچھنے پر آبش فوراً اٹھلا کر بولی۔

''جی نہیں بلکہ انہوں نے مجھے پیرس بلالیا ہے۔'' اس کی بات سن کر ماہرہ بھی جیسے خوشی سے دیوانی ہوگئی۔

''سچ آپی۔''

''ہاں ناں پھپھو آج ہی صفیہ خالہ کا فون آیا تھا ابو جی کے پاس پر......'' وہ کچھ سنجیدہ ہوگئی۔

Ridadigest.com

"پرکیا؟" ماہرہ کی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی۔

"پھپھو! جب سے خالہ کا فون آیا ہے ابو جی پریشان ہو گئے ہیں۔"

"کیوں یہ تو خوشی کی بات ہے۔ اچھا چلو تم پریشان نہ ہو۔ میرے لیے ایک گرما گرم چائے کا کپ لا[illegible] میں بھائی جان سے پوچھتی ہوں۔" ماہرہ نے اس کے گال تھپکے تو وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ہمایوں بستر پر لیٹے ایک ٹک چھت کو تکے جا رہے تھے ماہرہ سلام کر کے ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"آبش بتا رہی تھی جاوید نے اسے پیرس بلوا لیا ہے۔"

"ہاں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"تو اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے اچھا ہے بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔" ہمایوں کے چہرے پر دکھی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

"جاوید نے صرف اسپانسر کیا ہے ٹکٹ ویزہ پاسپورٹ سب ہمیں ارینج کرنا ہوگا لاکھ ڈیڑھ لاکھ تک خرچہ ہے۔ اتنے پیسے کہاں سے لاؤں گا میں اسے رخصت کرنے کے لیے۔" ان کی بات سن کر ماہرہ کو بھی چپ سی لگ گئی۔

☆......☆

دو دن ہو چکے تھے آغا فرحان آفندی نے خود سے نگہت سے کوئی بات نہیں کی تھی نیہان بھی ان سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ رامس صدیقی کے کتنی ہی بار میسج آ چکے تھے اندر ہی اندر بڑھتی ہوئی قنوطیت سے گھبرا کر ایک بار پھر رامس سے ملنے چلی گئیں۔ اس نگہت کے لیے فکر مند تھے۔ انہوں نے پھر نگہت پر جلد از جلد طلاق لینے کے لیے زور ڈالا۔ گھر واپس آ کر وہ جیسے ہی اپنے بیڈروم میں آئیں فرحان سامنے کھڑے تھے۔

"میں وہ ویمن ایسوسی......"

"کب تک جھوٹ بولو گی۔" نگہت کے چغلی کھاتے لہجے پر انہوں نے ٹوک دیا۔

"سب کچھ جان ہی گئے ہو تو پوچھ کیوں رہے ہو۔ بہتر ہے تمام معاملات ختم کر کے مجھے طلاق دے دو۔" چند لمحوں کو ایک جامد سناٹا دونوں کے بیچ آ گیا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی نگہت! جوان بچوں کی ماں ہو کر یہ بات کہتے ہوئے۔ کیا نہیں دیا میں نے تمہیں عزت، دولت، محبت یہ عالیشان گھر اور دنیا کی ہر آسائش پھر میرے ساتھ بے وفائی کیوں کی۔" وہ قدم آگے بڑھ کر ان کے مد مقابل آ گئے۔

"صرف دولت اور آسائشات ہی سب کچھ نہیں ہوتیں فرحان! تمہاری محبت میں اب وہ گرمی باقی نہیں رہی۔"

"چٹاخ۔" ٹھنڈے اور دھیمے مزاج والے فرحان آفندی کا ہاتھ نگہت کے چہرے پر پانچوں انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔

"اوقات سے بڑھ کر مل جائے تو انسان اوقات سے باہر ہو جاتا ہے۔ حیوانیت در آتی ہے اس کے اندر تمہارا بھی وہی حال ہو گیا ہے۔ سچ تو کہتا ہے نیہان نا میں نے تمہیں بے جا آزادی نہ دی ہوتی اور نہ آج یہ نوبت آتی۔"

"تم مجھ سے یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔ تمہاری تو اپنی ماں تمہیں اور تمہارے باپ کو چھوڑ کر آزاد فضاؤں میں

[illegible] بات پر تمہیں پوچھا بھی نہیں۔ آج جو سوال تم مجھ سے کر رہے ہو کبھی اپنی ماں سے بھی پوچھا تھا۔" [illegible] نگہت کے اس سوال نے فرحان پر گھڑوں پانی ڈال دیا۔

"نہیں پوچھا۔ ضرورت ہی نہیں تھی پوچھنے کی میری ماں کو میرا باپ یورپ کی آزاد فضاؤں میں سے محبت [illegible] باندھ لایا تھا اور یہاں لا کر ایک حسین پنجرے میں قید کر دیا وہ آزاد فضاؤں کی باسی تھی میرے [illegible] کی تنگ نظری جھیل نہیں پائی۔ اسی لیے موقع ملتے ہی واپس اپنی دنیا میں جا بسی۔ مجھے اس سے کوئی گلہ نہیں۔ بس ایک دکھ ہے کہ کاش اس نے میرا اعتبار کیا ہوتا۔ پر تم تمہیں تو میں ایک عزت دار گھرانے سے [illegible] کے رشتے میں باندھ لایا تھا۔ مکمل اختیار دیا، مکمل آزادی دی کہ کہیں تم مجھ سے بیزار ہو کر مجھے چھوڑ نہ [illegible] ان چوبیس سالوں میں تمہارے سوا کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور آج تم کہہ رہی ہو میری [illegible] میں وہ گرمی نہیں رہی۔" ان کی سلگتی نگاہیں نگہت کے سامنے شکوہ کناں تھیں۔

"بہر حال اب تو جو تم چاہتی ہو وہی ہوگا۔ مجھے صرف رائمہ کی شادی تک کا وقت دے دو۔ جب تک [illegible] لیے تم اپنے سامان سمیت گیسٹ روم میں شفٹ ہو جاؤ۔ میرے لیے اب تمہارا وجود ہی نہیں تمہارے [illegible] کا احساس بھی تکلیف دہ ہے۔" یہ کہہ کر فرحان آفندی نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ نگہت آہستہ سے [illegible] بڑھیں اور اپنی چیزیں سمیٹنا شروع کر دیں۔ ان کی چال میں ہلکی سی لرزش تھی۔ بے وقوف عورت ہمیشہ اپنے غلط موقف پر بھی ڈٹی رہتی ہے پھر جب اس کی بات مان لی جاتی ہے تو پھر پشیمان ہونے لگتی ہے۔

☆......☆

"واؤ پھپھو! آپ کا آفس تو بہت زبردست ہے۔" کالج سے مارک شیٹ لینے کے بعد وہ ماہرہ کے [illegible] آ گئی تھی۔ جب سے ماہرہ نے اسے اپنی جاب اور آفس کا بتایا تھا اس کا دل آفس دیکھنے کے لیے بے [illegible] ہوا جا رہا تھا۔

"اچھا ہے پر ابھی تم نے فرحان صاحب کا آفس نہیں دیکھا اتنا شاندار انٹیریئر ہے اس کا کہ بس کیا [illegible]ؤں۔"

"چلیں تو پھر دکھائیں نا۔" وہ ایک دم ہی ماہرہ کے سر ہو گئی۔

"ابھی رکو میں یہ فائلز احتشام صاحب کو دے آؤں پھر چلتے ہیں۔ آج ویسے بھی فرحان صاحب آئے [illegible] ہیں۔ کچھ دنوں سے پریشان پریشان لگ رہے ہیں۔ اللہ خیر کرے۔" ماہرہ فائلز سمیٹتی سیٹ سے اٹھ [illegible]ی۔

"اوہو باس سے ہمدردی۔" اس نے ماہرہ کو دیکھ کر شرارت سے آنکھیں مٹکائیں۔

"بدتمیزی نہیں۔" ماہرہ مسکرا کر اسے چھیڑ دکھاتی آفس سے باہر چلی گئی۔ پیچھے آبش اس کی ٹیبل پر رکھی [illegible] ایک چیز کو اٹھا کر دیکھتی رہی پر اس کی بے چین روح کو چین نہیں آیا یہ تو وہ جان چکی تھی کہ آج آغا فرحان [illegible] آفس نہیں آئے۔ اسی لیے وہ ماہرہ کا انتظار کیے بغیر ہی ان کے آفس میں چلی آئی۔ شاندار آفس دیکھ [illegible] کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ دھیرے دھیرے چلتی وہ ایک ایک چیز کو غور سے دیکھتی ریوالنگ [illegible] آئی اور دھم سے بیٹھ کر گھوم گھوم کر دیکھنے لگی وہ ایک بیس سالہ لڑکی تھی کوئی بچی نہیں پر اس وقت ایک [illegible] بچی ہی لگ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور آہستہ آہستہ گھومتے خوابوں کی دنیا میں پہنچ گئی اسی [illegible] اسے کسی کے آفس میں داخل ہونے کا احساس بھی نہیں ہوا۔

Ridadigest.com

"کون ہیں آپ اور اس طرح آفس میں کیا کر رہی ہیں۔" سخت قسم کی اجنبی آواز پر وہ بوکھلا اٹھی۔ اسی بوکھلاہٹ میں ٹیبل سے کچھ چیزیں لڑھک کر گر بھی گئیں۔

"وہ، وہ میں آپ۔" اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا پر نیہان کو سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"یہ تو وہی ہے جس سے چند دن پہلے میکڈونلڈ کے سامنے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ نیہان بھی اسے باپ کی سیٹ پر دیکھ کر سخت حیران تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔" اس نے کڑے تیوروں سے آبش کو دیکھا وہ فرحان صاحب کے کہنے پر چند فائلز آفس سے لینے آیا تھا۔

"یہ ہی سوال اگر میں آپ سے کروں تو۔" وہ سنبھل کر دوبارہ چیئر پر بیٹھ گئی۔

"تو اس کا جواب یہ ہے محترمہ کہ یہ میرا آفس ہے۔" وہ آبش اس کی حرکت پر جل بھن گئی۔

"اچھا جی آپ نے کہہ دیا اور میں تو جیسے مان ہی لوں گی یہ جانتے ہوئے کہ یہ آفس آغا فرحان آفندی اور میری پھپھو کا ہے۔" آبش نے طنزیہ ہنستے ہوئے اس پر رعب جھاڑا۔

"پھپھو کا۔" آغا فرحان آفندی تو ٹھیک تھا پر انجانی پھپھو کا حوالہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"جی میری پھپھو کا یہ آفس اور اب آپ جو کوئی بھی ہیں چلتے پھرتے نظر آئیں ورنہ میں گارڈ کو بلوا کر نکلوا دوں گی آپ کو۔" نیہان نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ لمبی سانس کھینچی اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے آپ گارڈ کو بلوا ہی لیں میں کون ہوں یہ تو آپ کو وہی بتا دیں گے۔" اتنے میں ماہرہ بھاگتی ہوئی آفس میں داخل ہوئی۔

"نیہان آپ، آپ کب آئے۔" نیہان کو دیکھ کر وہ بوکھلائی تھی۔ پر جب آبش کو فرحان صاحب کی سیٹ پر بیٹھے دیکھا تو جیسے پیروں تلے زمین سرک گئی۔

"آبش، آبش تم وہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو۔" اٹھو فوراً وہاں سے۔ آئم سوری نیہان یہ آبش ہے میری بھتیجی اصل میں اسے پتہ نہیں تھا۔" ماہرہ کو گھبرائے دیکھ کر آبش کو بھی کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ اور وہ آہستہ آہستہ سیٹ سے اٹھ کر اس کی طرف آنے لگی۔ پر نیہان کی غصیلی آنکھیں اس پر گڑی ہوئی تھیں۔

"پتہ تو آپ کی بھتیجی کو ابھی بھی نہیں چلا میڈم ماہرہ! میں نیہان آفندی ہوں آغا فرحان آفندی کا بیٹا۔" نیہان کا جلا کٹا لہجہ اسے شرمندگی میں مبتلا کر گیا اور وہ ماہرہ کے پیچھے پیچھے بنا کچھ بولے آفس سے باہر آ گئی۔

"تم بھی نا، منع بھی کیا تھا کہ میرے بغیر مت جانا۔" ماہرہ نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگائی۔

"اللہ پھپھو مجھے کیا پتہ تھا۔" آبش منہ بسورتی بیٹھ گئی۔

☆......☆

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا نگہت اب کس بات کی دیر ہے جب فرحان کو پتہ چل ہی گیا ہے تو تم طلاق لینے میں دیر کیوں کر رہی ہو۔" نگہت اس وقت رامس صدیقی کے آفس میں موجود تھیں۔

"فرحان نے مجھ سے رائمہ کی شادی تک کی مہلت مانگی ہے رامس اور ٹھیک بھی ہے اس کی شادی پہلے ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ اس کے مستقبل پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔" وہ بے چینی سے اپنی ہتھیلیاں مسل رہی تھیں۔

"کیا رائمہ کی شادی کے سلسلے میں فرحان نے اس کے سسرال میں کوئی بات کی ہے۔"

"نہیں آخری بار جو ہمارے درمیان بات ہوئی تھی اس کے بعد سے میں گیسٹ روم میں ہوں۔" رامس نے چیئر کی بیک سے ٹیک لگا کر نگہت کو بغور دیکھا۔

"کتنی بے وقوف ہو تم نگہت! اس نے کتنی چالاکی سے تمہیں خود سے الگ کر دیا اور چھوڑا بھی نہیں۔ بیٹی کی شادی کے چکر میں الجھا کر تمہاری راہ کھوٹی کر رہا ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے کہ رائمہ کی شادی تمہاری طلاق سے پہلے ہو یا بعد میں۔ ہم کوئی مڈل سوسائٹی کا حصہ نہیں ہیں جہاں لوگ ان چکروں میں پڑتے ہیں ہماری اپنی آزاد لائف ہے۔ یہ تمہاری ضد ہے کہ نکاح ہی کرنا ہے ورنہ تو میں تمہیں ایسے ہی لندن لے جاتا۔" رامس آہستہ آہستہ چلتے اس کے قریب آ بیٹھے۔

"پلیز رامس! فضول باتیں مت کرو۔ ہماری سوسائٹی ابھی اتنی بھی آزاد نہیں ہوئی ہے۔" رامس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ چھا گئی۔

"اس کا مطلب تم ابھی کچھ جانتی ہی نہیں ہو کہ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے بہرحال میں اب اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ مجھے جلد از جلد تمہارا ساتھ چاہیے۔" رامس کا حتمی انداز نگہت کے اندر کہیں اتر گیا۔ اس ٹینشن میں وہ وہاں سے اٹھ آئیں۔

"ممی!" گیسٹ روم کی طرف بڑھتے رائمہ کی آواز پر ان کے قدم تھم گئے۔

"آپ گیسٹ روم میں کیوں رہ رہی ہیں ممی کیا آپ کی اور بابا کی لڑائی ہوئی ہے۔"

"ہمارے پرسنلز ہیں بیٹا بہتر ہے تم خود کو ان باتوں میں نہ الجھاؤ۔" وہ رائمہ سے نظریں چرا گئیں۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے ممی! ایک ہی گھر میں پیرنٹس الگ الگ رہ رہے ہوں اور بچوں کو الجھن نہ ہو آج سے پہلے تو آپ دونوں میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"رائمہ بیٹا! میں پہلے ہی پریشان ہوں مجھے اور نہ پریشان کرو۔" کہتی وہ گیسٹ روم میں آ گئیں۔ ان کی بیٹی سوالیہ نشان بن گئی تھی۔ انہیں اپنا وجود دو متضاد احساسات میں بٹا محسوس ہو رہا تھا وہ ایک ضدی اور انا پرست عورت تھیں۔ شوہر سے الگ ہونے کے بعد وہ ان کے بارے میں کچھ سوچ نہیں رہی تھیں۔ پر اولاد کے حوالے سے ان کے لیے ابھی بھی اس گھر میں کشش باقی تھی پر کب تک رائمہ شادی ہو کر اپنے گھر چلی جائے گی اور نیہان شادی کر کے اپنی دنیا میں کھو جائے گا تو اولاد کی کشش بھی ختم ہو جائے گی۔ ان کا نفس انہیں تباہی کی نئی راہ دکھا رہا تھا۔ اسی نفس کے بہکاوے میں آ کر تو انہوں نے اپنی وفائیں تبدیل کی تھیں۔ اندر کے اس شور سے گھبرا کر وہ آغا فرحان آفندی کے کمرے میں آ گئیں۔ وہ باتھ روم سے ہاتھ صاف کرتے نکل رہے تھے نگہت کو دیکھ کر چونک گئے۔

"میں اب مزید انتظار نہیں کر سکتی فرحان! مجھے طلاق چاہیے۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں کہہ دیا۔

"کتنی آسانی سے نکلتا ہے تمہارے منہ سے یہ لفظ جب کہ میں خیالوں میں سوچ کر بھی کانپ رہا ہوں۔"

"ایموشنلی بلیک میل مت کرو تم مجھے۔" نگہت کی آواز اونچی ہو گئی۔

"کیا میرے اور تمہارے درمیان ایموشنز کا تعلق بچا ہے۔ صرف چند دن کی مہلت مانگی تھی۔ رائمہ کی شادی..." ان کی بات پوری ہونے سے پہلے نگہت بول پڑیں۔

"ان جھوٹی باتوں میں مجھے اب مت الجھاؤ، مجھے فیصلہ چاہیے ابھی اور اسی وقت۔" فرحان تاسف سے انہیں دیکھتے رہ گئے۔

Ridadigest.com

''ڈھلتی عمر نے تمہاری آنکھوں پر دیوانگی کی پٹی باندھ دی ہے۔ ٹھیک ہے جیسے تم چاہو۔ میری طرف سے تم فارغ ہو جہاں جا ہو جا سکتی ہو۔ دو دن کے اندر اندر تمہیں باقاعدہ طلاق کے پیپرز مل جائیں گے۔'' یہ کہہ کر فرحان نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ نگہت چند لمحے ان کی پشت دیکھتی رہیں پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے کمرے ان کے گھر اور ان کی زندگی سے نکل گئیں۔

☆......☆

''آبش، آبش۔'' ماہرہ گھر آئی تو سوتی ہوئی سونیا پر نظر ڈال کر کچن میں آگئیں۔

''کیا ہو گیا بھئی یہ چاند آج اداس اداس کیوں ہے۔ کیا ہوا آبش کچھ بتاؤ نا۔'' افسردہ سی آبش ان کی بات سن کر مسکرا دی۔

''پھپھو جاوید کا فون آیا تھا کہہ رہے تھے بڑی مشکل سے رہائش کا بندوبست کیا ہے اگر یہ چانس مس ہو گیا تو نجانے پھر ملے یا نہیں۔'' اس کی بات سن کر ماہرہ بھی سنجیدہ ہو گئیں۔

''اس میں اداس ہونے والی کیا بات ہے تم جلد اس کے پاس چلی جاؤ گی۔''

''کیسے پھپھو؟'' آبش کی آنکھوں میں خوشی سی لہرائی۔

''کیسے'' ماہرہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اچانک ایک خیال اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

''میں فرحان صاحب سے بات کروں گی آبش وہ یقیناً ہماری مدد کریں گے میں ان سے لون لے لوں گی اور ہر ماہ اپنی سیلری سے تھوڑے تھوڑے پیسے کٹواتی رہوں گی۔'' آبش کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''آپ بہت اچھی ہیں پھپھو۔'' ماہرہ نے اسے پیار سے گلے لگا لیا۔

''پگلی۔''

☆......☆

نگہت کو گھر سے گئے دو دن ہو گئے تھے۔ آغا فرحان آفندی مسلسل اپنے کمرے کے ہو کر رہ گئے تھے رائمہ اور نیہان بھی پریشان تھے۔ دروازے پر ہونے والی دستک پر وہ چونک اٹھے دیکھا تو نیہان کھڑا تھا۔

''آپ سے کچھ پوچھنا تھا بابا۔'' ایک افسردہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں کو چھو گئی۔

''اب کیا جاننا باقی رہ گیا ہے۔'' نیہان کا سر جھک گیا۔

''میں اس کے متعلق جاننا چاہ رہا ہوں بابا یہ کیا ہے۔'' نیہان ہاتھوں میں ایک پوسٹل بیگ لیے کھڑا تھا یہ پوسٹ اسے آغا فرحان آفندی کے آفس کی دراز سے ملی تھی پیرس سے آغا فرحان آفندی کے نام آنے والی اسی پوسٹ پر بھیجنے والے کا نام کلارا رابرٹ لکھا ہوا تھا۔ وہ پوسٹ دیکھ کر فرحان ٹھنڈی سانس بھرتے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

''کلارا رابرٹ کون ہے بابا؟''

''میری ماں۔'' فرحان کا چہرہ اور لہجہ بے تاثر تھا۔

''آپ کی ماں یعنی دادی پر آپ نے تو بتایا تھا کہ آپ کے پیرنٹس گزر گئے۔''

''میری زندگی سے تو دونوں گزر ہی گئے ایک مر کر دوسری مار کر۔''

''میں سمجھا نہیں بابا! پلیز کھل کر بتائیں۔''

''میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا نیہان۔'' وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''نہیں بابا آپ کو بتانا ہو گا اگر آپ کی ماں زندہ ہیں تو وہ آپ کے ساتھ کیوں نہیں ہیں۔'' انہوں نے نیہان کو کاندھوں سے تھام لیا۔

''تمہاری ماں تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہے۔'' پہلے تو وہ سمجھا نہیں پر جب سمجھ آئی تو آنکھیں پھیل گئیں۔

''تو کیا آپ کی ماں بھی۔'' وہ اس کے کاندھے پر سر رکھ کر رو دیے برسوں کا رکا ہوا آنسوؤں کا سیلاب پلکوں کی باڑھ توڑ کر بہہ نکلا۔

☆......☆

جمال آفندی آغا اسماعیل آفندی کے اکلوتے چشم و چراغ تھے۔ اسماعیل آفندی بے انتہا اصول پرست اور کٹر مذہبی رجحان رکھنے والے انسان تھے ان کے گھرانے کی خواتین باہر پردہ اور گھر کی حد تک محدود رہنے کی پابند تھیں۔ اعلیٰ پوزیشن کے ساتھ B.sc کلیئر کرنے کے بعد جمال نے باقی تعلیم پیرس میں مکمل کرنے کی خواہش ظاہر کی آغا اسماعیل آفندی کا شمار کراچی کے رؤسا میں ہوتا تھا۔ جمال آفندی کی تعلیم ان کے پیش نظر بہت اہم تھی۔ اس لیے کھلے دل سے جانے کی اجازت دے دی۔

پیرس کی یونیورسٹی میں داخلے کے ساتھ ہی جمال پیرس آ گئے دنیا کے قدیم اور حسین ترین شہر نے انہیں اپنے سحر میں جیسے جکڑ سا لیا۔ پیرس کے بیچوں بیچ سے گزرنے والے دریائے سین کے کنارے صبح کا دلکش منظر انہیں سحر زدہ کر دیتا تھا۔ ان ہی دنوں انہوں نے سین کے کنارے کلارا کو دیکھا۔ شائستہ اطوار کی مالک کلارا پونٹ نیوف کے قدیم پل کے نزدیک ایک چھوٹے سے سفید گھر میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی تھی ہر روز ایکسرسائز کے لیے سین کے کنارے آنا اس کا معمول تھا۔ کلارا عام یورپین لڑکیوں جیسی ہی تھی۔ پھر بھی جمال کے لیے اس میں کچھ خاص تھا۔ تبھی وہ اس پر دل ہار گئے تھے۔ جلد ہی کلارا بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئی اور جمال آفندی کی محبت یک طرفہ نہ رہی۔ سین کے کنارے پلنے والی ان کی محبت کو دو سال گزر گئے واپسی کا وقت قریب آ گیا تو جمال نے دنیا کی مہنگی ترین شاپنگ اسٹریٹ شانزے لیزے سے ایک ڈائمنڈ رنگ خریدی اور سین میں بنے ایک ریسٹورنٹ میں جیسکو لین فرانس کی دھن سنتے ہوئے کلارا کو پرپوز کیا تھا۔ کلارا یورپ کی دیگر لڑکیوں سے الگ مزاج کی لڑکی تھی۔ محبت اس کے لیے محض وقت گزاری کا نام نہیں تھا۔ اس نے جمال کو کردار کی کسوٹی پر پرکھا تھا وہ ان کی وفا پر ایمان لے آئی تھی اس لیے ماں باپ کے منع کرنے کے باوجود جمال کے ساتھ کورٹ میرج کر کے پاکستان آ گئی۔ جمال نے اپنی شادی کی خبر اپنے گھر والوں سے چھپائی اور اپنے خاندان کی قدامت پسندی کلارا سے چھپائی۔ سو جب وہ پاکستان آئی تو یہاں پیش آنے والی صورتحال نے اسے پریشان کر دیا۔ ساس سسر غضب ناک تھے اور جمال خاموش۔ سب سے پہلے جمال نے اسے جینز شرٹ چھوڑ کر قمیض شلوار پہننے پر مجبور کیا۔ دوسرے ہر وقت اس پر دوپٹہ لینے کی پابندی تھی۔ مرچ مصالحے والے کھانے کھا کر اس نظام انہظام درہم برہم ہو گیا تھا گھر سے باہر آزادانہ آنے جانے پر پابندی تھی۔ سب سے بڑا ایشو زبان کا تھا جمال کے علاوہ کوئی اس کی بات نہیں سمجھتا تھا۔ اس پر اس نے والد کی طرف سے مذہب تبدیل کرنے کے لیے کلارا پر زور ڈالنا شروع کر دیا۔ کلارا پہلے ہی گھٹ گھٹ کر جی رہی تھی اس پر مذہب کی تبدیلی کا زور اس پر سخت گراں گزرتا تھا۔ وہ آئے دن بیمار رہنے لگی۔ ایسے میں فرحان اس کی زندگی میں بہار بن کر آیا۔ پر پیدائش کے کچھ دیر بعد ہی یہ بہار اس سے چھین کر اسے خزاں بدہ کر دیا گیا۔ جمال کی ماں فرحان کو صرف دودھ پلانے کے لیے کلارا کے پاس لاتیں۔ باقی سارا وقت

Ridadigest.com
Ridadigest.com

وہ دادی کے پاس رہتا۔ جمال کے ماں باپ کو خطرہ تھا کہ کلارا ان کے پوتے کو اپنی طرح عیسائی نا بنا دے۔ ان سب چیزوں نے کلارا کو سخت بدظن کر دیا۔ کلارا کے پاس کچھ بھی نہیں تھا سوائے اپنے وجود کے سو اس نے جمال کو اس سے محروم کرنا شروع کر دیا۔ جمال مرد تھے عورت کے آگے گھٹنے ٹیکنا ان کی مردانگی کے خلاف تھا۔ سو وہ اپنی بات منوانے کے لیے مار پیٹ بھی کیا کرتے تھے۔ کلارا اب دن رات اپنی موت کا انتظار کرتی تھی۔ فرحان چودہ سال کے ہو چکے تھے اور ایک چودہ سالہ بچہ معاملات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ان کے اندر یہ احساس تھا کہ ان کی ماں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ کبھی کبھار چھپ کر وہ ماں کے پاس آتے تو کلارا ان سے منہ پھیر لیتی وہ ماں تھی اپنی اولاد کا چھپ کر پاس آنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ آج بھی عیسائیت پر قائم تھی اس وجہ سے آفندی ہاؤس کا ہر فرد اس سے دور تھا۔ پھر اچانک ایک دن اس کا ایک کزن ڈینس آفندی ہاؤس تک آ پہنچا اسے دیکھ کر کلارا خود پر ضبط نہ کر سکی اور اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی اس بات کی سزا جمال آفندی نے اسے چار چوٹ کی مار کی صورت دی۔ ماں کی چیخیں سن کر فرحان نے دل میں پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ بہت جلد ماں کو اس قید خانے سے نجات دلوائیں گے پر یہ ارادہ ان کے دل میں ہی رہ گیا۔ چند روز بعد ایک صبح کلارا نے چپ چاپ آفندی ہاؤس چھوڑ دیا اور ڈینس کے ساتھ واپس فرانس چلی گئی۔ فرحان کو شدید دکھ تھا کہ ان کی ماں جانے سے پہلے ایک بار انہیں سینے سے تو لگا لیتی۔ کلارا کے جانے کے بعد ان کے اپنوں نے ہی انہیں ماں کے طعنے دیے انہیں وہ کبھی غلط نہیں لگیں بس یہ دکھ ہمیشہ رہا کہ کبھی پلٹ کر پوچھا بھی نہیں اور پھر اسے ان کی یاد آئی بھی تو کب جب وہ خود صاحب اولاد تھے۔ ان کے لاکھ چاہنے کے باوجود آغا اسماعیل آفندی نے انہیں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے باہر جانے کی اجازت نہیں دی۔ یہاں کے ساتھ زیادتی اور ان کی خواہشات سے روکنے کی بنا پر فرحان نے اپنی زندگی کا لائحہ عمل بالکل ہی مختلف بنایا۔ عملی زندگی میں آنے کے بعد انہوں نے نسبتاً کم حیثیت مگر عزت دار گھرانے کی پروردہ اپنی کلاس فیلو نگہت کا انتخاب کیا شادی کے بعد انہوں نے آفندی ہاؤس کی بجائے نگہت کو ڈیفنس کے ایک بنگلے میں رکھا۔ ہر طرح کی آزادی دی لگژری گاڑی، بینک بیلنس اور دنیا کی ہر آسائش ان کے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ وہ مطمئن تھے پر نہیں جانتے تھے کہ وقت کسی اور رنگ میں خود کو دہرائے گا۔ چھ سال قبل انہیں اپنی برتھ ڈے پر ایک پوسٹ موصول ہوئی جس پر کلارا البرٹ کا نام دیکھ کر ان کے دل میں چھپے زخم پھر سے ہرے ہو گئے وہ لفافہ کھولے بغیر ہی انہوں نے اپنے آفس کے لاکر میں منتقل کر دیا۔ اور پھر ہر سال آنے والی کلارا کی پوسٹ کو وہ بنا کھولے لاکر میں منتقل کر دیتے۔ پر اس بار شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہونے کے باعث وہ کلارا کی پوسٹ آفس ٹیبل کی دراز میں ہی بھول گئے۔ جو اتفاق سے نیہان کے ہاتھ لگ گئی۔

☆......☆

چھیاسٹھ سالہ بوڑھی مگر شاندار عورت پونٹ نیوف کے اس پل کے نزدیک جو پیرس کے بیچوں بیچ بہنے والے دریائے سین کے بتیس پلوں میں سب سے قدیم اور حسین تھا ایک بینچ پر بیٹھی تھی۔ ہر روز شام میں شاہ خاور کو اپنا سرخ لاوا بہاتے دیکھنا اس کا معمول تھا۔ آج بھی گرم گرم بلیک کافی کے گھونٹ بھرتے سین میں تیرتے فلوٹنگ ریسٹورنٹس پر نگاہیں جمائے نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔ تبھی اسے اپنے فون پر ایک برقی پیغام موصول ہوا۔ اجنبی نمبر سے آنے والے اس مختصر میسج کو اس نے حیرت سے دیکھا۔ جیسے جیسے وہ پڑھتی گئی اس کی حیرت بے پایاں مسرت میں تبدیل ہو گئی۔

Ridadigest.com

''ہائے گرینی نیہان آفندی از ہیر۔ سن آف آغا فرحان آفندی۔ میں آپ کی آواز سننا چاہتا ہوں۔'' خوشی سے لرزتے ہاتھوں سے کلارا البرٹ نے اسی وقت اس نمبر پر کال ملائی تھی۔

☆......☆

سات دن بعد اعصاب شکن تھکن کے ساتھ آغا فرحان آفندی اپنے آفس آئے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں کافی میٹنگز اکٹھی ہو گئی تھیں۔ جن کی وجہ سے ماہرہ کو ان سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ وہ آبش کے سلسلے میں ان سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ آفس سے جانے کے لیے نکلے اس نے بات چھیڑ دی اور ڈیڑھ لاکھ کے لون کا مطالبہ کر ڈالا۔ وہ کچھ دیر بغور اسے دیکھتے رہے۔

''کتنا عرصہ ہوا آپ کو یہاں کام کرتے ہوئے۔'' وہ کچھ گھبرا سی گئی۔

''جی سر......وہ......دو ماہ۔''

''دو ماہ اور ابھی سے آپ نے لون کے لیے مطالبے شروع کر دیے۔ ایسا ہوتا ہے کہیں۔ مس ماہرہ یہ میرا آفس ہے یا کوئی خیراتی ادارہ۔'' ماہرہ نے پہلی بار انہیں اتنے غصے میں دیکھا تھا۔

''سر! آپ نے پہلے بھی میری مدد کی تھی اسی لیے۔''

''اس لیے کیا میں کوئی مسٹر ورکر ہوں۔ ہر وقت آپ کی امداد کا ٹھیکہ اٹھا لیا ہے میں نے۔'' اس کے چپ ہو جانے پر وہ اسے غصے سے دیکھتے آفس سے باہر چلے گئے۔ جب کے ماہرہ کتنی ہی دیر گم صم وہیں کھڑی رہی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد آہستہ آہستہ یہ احساس ان پر غالب آ رہا تھا کہ وہ کسی کا غصہ کسی اور پر اتار آئے ہیں دوسری طرف ماہرہ بھی عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہے تھے فرحان صاحب کون ہی بیٹھا یہاں اتنی جلدی لون دیتا ہے وہ تو اس کے محسن تھے اگر وہ بروقت اسے جاب آفر نہ کرتے تو اسے کتنا خوار ہونا پڑتا۔ بلاوجہ ہی ان کی نظروں میں اپنا آپ برا بنا بیٹھی۔'' اگلے دن وہ آفس نہیں آئے۔ کام ختم کر کے وہ سیدھی آفندی ہاؤس چلی آئی۔ انہوں نے اسے اپنے کمرے میں ہی بلوا لیا۔

''گڈ ایوننگ سر!'' سر کے اشارے سے جواب دے کر فرحان نے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''سوری سر! کل آپ ناراض ہو گئے آپ کے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ آپ ٹھیک تھے۔'' فرحان سوچ رہے تھے شاید آج وہ پھر اپنی کوئی ضرورت لے کر آ گئی ہے اپنی سوچ پر نادم سے ہو گئے۔

''سوری تو مجھے کرنا چاہیے۔ غصے میں نا جانے کیا کچھ بول گیا۔''

''سر! آپ بول سکتے ہیں۔ آپ تو میرے محسن ہیں آپ کی کسی بات کا میں کبھی برا نہیں مانوں گی۔'' فرحان اسے دیکھتے سوچ میں پڑ گئے۔

''یہ بھی تو ایک عورت ہے جاب دینے پر میری ممنون ہے اور نگہت کو میں نے کیا کچھ نہیں دیا وہ پھر بھی مجھے ٹھکرا کر چلی گئی۔'' اس کے چہرے پر ٹکی ان کی مسلسل نگاہیں اسے بے چین کر رہی تھیں۔

''سر آپ کے گھر میں اور کون کون رہتا ہے۔'' ان کی توجہ ہٹانے کو ماہرہ نے جلدی سے بات بنائی۔

''میں اور میرے بچے۔''

''اور آپ کی مسز؟'' اس کے سوال پر وہ سوچ میں پڑ گئے۔

''طلاق دے دی میں نے اسے۔'' ماہرہ کو اپنے آس پاس پھر اس آگ کی لپیٹیں محسوس ہونے لگیں۔

Ridadigest.com

جس میں وہ تین سال پہلے جل چکی تھی۔

”کتنی آسانی سے بول جاتے ہیں سر آپ مرد یہ لفظ جسے سن کر آسمان بھی کانپ جاتا ہے کاش آپ مردوں کو احساس ہو جائے کہ عورت کی پوری زندگی کو گرہن لگا دیتے ہیں یہ لفظ۔“ فرحان دھیرے سے ہنس دیے۔

”آسانی سے، جس پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے آپ نہیں سمجھ سکتیں۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں سر کیونکہ میں بھی ایک طلاق یافتہ عورت ہوں۔ میری زندگی کو بھی گرہن لگ چکا ہے۔“ فرحان چند لمحے اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکے۔

”چلتی ہوں سر!“ اسے احساس ہوا کہ شاید وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

”ٹھہریں ماہرہ! بات ختم کیے بنا میں نہیں جانے دوں گا آپ کو مجھے بتانا ہوگا کہ آپ کی زندگی کو کس نے گرہن لگایا۔“ ان کے اصرار پر اس نے اپنا دل ان کے سامنے کھول دیا۔

☆......☆

ماہرہ اور ہمایوں رفیق صاحب کے دو ہی بچے تھے ان کی اہلیہ ماہرہ کے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ ہمایوں ماہرہ سے پورے چودہ سال بڑے تھے۔ ماہرہ بارہ برس کی تھی جب ہمایوں کی شادی ہوگئی۔ نائلہ بھابھی بہت اچھی تھیں۔ پر آبش کی پیدائش کے بعد اندرونی بیماریوں کا شکار ہو کر رہ گئیں۔ سو وقت نے ماہرہ کو ماں کے ہوتے ہوئے بھی آبش کی ماں بنا دیا۔ بیوی کی بیماری جھیلتے جھیلتے ہمایوں خود بیمار سے رہنے لگے۔ ماہرہ کا رشتہ رفیق صاحب کے دوست خالق داد کے بیٹے ناصر سے طے تھا۔ دس سال کی بیماری جھیلنے کے بعد نائلہ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ماہرہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی پر باپ بھائی کے شدید اصرار پر اسے آبش کو چھوڑ کر جانا ہی پڑا۔ خالق داد کی بیگم اس رشتے سے بالکل بھی خوش نہیں تھیں۔ وہ ناصر کے لیے اپنے بھائی کی بیٹی لانا چاہ رہی تھیں۔ اندر ہی اندر وہ ناصر کو اس رشتے سے بدظن کر رہی تھیں۔ ناصر باپ کے سامنے اس رشتے پر خاموش تھا پر ماں کی طرف سے بھرا جانے والا زہر اس نے ماہرہ کے وجود میں منتقل کر دیا۔ خالق داد کی ذات اس کے لیے ایک ڈھال تھی ورنہ تو شوہر، نندیں، دیور، ساس اس کا جینا حرام کیے رکھتے تھے۔ چند سال بعد اس کا یہ سہارا بھی چھن گیا۔ اس پر اس کی گود ہری نہ ہو سکی اسی بات کو ایشو بنا کر ناصر کی دوسری شادی کر دی گئی۔ ماہرہ کا دکھ سینے سے لگا کر ابا بھی چل دیے۔ بیوی، بہن اور باپ کے غم میں ہمایوں کو شوگر ہوگئی۔ شادی کے سات سال بعد ماہرہ امید سے ہوگئی۔ پر یہ صورتحال ماہرہ کی ساس اور سوکن سے برداشت نہیں ہوئی اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ اگر بیٹا ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ ناصر ماہرہ کو طلاق دے گا۔ ناصر کی دوسری بیوی کے ہاں اوپر تلے دو بیٹیاں ہو چکی تھیں۔ تیسری بیٹی اور وہ بھی ماہرہ کی انہیں کسی طرح قبول نہیں تھی۔ ماہرہ کو قدرت نے سونیا سے نوازا۔ اس کی پیدائش کے دوسرے ہی دن ناصر نے طلاق کی مہر ماہرہ کے ماتھے پر داغ دی روتی بلکتی ماہرہ سونیا کو سینے سے لگائے ہمایوں کے پاس آگئی۔ سولہ سالا آبش نے سونیا کو ماہرہ کی گود سے لے کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ تو ماہرہ کو وہ دن یاد آئے جب بھابھی کے ہوتے ہوئے بھی آبش کو ماہرہ نے سنبھالا تھا۔ ماہرہ کا دکھ ہمایوں کے اندر جڑ پکڑ گیا۔ معمولی سی چوٹ بڑھ گئی اور شوگر کی وجہ سے ان کی ٹانگ کاٹنی پڑی ہمایوں کی نوکری چھٹ گئی گھر کا سارا انحصار ابا کی پینشن پر آگیا۔ ماہرہ اور آبش نے ٹیوشن پڑھانی شروع کر دی پر اخراجات کہیں زیادہ تھے۔ سو ماہرہ نے ہمایوں سے جاب کی اجازت مانگی۔ جوان بیٹی بیاہنے کی عمر کو آئی تھی اس لیے مجبوراً ہمایوں کو اجازت دینی پڑی۔

Ridadigest.com

☆......☆

دکھ بھری داستان سمیٹتے ماہرہ کو وقت کا اندازہ ہی نہ ہوا۔ فرحان بھی ایک جذب کی کیفیت میں اسے سن رہے تھے اور سوچ رہے تھے میرا غم اس نازک اور کمزور عورت کے مقابلے میں کتنا کم ہے۔ ماہرہ جانے لگی تو انہوں نے اسے روک دیا۔ ماہرہ کو لگا وہ اس پر ترس کھا رہے ہیں۔

”نہیں سر! یہ میں نہیں لوں گی۔“ انہوں نے چیک اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

”یہ میں ترس کھا کر نہیں دے رہا۔ یہ ایک دکھی انسان کا دوسرے دکھی انسان کے لیے ایثار ہے۔ میں غلط تھا آپ میری ورکر ہیں اور مجھے اپنے ورکرز کا خیال ہونا چاہیے۔“ ماہرہ نے مٹھی بند کرلی۔

”سر! آپ نے مجھ سے تو میرے بارے میں جان لیا پر اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائے۔

”آپ نے اپنا دل ہلکا کر لیا۔ ہم بھی کبھی کریں گے۔ آپ اس وقت تنہا مت جائیے گا میرا ڈرائیور آپ کو چھوڑ دے گا۔“ ماہرہ ایک بار پھر ان کی مشکور ہوگئی۔

☆......☆

گھر پہنچتے ماہرہ کو دس بج گئے۔ ہمایوں اور آبش پریشان تھے سونیا بھی بار بار ماں کا پوچھ کر سو گئی تھی۔ پریشانی میں ہمایوں گھر سے باہر نکل آئے۔ بڑی سی گاڑی سے ماہرہ گھر کے سامنے اتری تو دوسری طرف سے گلی میں آتے ہمایوں کو نہ دیکھ سکی۔ اتنی رات کو جوان بہن کا لگژری گاڑی میں گھر آنا ہمایوں کو اندر سے کھٹکا گیا تھا۔

”پھپھو! آپ کہاں چلی گئی تھیں ہم سب کتنا پریشان تھے آپ کے لیے۔“ ماہرہ نے چیک اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

”اوہو چھوڑو وہ سب یہ دیکھو دو لاکھ کا چیک۔“ آبش کے چہرے پر حیرت اور مسرت کے آثار نمودار ہوئے۔

”یہ کیا ہے پھپھو؟“

”تمہارا پیرس کا ویزہ پاسپورٹ اور ٹکٹ، اس دن فرحان صاحب نہیں مانے تھے ناں آج انہوں نے خود مجھے اپنے بنگلے پر یہ چیک دے دیا۔“ اس کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ ہمایوں نے پیچھے سے چیک جھپٹ لیا۔

”غریب ضرور ہوں مگر بے غیرت نہیں۔ ایک باس اپنی سیکرٹری کو بنگلے پر بلا کر دو لاکھ کا چیک کیوں دیتا ہے میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔“ ماہرہ سناٹے میں آگئی۔

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں بھائی جان! فرحان صاحب نے مجھے نہیں بلایا تھا میں خود گئی تھی۔“

”چٹاخ۔“ ہمایوں نے اسے تھپڑ رسید کر دیا۔

”ابو جی! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟“ آبش نے لپک کر ماہرہ کو گلے سے لگایا۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنا گر جاؤ گی۔ میری بیٹی کے مستقبل کے لیے تمہیں خود کو کسی غیر مرد کے سامنے گرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ آغا فرحان آفندی کے یہ دو لاکھ میں کبھی بھی قبول نہیں کروں گا۔“ یہ کہہ کر وہ بیساکھیاں ٹیکتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

Ridadigest.com

"میرا یقین کریں بھائی جان! میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر آپ کو شرمندہ ہونا پڑے۔" ماہرہ کہتی رہ گئی پر انہوں نے پھر اس کی کوئی بات نہیں سنی۔

☆......☆

"گڈ مارننگ بابا! آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔" آغا فرحان آفندی ناشتے کے لیے آئے تو رائمہ نے ان سے پوچھا۔

"مارننگ بیٹا! پہلے سے بہت بہتر ہوں اب۔" ماہرہ کی باتیں سن کر انہیں احساس ہوا تھا کہ دنیا میں کتنے مجبور لوگ پڑے ہوئے ہیں وہ تو پھر بہت سوں سے بہتر ہیں۔

"یہ نیہان کہاں ہے؟" انہوں نے چائے نکالتے ہوئے پوچھا۔

"کسی دوست کو ریسیو کرنے گیا ہے شاید۔"

"یہ اچانک سے کونسا دوست آ گیا۔" رائمہ نے لاپرواہی سے کندھے اچکا دیے۔ تبھی نیہان کے سلام کی آواز آئی۔

"آؤ بھئی کہاں غائب ہو اور یہ کونسا دوست آ گیا اچانک۔"

"بابا آپ خود ہی دیکھیں۔" نیہان سائیڈ میں ہوا تو ایک ایسا چہرہ ان کے سامنے آ گیا جو مہربان بھی تھا اور سفاک بھی۔ وہ اپنی نگاہیں پھیر لینا چاہتے تھے پر پھیر نہیں پائے وہ زود و پشیمان چہرہ وہ مہربان وجود آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگا وہ خود کو اپنے قدموں کو ان کی طرف بڑھنے سے روک نہیں پائے۔ فرحان کلارا ابرٹ کو اپنے سامنے دیکھ کر عجیب سے احساس سے دوچار تھے۔

"فرحان! میرے بیٹے۔" زمانوں سے ترسی ممتا آج دیوانہ وار اپنے لخت جگر کا منہ چوم رہی تھی۔ فرحان اشک برساتی ماں کے سامنے زیادہ دیر اپنا آپ سنبھال نہیں سکے۔

"کیوں چھوڑ دیا مجھے آپ کو مجھ سے محبت ہی نہیں تھی ماں! ورنہ مجھے بھی ساتھ لے گئی ہوتیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنا وجود ماں کی آغوش میں دے دیا۔

"کاش بیٹے میں تمہیں اپنا دل دکھا سکتی کہ اس میں تمہاری محبت کے سوا کچھ نہیں ہے تم تو جانتے ہو زندگی کیسے مجھ پر تنگ کر دی گئی تھی۔ ایسے میں صرف ایک ڈینس کا آسرا مجھے نظر آیا تھا تمہیں ساتھ لے جانا ممکن ہوتا تو میں زندگی کی قیمت پر بھی لے جاتی۔" رائمہ ایک یورپین عورت کو اتنی صاف اردو بولتے دیکھ کر حیران تھی۔ اس نے نیہان سے ان کے بارے میں پوچھا۔

"یہ گرینی ہیں۔ ہماری دادی۔" اس کی بات سن کر وہ حیران رہ گئی کیونکہ وہ بھی یہ ہی جانتی تھی کہ اس کی دادی اب حیات نہیں۔

"میں نے تم سے رابطے کی بہت کوشش کی فرحان! پر جمال نے میری ہر کوشش ناکام بنا دی۔ فون نمبر چینج ہو گئے۔ میرا کوئی خط تم تک نہیں پہنچتا۔ میرا یہاں کوئی نہیں تھا۔ اسی لیے تمہاری کوئی خیر خبر مجھ تک نہیں پہنچی۔ زمانوں بعد ڈینس کا ایک جاننے والا کراچی آیا تو میری ریکویسٹ پر اس نے تمہارے بارے میں پتہ کیا۔ تب مجھے پتہ چلا کہ تم نے آفندی ہاؤس چھوڑ دیا ہے اس نے مجھے تمہارے آفس کا ایڈریس دیا۔ میں نے تمہیں کتنے خط بھیجے پر تم نے مجھے کیوں نہیں سمجھا۔" فرحان کا سر گود میں رکھے کلارا بچھڑنے کے بعد کی داستان سنا رہی تھیں۔

"میں آپ کو سمجھتا تھا ماں آپ کا دکھ میرے اندر پلتا رہا۔ مجھے آپ سے شکوہ نہیں تھا۔ بس ایک دکھ تھا کہ کاش آپ نے میرا یقین کیا ہوتا مجھے ایک بار سینے سے لگایا ہوتا جانے سے پہلے۔" یہ سنتے ہی کلارا نے جھٹ انہیں سینے سے لگا لیا۔

☆......☆

نگہت کے جانے کے بعد جو اداسی کی فضا آفندی ہاؤس پر چھائی تھی کلارا کے آنے سے چھٹ گئی۔ فرحان اپنی ماں کو اور بچے دادی کو پا کر بے حد خوش تھے۔ ایک ہفتے بعد کلارا نے واپسی کے لیے رخت سفر باندھا فرحان اور ان کے بچوں نے بہت چاہا کہ وہ ہمیشہ کے لیے ان کے پاس رہ جائیں پر وہ پیرس میں موجود اپنا گھر چھوڑنے پر تیار نہیں تھیں انہوں نے ان سب کو پیرس اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ فرحان نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ بچوں کو لے کر جلد ان کے پاس آ جائیں گے۔ جانے سے ایک رات پہلے فرحان نے کلارا کو ترجمے والے قرآن پاک کا تحفہ دیا۔ قرآن ہاتھ میں لیے وہ کچھ حیران سی تھیں۔

"میں خود کوئی بہت اچھا باعمل مسلمان نہیں ہوں ماں! پر میری شدید خواہش ہے کہ میری ماں راہ ہدایت پا جائے۔"

"اب اس عمر میں فرحان!" انہوں نے یاس بھری نظروں سے فرحان کو دیکھا۔

"دین اسلام میں داخل ہونے کے لیے عمر کسی وقت کی قید نہیں ہے ماں یہ تو آپ کی لگن پر ہے۔ کبھی کوئی عمر بھر چلتا رہتا ہے اور منزل نہیں ملتی اور کوئی چند قدم چل کر حق پا جاتا ہے۔ یہ کوئی زبردستی کی بات نہیں ہے۔ آپ کی چاہت ہے میں نے اللہ کا پیغام آپ تک پہنچا کر اپنا فرض ادا کیا ہے باقی نصیحت قبول کرنا نا کرنا آپ پر ہے۔" کلارا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کاش فرحان! ایک بار تمہارا باپ اتنے پیار سے یہ بات کہہ دیتا تو میں اس کی خاطر اپنا مذہب بھی چھوڑ دیتی مگر اس نے اور تمہارے خاندان نے اپنے عمل سے مسلمانوں کا ایسا نقشہ میرے سامنے کھینچا کہ پھر کبھی میں کسی مسلمان کا اعتبار کر ہی نہ سکی۔ بہر حال تم کہتے ہو تو میں قرآن ضرور پڑھوں گی۔" آغا فرحان آفندی نے بڑے ہی دل اور احترام سے اپنی ماں کو سینے سے لگا لیا۔

☆......☆

دو گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد ہمایوں کو آغا فرحان آفندی کے آفس میں جانے کی اجازت ملی تھی کافی دنوں بعد آفس آنے کی وجہ سے ان کی مصروفیت زیادہ تھی ہمایوں پچھلے کئی دنوں سے روز ان کے آفس چکر لگا رہے تھے اس لیے کچھ دیر کے لیے انہیں اجازت دے دی گئی۔ ہمایوں آفس میں داخل ہوئے تو آغا فرحان آفندی نے ان کی بے ساکھیاں دیکھ کر ایک نرمی بھری نگاہ ان پر ڈالی۔ ان کی یہ نگاہ ہمایوں کو اندر تک کاٹ گئی۔

"فرمائیے۔" ہمایوں نے آگے بڑھ کر دو لاکھ کا چیک ان کی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"یہ چیک تو میں نے۔"

"ماہرہ کو دیا تھا یہ ہی پوچھنے آیا ہوں کہ کیوں۔" فرحان ان کا چبھتا ہوا انداز سمجھے۔

"انہیں ضرورت تھی اس لیے۔" ہمایوں کے لبوں پر ہلکی سی طنزیہ ہنسی آ گئی۔

"اس آفس میں کام کرنے والی کتنی عورتوں کی مدد کر چکے ہیں آپ دو دو لاکھ کا چیک دے کر اتنے کم

دنوں میں۔۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اتنی مشکل بات تو نہیں پوچھی میں نے۔ پھر بھی اگر آپ نہیں سمجھے تو دو جملوں میں سمجھا دیتا ہوں میں ایک عزت دار انسان ہوں فرحان صاحب! اپنی ضرورتوں کے عوض اپنی غیرت نہیں بیچ سکتا۔" یہ کہہ کر وہ آفس سے باہر آ گئے پیچھے آغا فرحان آفندی ان کے کہے جملوں پر غور کرتے رہ گئے۔

☆......☆

بالٹی سے سونیا کی دھلی ہوئی فراک نکال کر اس نے رسی پر پھیلا دی آفس نہ جاتے اسے آج دسواں دن تھا۔ ماہرہ اپنی صفائیاں پیش کر کر کے تھک گئی تھی پر ہمایوں کے ہونٹوں پر لگی چپ نہیں ٹوٹی۔ ابھی بھی یہ سوچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اچانک آبش نے پیچھے سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"پھپھو! جانتی ہیں نیچے کون آیا ہے۔"

"نہیں تم ہی بتا دو۔"

"نیچے آغا فرحان آفندی آئے ہیں۔" ماہرہ کرنٹ کھا کر پلٹی۔

"سر آئے ہیں ہمارے گھر کیوں۔"

"پتہ نہیں پھپھو نیچے ڈرائنگ روم میں ابو جی سے باتیں کر رہے ہیں۔" کچھ سوچ کر ماہرہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

"آپ کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے ہمایوں! میں نے وہ چیک ماہرہ کو کسی غلط سوچ کے تحت نہیں دیا تھا میرے آفس میں کام کرنے والی ہر لیڈی ورکر میرے لیے بے انتہا قابل احترام ہے۔ میں اپنی صفائی دینے یہاں ہرگز نہ آتا جو مجھے آپ کی شدت پسندانہ سوچ سے ماہرہ کے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا۔"

"یہی تو مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آخر آپ کو ماہرہ سے اتنی ہمدردی کیوں ہوگئی۔" فرحان اس کی بات سن کر چپ سے ہو گئے۔

"دیکھیے ہمایوں! کبھی کبھی دو مختلف ماحول میں رہنے والے انسان ایک جیسے حالات کا شکار ہو جاتے ہیں میرے اور ماہرہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہے وہ ایک مرد کی ٹھکرائی ہوئی عورت ہے اور میں ایک عورت کا ٹھکرایا ہوا۔ بس یہ ہی ایک مطابقت میرے اور اس کے درمیان لمحاتی ہمدردی کا باعث بن گئی۔ اس کے علاوہ ہمارے درمیان اور کچھ نہیں۔" دروازے کے باہر کھڑی ماہرہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ہمارے معاشرے کے جس طبقے سے آپ کا تعلق ہے فرحان آفندی صاحب! وہاں ہمدردی میں لاکھوں روپے دے دینا کوئی معنی نہیں رکھتا ہوگا مگر جس طبقے سے میں تعلق رکھتا ہوں وہاں ان باتوں کا جواب دینا پڑتا ہے میں ایک غریب اور لاچار آدمی ہوں انتہائی مجبوری میں مطلقہ بہن سے نوکری کروا رہا ہوں۔ کل کو جب دنیا مجھ سے پوچھے گی کہ بیٹی کو پیرس بھیجنے کے لیے لاکھوں روپے کہاں سے آئے تو کیا جواب دوں گا۔ اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے اپنی بہن کی عزت پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ اور پھر ضروریات کی تو کوئی حد ہی نہیں ہوتی فرحان صاحب! کس کس ضرورت کے لیے آپ کے آگے ہاتھ پھیلائے گی۔ اس کی تو اپنی زندگی برباد ہے ایک مضبوط گھر اور بہتر مستقبل کی ضرورت ہے اسے۔ بہر حال میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ آئے اور بات کلیئر کر دی مگر اب میں ماہرہ سے مزید نوکری نہیں کرواؤں گا۔" آغا فرحان آفندی ہمایوں کے

چپ ہو جانے کے بعد بھی کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" آغا فرحان آفندی کے ساتھ ہمایوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ دروازے تک جاتے جاتے وہ کچھ سوچ کر رک گئے۔

"آپ کی باتوں نے مجھے بہت متاثر کیا ہے ہمایوں آپ جیسے خوددار اور باہمت انسان بہت کم ہوتے ہیں دنیا میں کبھی کبھی مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے ایک جیسی ضرورت کے رشتے میں بندھ جاتے ہیں آپ کی بہن کو بہتر مستقبل کی ضرورت ہے اور مجھے ایک باوفا ساتھی کی۔ ہم دونوں کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے جو آپ ماہرہ کے لیے میرا پرپوزل قبول کر لیں۔ یہ کوئی زبردستی کا سودا نہیں ہے ہمایوں! ایک بے حد عزت کے ساتھ پیش کی جانے والی درخواست ہے آپ اچھی طرح سوچ کر جواب دیجیے گا۔" حیران کھڑے ہمایوں کا کاندھا تھپک کر وہ باہر نکل گئے۔ پر اگلے ہی پل انہیں رک جانا پڑا۔ سامنے ہی حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتی ماہرہ منہ کھولے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اپنی گہری آنکھوں کا تاثر چھوڑ کر وہ گھر سے باہر چلے گئے۔ ماہرہ کے پیچھے آبش خوشی کے مارے اپنی چیخیں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆......☆

عجیب شش و پنج کی کیفیت میں مبتلا کر گئے تھے آغا فرحان آفندی۔ ہمایوں کو دو متضاد کیفیات نے گھیر لیا تھا۔ کبھی وہ سوچتے غربت اور امارت کا بہت بڑا فرق ہے ہمارے اور ان کے درمیان پر کبھی سوچتے ساری عمر میری بہن نے سفید پوشی کی چادر کے سوا دیکھا ہی کیا اسے اپنی باقی زندگی عیش و آرام میں گزارنی چاہیے۔ انہی سوچوں میں گھرے وہ اندر کی طرف آئے۔

"دیکھا پھپھو! پھر ہو گیا نا میرا جاگتی آنکھوں سے دیکھا خواب سچا۔" آبش نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس کے جہیز کا سرخ دوپٹہ اسے اوڑھا دیا تھا۔

"پگلی ہو گئی ہو آبش تم تو۔" مصنوعی غصے سے ڈانٹتی ماہرہ خود بھی مسکرائے جا رہی تھی اسے اپنی اندرونی کیفیت چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔ پر جیسے ہی دونوں کی نظریں دروازے کی طرف اٹھیں۔ تو دروازے میں کھڑے ہمایوں کو دیکھ کر دونوں کو بریک لگ گئی۔ کانپتے ہاتھوں سے ماہرہ نے سر سے دوپٹہ اتار دیا پر اس کے چہرے پر پھیلے حیا کے رنگ ہمایوں کی زمانہ شناس نگاہوں سے چھپ نہ سکے تھے۔ آغا فرحان آفندی کی درخواست کا جواب انہیں مل گیا تھا۔

"میں شادی کر رہا ہوں۔" یہ وہ الفاظ تھے جو بجلی بن کر ناشتہ کرتے نیہان اور رائمہ پر گرے اور وہ دونوں ناشتہ بھول کر باپ کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکے۔

"اب تم یہ جاننا چاہو گے کہ کس سے اور کب تو اس کا جواب یہ ہے کہ میری سیکرٹری ماہرہ سے اور ایک دن بعد آنے والے جمعہ کو۔" ٹوس پر مکھن لگاتے فرحان نے انہیں مطلع کیا۔

"نہیں بابا! ایک معمولی سیکرٹری کو میں اپنی ماں کے روپ میں برداشت نہیں کر سکتی۔" پہلا اعتراض رائمہ نے اٹھایا۔

"ہمارے اور ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے بابا! وہ جاہلوں اور گنواروں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔" نیہان کی آنکھوں میں آبش کا چہرہ ابھر آیا تھا۔

"اس کے خاندان میں کوئی بھی جاہل نہیں ہے نیہان! سب پڑھے لکھے عزت دار لوگ ہیں۔ دوسرے

Ridadigest.com

میں تم سے رائے نہیں مانگ رہا بلکہ انفارم کر رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم دونوں میرے ساتھ چلو۔ پر اگر تم نہیں جاتے تو یہ کام پھر بھی ہوگا۔

''آپ کو شادی کرنا ہے تو کسی اسٹینڈرڈ کی عورت سے کر لیتے۔'' رائمہ کسی صورت کم حیثیت عورت کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھی۔

''پہلی شادی اسٹینڈرڈ کی عورت سے ہی کی تھی۔ جو دکھ بھی اسٹینڈرڈ کا ہی دے کر گئی بہر حال مجھے مزید بحث نہیں کرنی تم جانتے ہو تمہاری ماں کی وجہ سے میں کتنی ٹینشن اٹھا چکا ہوں اب میں اس فیز سے نکل کر زندگی میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے تم دونوں میرا ساتھ دو گے۔'' انہوں نے خالی کپ رکھا اور آفس کے لیے اٹھ گئے دو دن بعد ایک سادہ سی تقریب میں ماہرہ، ماہرہ فرحان آفندی بن کر ان کے ساتھ میریٹ ہوٹل آ گئی۔ سونیا کو آبش نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ ہوٹل سے ہی اگلے دن فرحان ماہرہ کو اسلام آباد لے گئے۔

نیہان کا باپ کی توجہ نہ ملنے پر غصے سے برا حال تھا اور رائمہ کا دکھ سے۔ پہلے اسے نگہت پر غصہ تھا پر اب ماں باپ دونوں ہی خود غرض لگ رہے تھے۔ اس کی شادی کا وقت قریب تھا اور ماں باپ دونوں اپنا اپنا گھر بسانے چلے تھے۔ دو سال قبل اس کی منگنی فرحان کے ایک بزنس پارٹنر ابراہیم خواجہ کے بیٹے محبت خواجہ سے ہو چکی تھی۔ پر جب سے فرحان اور نگہت کی علیحدگی ہوئی تھی اس کے سسرال والوں نے ان سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس کی تشویش اس سلسلے میں جائز تھی۔ چار دن بعد فرحان اور ماہرہ واپس آ گئے۔ وہ اسے بتا چکے تھے کہ اس شادی میں ان کے بچوں کی مرضی شامل نہیں ہے۔ ماہرہ یہ سوچ کر آفندی ہاؤس میں داخل ہوئی تھی کہ اسے فرحان اور ان کے بچوں کے درمیان کشیدگی دور کر کے ماحول کو بہتر بنانا ہے۔ اس لیے وہ شام میں رائمہ کے لیے لائے ہوئے گفٹس لے کر اس کے کمرے میں آ گئی۔ رائمہ بیڈ پر لیپ ٹاپ لیے بیٹھی تھی۔

''کیسی ہو رائمہ؟'' ماہرہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھی پر رائمہ نے جواب دینا تو در کنار اپنی جگہ سے ہلنا بھی گوارا نہیں کیا۔ ماہرہ جھجک کر پیچھے ہی رک گئی۔

''میں اور تمہارے بابا یہ گفٹس تمہارے لیے لائے تھے۔'' اس نے گفٹس ٹیبل پر رکھ دیے۔ پر رائمہ ہنوز خاموش تھی۔

''واؤ تمہارے کمرے کا کلر کمبینیشن تو زبردست ہے۔ کارپٹ اور کرٹنز کی تھیم کتنی خوب صورت ہے اور یہ واز۔''

''آپ کو کچھ اور کہنا ہے؟'' رائمہ اس کی باتوں سے بیزار ہو رہی تھی۔

''ہاں نا کہنا تو ہے۔'' رائمہ کا برا سا منہ بن گیا۔

''او کے ذرہ جلدی جلدی کہیں مجھے ضروری کام کرنا ہے۔'' ماہرہ کے لبوں پر ایک مدہم دکھی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''کہنا یہ ہے کہ آج رات تمہارے سسرال والے آ رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

''رکیں پلیز۔'' توقع کے عین مطابق اسے ماہرہ کی آواز پر رکنا پڑا۔ ماہرہ کے ہاتھ اس کی دکھتی رگ آ گئی تھی۔ اگلے آدھے گھنٹے میں ان دونوں کے درمیان کھڑی برفیلی دیوار کافی حد تک پگھل گئی تھی۔ رائمہ کے بعد ماہرہ نیہان کے کمرے میں آئی تھی۔ فاسٹ میوزک سے پورا کمرہ گونج رہا تھا۔ ایکسر سائز کرتا نیہان پسینے سے شرابور تھا۔ ماہرہ نے دستک دی پر اس نے سنا نہیں۔ ماہرہ نے آگے بڑھ کر والیم کم کر دیا۔ نیہان نے غصے سے

اس کی طرف دیکھا۔

''ہیلو نیہان! کیسے ہو؟''

''پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می۔''

''او کے وہ اصل میں یہ گفٹس میں تمہارے لیے......''

''مجھے ان کی ضرورت نہیں آپ یہ سب واپس لے جائیں اور بابا کی بیوی تو آپ بن گئی ہیں پر میری ماں بننے کی کوشش نہ کریں۔''

''نیہان!'' نیہان کی باتوں سے حواس باختہ ہوتی ماہرہ پیچھے سے آنے والی آواز پر پلٹی تو آغا فرحان آفندی کھڑے ہوئے تھے۔

''مت بھولو کہ تمہارا اور ماہرہ کا اب کیا رشتہ ہے۔'' فرحان کے ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔

''سوری بابا! رشتہ آپ نے جوڑا ہے میں نے نہیں۔'' فرحان غصے میں آگے بڑھے۔

''تم اپنی حد پار کر رہے ہو نیہان!'' ممکن تھا وہ اسے تھپڑ مار دیتے پر ماہرہ بیچ میں آ گئی۔

''نہیں فرحان بچہ ہے پیار سے بات کریں۔'' وہ بازو پر سے اس کا ہاتھ جھٹکتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ پیچھے وہ سوچ میں پڑ گئی کہ نیہان کو سنبھالنا آسان نہ ہوگا۔

☆......☆

''ماما! یہ سارے ٹوائز آپ میرے لیے لائی ہیں؟'' سونیا نت نئے کھلونے پا کر بے حد خوش تھی۔

''جی میری جان! یہ سب آپ کے ہیں۔ میں اپنی گڑیا کے لیے پورا روم سیٹ کروں گی۔'' ممتا کے انوکھے رنگ اس کے چہرے پر بکھرے تھے۔ ان چند دنوں میں نئے رشتے کی چاہت اپنی جگہ پر پرانے رشتوں کی کسک بھی اسے بہت زیادہ محسوس ہوئی تھی۔ خاص کر سونیا سے دور ہو کر اسے ممتا کی شدت اپنے وجود میں بہت زیادہ محسوس ہوئی تھی۔ اسی وقت آبش چائے لے آئی اس کے چہرے پر ایک دکھی سا تاثر تھا۔

''کیا بات ہے آبش تم پریشان ہو۔ میں جب سے آئی ہوں تمہاری کھنکتی آواز نہیں سنی ہے۔'' وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''پھپھو! ابو جی مکان بیچ رہے ہیں۔''

''کیا؟'' آدھی لیٹی ہوئی ماہرہ حیرت سے اٹھ بیٹھی۔

''گھر بیچ رہے ہیں پر کیوں؟''

''مجھے پیرس بھیجنے کے لیے۔'' آبش چہرے پر ہاتھ رکھ کر رو پڑی۔ ماہرہ نے اسے گلے لگایا۔

''تم کیوں رو رہی ہو میری جان! میں ہوں ناں میں بات کرتی ہوں بھائی جان سے۔'' اسے دلاسہ دے کر ماہرہ ہمایوں کے پاس آ گئی۔

''یہ آپ نے کیا کیا بھائی جان دو لاکھ کی خاطر آپ نے پورا گھر بیچ دیا۔ آپ میرا انتظار تو کرتے۔ میں خود آبش کو بھجوا دیتی۔''

''تم میری بہن ہو ماہرہ، میرا تمہارا معاملہ ایک تھا، پر اب تمہارے معاملات کسی اور کے ساتھ مشروط ہو چکے ہیں۔ آبش اب صرف اور صرف میری ذمہ داری ہے گھر بیچنے میں جلدی نہ کرتا جو مجھے جاوید کی طرف سے خدشات نہ ہوتے۔ اسپانسر بھیجنے کے بعد اس کا صرف ایک بار فون آیا تھا۔ اس کے بعد سے اس نے فون

Ridadigest.com
Ridadigest.com

نہیں کیا اور نہ ہی فون ریسیو کر رہا ہے۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں وہ اب جلد از جلد جاوید کے پاس پہنچ جائے۔‘‘
یہ سن کر ماہرہ بھی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

☆......☆

بہت دنوں کے بعد رائمہ کے چہرے پر سچی خوشی کا عکس نظر آیا تھا۔ خواجہ ابراہیم اور ان کی بیگم شادی کی تاریخ طے کر گئے تھے۔ دونوں میاں بیوی ماہرہ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئے تھے اس بات نے رائمہ کے دل سے ماہرہ کے لیے کدورت کم کر دی تھی۔ پر نیہان کا انداز اور سوچ ویسی ہی تھی ماہرہ نے رائمہ کے ساتھ مل کر شادی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ دوسری طرف وہ آبش کے پاسپورٹ اور ویزے کے لیے بھی سرگرم تھی جس دن رائمہ کی شادی تھی اسی دن آبش کا ویزہ لگا تھا۔ ایک عجیب دیوانی سی کیفیت اس پر طاری تھی۔ پیرس جانے کی خوشی اور باپ کا گھر چھوڑنے کا غم اس کے اندر ہیجان سا برپا کر رہا تھا۔ رائمہ کی شادی میں وہ لوگ خاص طور پر مدعو کیے گئے تھے۔ آبش پہلی بار کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں منعقد ہونے والی شادی میں شرکت کر رہی تھی۔ ہائی سوسائٹی میں موو کرنے والی خواتین کے فیشن دیکھ کر وہ حیران تھی۔ ساتھ ہی ماہرہ کے نصیب پر خوش بھی تھی۔ ڈارک گرین بھاری کام والی ساڑھی اور ڈائمنڈ کی نازک سی جیولری پہنے آج ماہرہ کی چھب ہی نرالی تھی۔ وہ مستقل آغا فرحان آفندی کے شانہ بشانہ مہمانوں کو اٹینڈ کر رہی تھی۔ سونیا آبش کے ساتھ ہی اور مسلسل آبش سے بلیو کلر کے ڈرنک کی فرمائش کر رہی تھی۔ ان کی ٹیبل پر جو ڈرنکس آئے تھے ان میں بلیو نہیں تھا وہ تائیوں سے اجازت لے کر ڈرنکس کاؤنٹر کی طرف آ گئی۔ سونیا کو اس نے بلیو ڈرنک دیا اور خود گرین لے کر پلٹی پیچھے سے آتے نیہان کو دیکھ نہ پائی اور ٹکرا گئی۔ گرین ڈرنک نیہان کی وائٹ شرٹ کو داغدار کر گیا، اس نے کچھ کہنے سے پہلے خود کو پھر آبش کو دیکھا جو ایک ہاتھ سے اپنا منہ دبائے کھڑی تھی۔

’’اوہ، یو یہ کیا کیا تم نے۔‘‘ غصے سے نیہان کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

’’میں نے جان بوجھ کر تو نہیں گرایا آپ خود ہی تو آکر ٹکرائے تھے مجھ سے۔‘‘ اتفاقی ٹکراؤ کے بعد آبش سنبھل چکی تھی۔ پر اس کی بات نے نیہان کو پتنگے لگا دیے۔

’’مائی فٹ، مجھے کوئی شوق نہیں ہے تم جیسی چالو لڑکیوں سے ٹکرانے کا۔‘‘ غصے میں یہ کہہ کر نیہان باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ پر آبش ہتک اور اہانت کی آگ میں جھلس گئی اس نے تیزی سے بڑھ کر نیہان کا بازو دبوچ لیا۔

’’یہ چالو لڑکی کس کو کہا آپ نے۔‘‘ نیہان نے غصے میں بھری آبش پر تیز نگاہ ڈالی اور دوسرے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولا۔

’’تمہیں کہا ہے۔‘‘ ان کی تیز آوازوں پر آس پاس کھڑے لوگ اور آغا فرحان آفندی بھی متوجہ ہو گئے۔ کچھ غلط ہونے کے احساس پر اپنے ساتھ کھڑے دوستوں سے معذرت کر کے وہ ان دونوں کی طرف آ گئے۔

’’میں نے آپ کے ساتھ کون سی چالو لڑکیوں والی حرکت کی جو اتنا بڑا الزام لگا دیا مجھ پر، بتائیں۔‘‘

’’سب سمجھتا ہوں میں تمہاری ساری حرکتیں، تم اور تمہاری فیملی کی عورتیں ایک ہی کیٹیگری کی ہو۔‘‘ آبش کے ساتھ ماہرہ بھی اس کے غصے کی لپیٹ میں تھی۔

’’نیہان! بی ہیو یور سیلف۔ یہ کس ٹون میں بات کر رہے ہو تم اس بچی سے۔‘‘ فرحان اس کے الفاظ سن

چکے تھے۔

’’آپ کی یہ بچی یہی ٹون ڈیزرو کرتی ہے بابا! دیکھیں اس نے یہ کیا کیا ہے۔‘‘ نیہان نے اپنی شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔

’’مم، میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا، یہ خود ہی مجھ سے ٹکرائے تھے۔‘‘ آغا فرحان آفندی کو سامنے دیکھ کر آبش پر گھبراہٹ سی طاری ہو گئی۔

’’آپ یقین کر سکتے ہیں بابا! میں ٹکراؤں گا اس سے جا کر۔‘‘ اس کا انداز انتہائی طنزیہ تھا۔

’’اوکے، اوکے۔ تم واش روم جاؤ اور بیٹا آپ میرے ساتھ آئیں۔‘‘ معاملہ ختم کرنے کو انہوں نے نیہان کو وہاں سے بھیجا اور آبش کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ آبش نے سہمی ہوئی سونیا کا ہاتھ تھاما اور ان کے ساتھ چل دی۔

☆......☆

نکاح کے بعد فرحان رائمہ کو سینے سے لگا کر پیار کر رہے تھے اور ان کے قریب کھڑی ماہرہ بھیگی آنکھوں سے باپ بیٹی کو ملتے دیکھ رہی تھی۔ گزشتہ چند ہفتوں میں رائمہ اور اس کی اچھی بات چیت ہو گئی تھی۔ رائمہ کے ماتھے پر بوسہ دے کر فرحان پلٹے تو اپنی جگہ جم سے گئے۔ ان کے بالکل پیچھے سادہ سے لباس میں شرمندگی کی چھاپ چہرے پر سجائے نگہت کھڑی تھیں۔ ان کی عجیب سی حالت دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ طوفان تباہی مچا کر گزر چکا ہے۔ عورت جب تک اپنے مقام پر رہتی ہے عزت اور حفاظت کے حصار میں رہتی ہے۔ پر اگر اپنے مقام سے ہٹ جائے تو کٹی پتنگ بن جاتی ہے جسے زمانہ لوٹ کر پھاڑ ڈالتا ہے۔ کچھ دیر دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے پھر فرحان اپنا چشمہ اتارتے اسٹیج سے اتر گئے۔ نگہت کے سامنے حیران کھڑی رائمہ کا چہرہ آ گیا وہ شکستہ مسکراہٹ کے ساتھ رائمہ کی طرف بڑھیں پر اس کے اندر گرمجوشی مفقود تھی۔ انہوں نے ساتھ کھڑے نیہان پر نظر ڈالی پر ان کے دیکھتے ہی وہ بھی اسٹیج سے اتر گیا۔ ماں کا کردار غلط ہو جائے تو اولاد بھی اس کے وجود کی نفی کر دیتی ہے بجھے دل سے وہ رائمہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر واپس پلٹ گئیں۔ رخصتی کے بعد واپس بیڈ روم میں پہنچ کر آغا فرحان آفندی خود کو کوٹ کی قید سے آزاد کر رہے تھے۔ تبھی بندے اتارتی ماہرہ نے پوچھ لیا۔

’’آپ نے ان سے کوئی بات کیوں نہیں کی؟‘‘ ٹائی کی ناٹ کھولتے ان کے ہاتھ رک گئے۔

’’کیا بات کرتا اور کیوں کرتا۔‘‘ وہ ان کے قریب آ گئی۔

رائمہ آپ دونوں کی بیٹی ہے اگر دونوں مل کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو اسے خوشی ہوتی۔‘‘ فرحان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

’’حیرت ہے مجھے تم نے یہ بات سوچی بھی کیسے۔‘‘ ماہرہ کچھ کہنے والی تھی کہ ان کا فون بج اٹھا۔

’’السلام علیکم ماں! جی سب کام خیریت سے ہو گیا۔‘‘ وہ شرٹ اتارتے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

’’ٹھیک کہہ رہی ہیں ماں آج بہت بڑے فرض سے آزاد ہو گیا ہوں۔‘‘ ان کی آواز پر برسوں کی تھکن غالب تھی۔

’’تھکا ہوا نہیں ہوں۔ پریشان ہوں۔‘‘

ماہرہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

Ridadigest.com

"نیہان میرے لیے مسئلہ بنتا جا رہا ہے ہر طرح سے سمجھا رہا ہوں پر وہ رشتوں کی نزاکت کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہو رہا۔"

ماہرہ اپنی جگہ چور سی ہو گئی۔ آبش اسے تمام واقعہ سنا چکی تھی۔

"آپ بات کر کے دیکھ لیں اگر وہ آنا چاہتا ہے تو میں اسے پیرس بھیج دیتا ہوں۔ بہت تھک چکا ہوں ماں، اب اپنی زندگی میں تھوڑا ریلیف چاہتا ہوں۔" ماہرہ ان کی جذباتی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ سو چپ چاپ نائٹ ڈریس اٹھا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆

آبش کی سیٹ کنفرم ہو چکی تھی چند دن بعد ہی وہ سب کے ساتھ ایئر پورٹ موجود تھی۔ عجیب بوکھلاہٹ طاری تھی اس پر۔ زندگی میں پہلی بار جہاز کا سفر اور وہ بھی پیرس کا۔

"کلیم بھائی ہمارا جاوید سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہے نا۔ کہیں آبش وہاں جا کر پریشان تو نہیں ہو گی۔" ہمایوں کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے آبش کے خالہ اور خالو بھی آئے ہوئے تھے۔

"سب ٹھیک ہے ہمایوں بھائی! ہماری جاوید سے بات ہو گئی ہے وہ آ جائے گا آبش کو لینے۔ آپ فکر نہ کرو۔" یہ کہہ کر کلیم نے ماہرہ کی طرف دیکھا جس نے جز بز ہو کر چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ دونوں کے چہروں پر ایسا کچھ تھا جس سے ہمایوں کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ ماہرہ نے آبش کو ایک کارڈ تھما کر ہدایت کی کہ پیرس میں کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں اس نمبر پر کال کرے۔ کارڈ سنبھال کر آبش فرداً فرداً سب سے ملی تو پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس کی رخصتی ہو رہی ہے انٹرنس ہال میں چیک ان کرنے کے بعد اس نے اپنا بھاری سوٹ کیس ایئر لائن کے عملے کے حوالے کیا پھر بورڈنگ پاس لینے کے لیے ایمرجنسی کاؤنٹر کی طرف آ گئی۔ اس سب میں اسے اپنا ایک ایک قدم من من بھر کا لگ رہا تھا۔ یہاں دو کاؤنٹر تھے ایک طرف طویل لائن تھی دوسری طرف لوگ کم تھے۔ وہ دوسری طرف آ گئی پر اس نے سوچا جانے یہ میری لائن ہے یا نہیں۔ یہ ہی سوچ کر اس نے آگے کھڑے شخص کی پشت پر شہادت والی انگلی سے دستک دی۔

"ایکسکیوزمی۔" پر جیسے ہی وہ پلٹا اس کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ غائب ہو کر حیرت میں بدل گئی۔ کچھ ایسی ہی کیفیت نیہان کی تھی۔

"آپ۔"

"تم، تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" چند لمحوں کی حیرت کے بعد نیہان نے خود کو سنبھال لیا۔

"تم پیرس جا رہی ہو۔ ہاں بھئی جا سکتی ہو۔ میرے امیر باپ کو جو پھانس لیا ہے۔" اس کے حقارت بھرے انداز نے آبش کو سلگا دیا تھا پر اپنے آس پاس نظر ڈال کر اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی۔

"بند کریں اپنی بکواس اور ہٹیں میرے سامنے سے۔" نیہان طنزیہ سا ہنس دیا۔

"میں یہاں سے کیوں ہٹوں، تم ہٹو کیونکہ یہ فرسٹ کلاس والوں کی لائن ہے اور تمہارے ہاتھ میں اکانومی کلاس کی ٹکٹ ہے اس لیے چپ چاپ یہاں سے وہاں چلی جاؤ۔" اس کی بات سن کر آبش نے غور کیا تو واقعی اس کے ہاتھ میں جیسی ٹکٹ تھی دوسری لائن کے سب مسافروں کے ہاتھ میں ویسی ہی ٹکٹ تھی۔

"شٹ۔" نیہان پر ایک غضب ناک نگاہ ڈال کر دل میں کڑھتی دوسری طرف آ گئی۔ بورڈنگ پاس لے کر نیہان آبش کو چڑاتا ہوا ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھ گیا اور وہ دعائیں کرتی رہ گئی کہ یا اللہ اب اس

خبیث کی صورت نظر نہ آئے۔

☆......☆

نجانے کس عقل کے اندھے نے اس کی ٹکٹ بنائی تھی۔ تین سیٹوں کی رو میں اس کی سیٹ درمیانی تھی۔ ایک طرف ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ دوسری طرف ایک جوان لڑکا اس کے بیٹھتے ہی جیسے دونوں کی لاٹری نکل آئی۔ ان کی نازیبا باتوں اور حرکتوں سے گھبرا کر وہ ٹیک آف کرتے ہی بیلٹ کھول کر ایئر ہوسٹس کے پاس آ گئی۔ اور سیٹ چینج کروانے کے لیے کہا پر اس نے بتایا کوئی سیٹ خالی نہیں سوائے فرسٹ کلاس کی چند سیٹوں کے۔ یہ سنتے ہی وہ فرسٹ کلاس میں نیہان کے پاس آ گئی۔

"کیا مصیبت ہے تمہیں۔ سکون سے ایک جگہ بیٹھا نہیں جاتا تم سے۔ جہاز میں بھی میرا دماغ خراب کرنے آ گئی ہو۔"

"یقیناً بچپن میں آپ کو کسی سانپ نے کاٹا ہو گا تبھی آپ کے منہ سے ہر وقت غصے کے زہر کا کف اڑتا رہتا ہے۔"

"مائنڈ یور لینگویج اپنے یہ بے ہودہ کمنٹس اپنے پاس رکھو۔"

"وہاں دو آدمی مجھے تنگ کر رہے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں، تمہارے خاندان کو تحفظ دینے کا ٹھیکہ میرے باپ نے لیا ہو گا میں نے نہیں سمجھیں۔" آبش دانت پیس کر رہ گئی۔ نیہان کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی اور اسے نیہان سے کسی بے ہودگی کی توقع نہیں تھی۔ غصے کی خیر تھی اس لیے اس نے کچھ نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" اس نے بے بس ہوتی [illegible] کر دیکھا۔

"یہ سیٹ ایئر لائن کی ملکیت ہے اور اس پر بیٹھنے والے کو ہزاروں روپے عملے کو ادا کرنے ہوں گے اگر کر سکتی ہو تو بیٹھ جاؤ۔" پیسوں کی بات سن کر وہ پریشان ہو گئی وہ اپنے پاس موجود تمام رقم سیٹ کے حصول کے لیے نہیں دے سکتی تھی۔ سو قہر بھری نگاہ نیہان پر ڈال کر واپس آ گئی۔ پر ان دونوں کی گندی نگاہیں دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ایک ڈیسنٹ نوجوان سے ریکوسٹ کی کہ وہ اس کی سیٹ پر چلا جائے۔ لڑکے نے نہایت عاجزی سے اس کی ریکوسٹ قبول کی اور آگے چلا گیا۔ دبئی ایئر پورٹ پر دو گھنٹے کا اسٹے تھا۔ ایئر پورٹ پر تنہا گھومتے اسے اپنا آپ ڈار سے بچھڑے پرندے جیسا لگ رہا تھا۔ وہ دونوں مسلسل اس کے تعاقب میں تھے۔ جوان تو کچھ زیادہ جارحانہ موڈ میں تھا۔ قریب سے گزرتے دھمکی آمیز جملے بھی بول چکا تھا۔ آبش اس صورتحال سے سخت خائف تھی۔ ایسے میں اس کی نظر دور بڑے بڑے شیشوں کے پار کھڑے جہازوں کے نظارے کے ساتھ فون پر ہنس ہنس کر باتیں کرتے نیہان پر پڑی تو اس کی آنکھوں سے دو آنسو لڑھک گئے وہ خود کو اس کی طرف بڑھنے سے روک نہیں پائی۔

"آپ چاہے لاکھ مجھ سے لاتعلقی برتیں پر آخر کو آپ کے بابا کی نسبت سے ہوں تو میں اب آپ کے خاندان کا ایک حصہ۔" یہ کہہ کر وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔ فلائیٹ سے باہر آنے کے بعد وہ دیکھ چکا تھا کہ دو آدمی مسلسل آبش کو پریشان کر رہے تھے۔ اسے پریشان ہوتا دیکھ کر وہ ایک کمینی سی خوشی محسوس کر رہا تھا۔ پر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ غیرت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ آبش واش روم سے باہر آئی تو طویل کاریڈور سنسان سا تھا وہ ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھی ہی تھی کہ دو آہنی ہاتھوں نے اسے ایک ستون کی آڑ

Urdu Gem
UG
The online library

UrduGem.com
URDU KA KHAZAANA

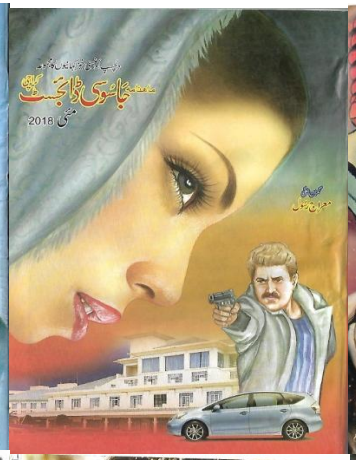

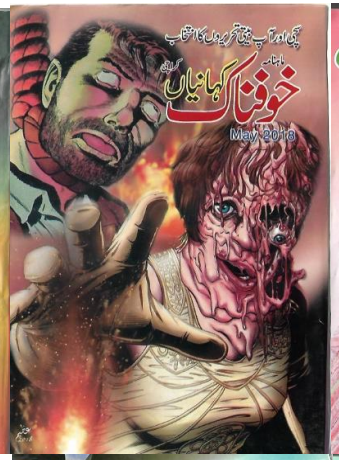

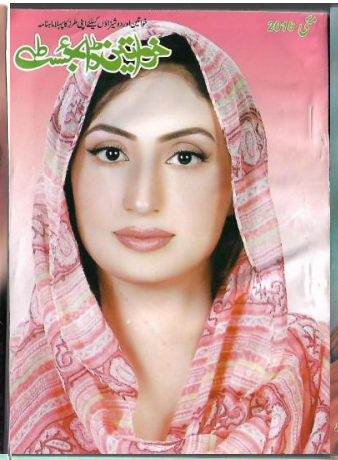

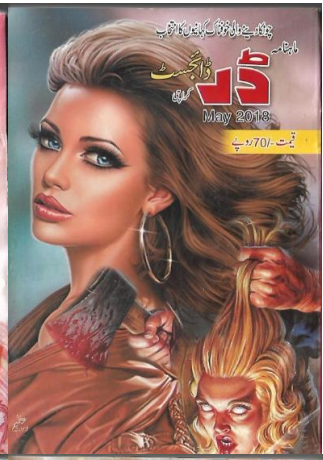

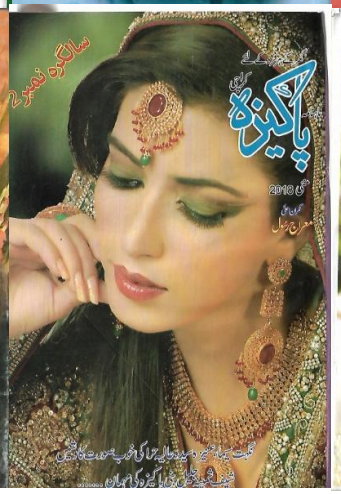

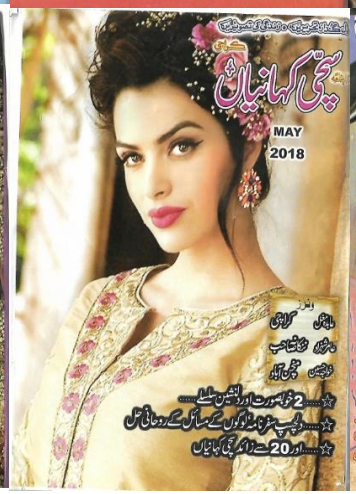

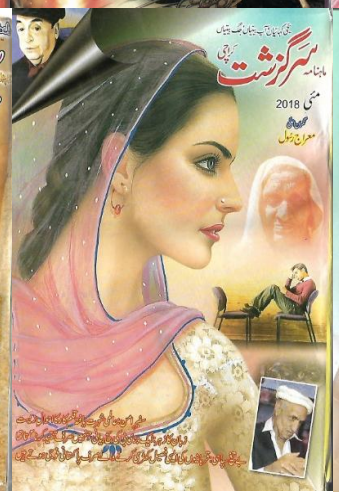

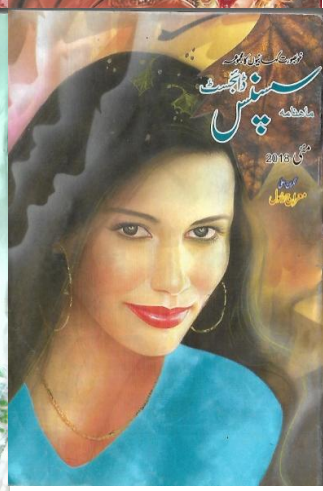

میں کھینچ لیا۔ اس کی سانس رک سی گئی۔ وہی اوباش لڑکا ایک بازو کے شکنجے میں دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ دبائے کھڑا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا چھوڑوں گا نہیں اب کہاں جاؤ گی۔ مجھ سے بچ کر۔'' منہ اس کے کان کے قریب لا کر نجانے وہ کیا بکواس کیے جا رہا تھا پر جلد ہی کاندھا تھپتھپائے جانے پر اسے پیچھے مڑ کر دیکھنا پڑا اگلے ہی پل جبڑے پر پڑنے والے مکے نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے مزید دو مکے کھا کر وہ لہراتا ہوا زمین بوس ہوگیا۔ حواس باختہ آبش ایک ٹک نیہان کو دیکھتی گئی کچھ دیر وہ بھی اسے گھور کر دیکھتا رہا پھر چپ چاپ ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

☆.....☆

وہ جہاز میں آئی تو ایئر ہوسٹس نے اسے فرسٹ کلاس کی سیٹ پر جانے کی نوید سنائی اور پھر حیران پریشان سی آبش کو نیہان کے ساتھ والی سیٹ کے پاس چھوڑ گئی۔ آبش سمجھ گئی کہ اس سیٹ کا بندوبست نیہان نے ہی کیا ہے۔

''تھینکس اس مہربانی کی وجہ جان سکتی ہوں۔'' ڈرتے ڈرتے اس نے پوچھ لیا۔

''ناراض ہوں بے غیرت نہیں۔'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پر چپ چاپ سیٹ میں دبک گئی۔ یہ سوچ کر کہ کہیں سیٹ سے ہاتھ دھونے نہ پڑ جائیں۔ آبش کے وجود سے لاتعلق نیہان انگلش مووی دیکھنے میں مگن تھا۔ تبھی اسے بائیں کاندھے پر بوجھ محسوس ہوا۔ آبش کا سر اس کے کاندھے سے آلگا تھا۔ بیزاریت سے اس کا سر ہٹانے کو نیہان کا ہاتھ آبش کے سر کی طرف بڑھا پر چہرے کے قریب ہی رک گیا معصوم سا چہرہ ہونٹوں پر بے نام سی مسکراہٹ لیے ہوئے تھا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا وہ کافی خوب صورت تھی۔ اس چہرے کو اس نے ہمیشہ غصے کی نظر سے دیکھا تھا پر آج ایک نوجوان کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ واپس آ گیا پر نگاہ نہیں پلٹ سکی۔ لینڈنگ کا اعلان کیا جا رہا تھا۔ تبھی آبش کو گرم ہاتھ کا لمس اپنے گال پر محسوس ہوا۔ وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' نیند ٹوٹنے پر وہ کچھ سمجھی نہیں۔

''اچھا دو ہاتھ لگا کر اٹھا دیا تو بدتمیزی ہوگئی اور خود جو پچھلے تین گھنٹوں سے میرا کندھا توڑ رہی ہو وہ کچھ نہیں۔'' صورتحال سمجھ کر وہ ایک دم شرمندہ سی ہوگئی۔

''آئم سوری۔'' نیہان نے کچھ دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''اس کا مطلب تم مینرز بھی جانتی ہو۔'' آبش تپ سی گئی۔

''اتنی بری نہیں ہوں جتنا آپ سمجھتے ہیں۔''

''اس بات کا تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ تم اتنی بری نہیں ہو۔'' بھاری لہجے پر آبش نے اسے دیکھا پر کچھ سمجھی نہیں وہ چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ چکا تھا۔ اپنا اپنا سامان لیے دونوں ایئرپورٹ سے باہر آ گئے۔

''تم کہاں جاؤ گی۔'' نیہان کے پوچھنے پر حیا آلود مسکراہٹ اس کے چہرے پر چھا گئی۔

''میرے ہسبینڈ جاوید مجھے لینے آتے ہی ہوں گے۔'' نیہان کے دل کو دھکا لگا۔

''تم میرڈ ہو۔''

ہاں۔'' نیہان اس کے مسکراتے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکا۔

''او کے میں چلتا ہوں۔'' وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گیا اس کے جاتے ہی آبش کو اپنا آپ اکیلا لگنے لگا پر جلد ہی اسے جاوید آتا دکھائی دیا تو وہ پھول سی کھل اٹھی جاوید نے اسے سنجیدگی کے ساتھ ویلکم کیا راستے میں بھی سوائے گھر والوں کی خیر خیریت کے اس نے کچھ نہیں پوچھا۔ اپنے ساتھ وہ اسے ایک تھرڈ اسٹینڈرڈ ہوٹل میں لے آیا۔ جس کا بے ہودہ ماحول دیکھ کر آبش حیران رہ گئی۔

''ہم یہاں کیوں آئے ہیں جاوید تم نے تو چھوٹا سا اپارٹمنٹ کرائے پر لیا تھا پھر۔'' جاوید نے اس سے نظر چرا لی۔

''لیا تو ہے پر ابھی میں تمہیں وہاں نہیں لے جا سکتا۔''

''کیوں۔'' آبش نے حیرانگی سے پوچھا۔

''تم ابھی تھکی ہوئی ہو آرام کرو۔ ہم بعد میں آرام سے بات کریں گے۔'' جاوید نے کاندھوں سے تھام کر اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

''جاوید جہاز میں نے نہیں کھینچا تھا سارا راستہ آرام ہی کرتی آئی ہوں۔ مجھے بتاؤ ہم اپنے اپارٹمنٹ میں کیوں نہیں جا سکتے یہاں کا ماحول مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔''

''میں فی الحال تمہیں اس سے بہتر جگہ پر نہیں رکھ سکتا آبش! میرا سارا پیسہ نازیہ کے علاج پر لگ گیا ہے۔'' اس کی بات پر وہ حیران رہ گئی۔

''نازیہ کون نازیہ۔'' جاوید دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا۔ وہ اتنی جلد آبش کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔

''کوئی نہیں تم ٹینشن نہ لو میں کوشش کروں گا کوئی بہتر بندوبست ہو جائے۔'' جاوید نے اسے تسلی دینی چاہی پر آبش کے دل کو شکے لگ گئے تھے۔

''پلیز جاوید مجھ سے چھپانے کی کوشش نہ کرو سچ سچ بتاؤ نازیہ کون ہے اور تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔''

''آبش پلیز! بات نہ بڑھاؤ میں کہہ رہا ہوں نا کوئی بہتر بندوبست کر لوں گا جلد ہی۔'' آبش جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر کھڑی ہوگئی۔

''مجھے بتا دو جاوید! بات کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو میرے دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے۔'' جاوید سناٹے میں آ گیا ناچار اس نے بتا ہی دیا۔

''نازیہ میری بیوی ہے۔'' آبش کے حواسوں پر جیسے بم پھٹ گیا۔

''واٹ نازیہ تمہاری بیوی ہے تو پھر میں کون ہوں اور یہاں کیوں ہوں۔'' آبش کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی سنائی دی۔

''میں تمہیں کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا تھا آبش پر حالات نے مجھے مجبور کر دیا۔ میں نے امی ابا کو منع کیا تھا انہیں نا بھیجیں پر انہوں نے خاندان والوں کی ملامت سے بچنے کے لیے تمہیں بھیج دیا۔''

''ہونہہ خاندان والوں کے ڈر سے مجھے برباد کر دیا اور میرے ابو جی نے میرا گھر بسانے کے لیے اپنا گھر نا دیا۔ اب کہاں ہے میرا گھر۔ میں کہاں جاؤں۔ تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ آئی ہیٹ یو چلے جاؤ یہاں سے میں کہتی ہوں ابھی اور اسی وقت چلے جاؤ۔'' آبش کی حالت ہذیانی ہوگئی اس نے دھکے مار مار کر جاوید کو کمرے سے باہر نکال دیا اور لاک لگا لیا۔ جاوید دروازہ پیٹتا رہا۔ پر آبش نے نہیں کھولا۔ دروازے سے لپٹ کر وہ بری طرح روتی رہی۔ اس کی دنیا اندھیر ہوگئی تھی۔ جاوید کافی دیر دروازہ بجا بجا کر چلا گیا۔

Riadigest.com

اچانک دروازے کو دھکا لگا تو آبش نے ڈرتے ڈرتے تھوڑا سا دروازہ کھول کر دیکھا۔ پہلوانوں جیسی جسامت والا ایک مرد ایک چھوٹی عمر کی لڑکی کو زبردستی کھینچ کر ساتھ والے کمرے میں لے جا رہا تھا۔ آبش نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

''یا اللہ! اب میں کیا کروں۔'' اچانک اسے وہ کارڈ یاد آیا جو ماہرہ نے ایئرپورٹ پر اسے دیا تھا۔ کسی بھی ایمرجنسی کے لیے۔

☆......☆

آتش دان میں دہکتے انگاروں کی لو کلارا ابرٹ کے چہرے پر شفق رنگ لال بکھیر رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں کافی اور دوسرے ہاتھ میں فرنچ ترجمے والا قرآن لیے وہ بے حد مگن تھیں، ڈور بیل نے ان کی محویت توڑی۔ دروازہ کھولا تو سامنے کوئی نہیں تھا سوائے سرخ گلابوں کی باسکٹ کے وہ حیرت سے باسکٹ اٹھا کر پلٹیں پر انہیں احساس ہوا کہ پیچھے کوئی ہے یک دم پلٹیں تو نہیان کو کھڑا دیکھ کر مسرت میں ڈوبی چیخ ان کے منہ سے نکل گئی۔ نہیان نے انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''اوہ مائی ڈیئر گرینی۔''

''نہیان میرا بچہ'' اور پھر کچھ ہی دیر بعد دونوں دادی پوتا ڈنر کرتے ہوئے دنیا جہان کی باتیں کر رہے تھے۔

''فرحان بتا رہا تھا کہ شاید تم اس کی دوسری شادی سے خوش نہیں ہو۔'' نہیان طنزاً ہنس دیا۔

''دوسری شادی سے نہیں گرینی ان کے غریب ہو جانے سے خوش نہیں ہوں۔ میں تو چاہتا تھا وہ شادی کر لیں پر کسی اچھے سلجھے ہوئے خاندان میں۔'' کلارا اس کی بات غور سے سن رہی تھیں۔

''اچھا پر مجھے تو ماہرہ خاصی میچور عورت لگتی ہے میری دو تین بار بات ہوئی ہے اس سے۔''

''بابا کی سیکرٹری تھیں وہ گرینی! بات کرنے کا ڈھنگ جانتی ہیں پر اگر آپ ان کی بھتیجی سے مل لیں تو آپ کو پتہ چلے کہ وہ کیسے جاہل گنوار لوگ ہیں۔'' چلتے کٹے لہجے میں وہ ابھی آبش کو برا بھلا کہنا شروع ہی ہوا تھا کہ فون بج اٹھا۔

''ہیلو، یس کلارا بول رہی ہوں۔ واٹ ہیلپ چاہیے پر آپ ہو کون بیٹا آبش کون آبش؟'' منہ کی طرف جاتا نہیان کا چمچ فضا میں ہی رک گیا دوسری طرف سے جو کچھ کہا گیا وہ سن کر انہوں نے حیرت سے نہیان کو دیکھا۔

''اوہ ٹھیک ہے بیٹا! تم گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی تمہیں لینے آ رہی ہوں۔ تم دروازہ بند کر کے اندر ہی رہنا۔''

''کیا ہوا گرینی! آبش ٹھیک تو ہے نا۔'' نہیان کے فکرمندانہ لہجے پر وہ اسے غور سے دیکھ کر رہ گئیں۔

''اس کے شوہر نے اس کے ساتھ دھوکا کیا ہے اور ایک تھرڈ کلاس ہوٹل میں تنہا چھوڑ گیا ہے۔ ہمیں فوراً اس کے پاس جانا ہوگا۔''

''ایک تو یہ لڑکی بھی نا ہر جگہ مسئلہ کھڑا کر دیتی ہے۔'' اور پھر دو گھنٹے بعد ہی وہ کلارا ابرٹ کو رو رو کر اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کی روداد سنا رہی تھی۔ نہیان اسے دیکھ کر برے برے منہ بنا رہا تھا۔ جب کہ کلارا اس کا ہر لفظ غور سے سن رہی تھیں۔

''تمہارے ساتھ جو ہوا مجھے اس کا افسوس ہے پر فرانس میں تم اپنے شوہر کی ذمہ داری ہو۔ اسی لیے مجھے

Ridadigest.com

اس سے تفصیلی بات کرنا ہوگی اور تمہاری پھپھو سے بھی۔ جب تک کوئی فیصلہ نہیں ہو جاتا تم میرے گھر میں ہی رہ سکتی ہو۔'' آبش نے تشکر بھری نظروں سے انہیں دیکھا اور کچھ ڈرتے ہوئے نہیان کو وہ بھی اسے ہی گھور رہا تھا۔

☆......☆

نجانے رات کا کون سا پہر تھا جب ان کی آنکھ کھلی۔ بیڈ کے قریب ہی وہ سفید دوپٹے میں لپٹی نماز ادا کر رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ خدا کے حضور التجا کر رہی تھی کیسا نور اور معصومیت تھی اس کے چہرے پر۔ کلارا اپنی جگہ مبہوت اسے دیکھے گئیں۔

''کتنی پیاری اور معصوم ہے یہ لڑکی اگر ماہرہ بھی ایسی ہی ہے تو پھر فرحان کا اس پر دل آ جانا کوئی بری بات نہیں۔ پر نہیان تو اس کے بارے میں کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔'' صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو آبش ہاتھ میں کافی کا کپ لیے کھڑی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ بیٹھیں۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ میں صبح صبح کافی پینے کی عادی ہوں۔'' دوسرا کپ ہاتھ میں لیے آبش ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''مجھے تو نہیں پتہ تھا بس ویسے ہی دل چاہا تو بنا لی۔'' کافی پیتے پیتے انہوں نے آبش سے پوچھا۔

''نہیان کو کافی دی؟'' آبش نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔'' کلارا کو حیرت ہوئی۔

''کیوں بھئی میرا پوتا تو بہت خوب صورت اور اسمارٹ ہے پھر تمہیں اس سے ڈر کیوں لگتا ہے۔'' آبش بھی دھیرے سے مسکرا دی۔

''یہ بات نہیں ہے اصل میں وہ سمجھتے ہیں کہ میری پھپھو کی ان کے بابا سے شادی ہو گئی تو ہم لوگ ان کے بابا کی دولت لوٹ رہے ہیں پر انہیں معلوم نہیں کہ اس شادی کی اصل وجہ میرے والد کی خودداری ہے۔ نہیان سمجھ رہے ہیں کہ شاید میں ان کے بابا کے پیسوں سے پیرس آئی ہوں پر وہ یہ نہیں جانتے کہ میرے ابو جی نے مجھے پیرس بھیجنے کے لیے اپنا مکان بیچ ڈالا۔ اگر انہیں آغا فرحان آفندی کی دولت کا لالچ ہوتا تو وہ کبھی بھی ایک ٹانگ کی معذوری کے باوجود اپنا پیٹ بھرنے کے لیے کلرکی نہ کر رہے ہوتے۔ اصل میں گرینی ہمارے ہاں ہر کسی کا مسئلہ ہی صرف پیسہ ہے چاہے اربوں پتی ہی کیوں نا ہو۔ چند لاکھ نکل جائیں تو بلبلا اٹھتے ہیں۔'' گرینی نے اس کی بات سنتے سر اٹھایا تو دیکھا نہیان دروازے میں کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''میرا نہیان ایسا نہیں ہے وہ دل کا بہت اچھا ہے۔''

''یہ بات صحیح ہے وہ دل کے بہت اچھے ہیں بس ذرہ غیرت مشکل سے جاگتی ہے۔'' نہیان دروازے پر زوردار مکا مار کر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں حیرت سے دیکھتی رہ گئیں۔

☆......☆

''میں عجیب مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں۔'' جاوید کلارا کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کلارا نے اسے فون پر بتا دیا تھا کہ وہ آبش کو لے آئی ہیں۔ جاوید یہ نہ سمجھے کہ پیرس میں آبش تنہا ہے انہوں نے اسے بات کرنے کے لیے اپنے گھر بلایا تھا۔

Ridadigest.com

"آبش سے میرا نکاح میری اور میرے والدین کی رضامندی سے ہوا تھا پھر ایک دوست کے تعاون سے میں پیرس آگیا۔ پر میری جاب اتنی اچھی نہیں ہے مشکل سے ایک کمرے کا اپارٹمنٹ حاصل کیا اور آبش کو اس کے خرچے پر پیرس بلوالیا۔ ہمایوں خالو کو انتظام کرتے کرتے کافی ٹائم ہوگیا۔ اس عرصے میں میرے دوست نے اپنی بیوی فرحانہ کو طلاق دے دی اس وقت اس کے ہاں ڈلیوری متوقع تھی۔ پیرس میں اس کا کوئی اور پاکستانی جاننے والا نہیں تھا تو وہ میرے پاس آگئی اور میرا دوست اپنے اپارٹمنٹ پر لاک لگا کر چلا گیا۔ میرا جتنا سرمایہ تھا وہ اسے ہسپتال لے جانے میں خرچ ہوگیا۔ تین مہینے سے وہ میرے کمرے میں میرے ساتھ ہے پاکستان میں اس کے ماں باپ کی ڈیتھ ہوچکی ہے۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ اتنے دن ساتھ رہتے رہتے ہمارے درمیان جذباتی اٹیچ منٹ ہوگئی اور میں نے اس سے نکاح کرلیا۔ میں نے ساری بات اپنے ماں باپ کو بتا کر آبش کو بھیجنے کے لیے منع کیا تھا۔ پر اس وقت تک خالو مکان بیچ کر آبش کا ٹکٹ خرید چکے تھے۔ میرے لیے بیوی افورڈ کرنا ہی مشکل تھا۔ اب مجھے اس کے ساتھ بچہ بھی افورڈ کرنا پڑ رہا ہے اب آپ ہی بتایئے میں کیا کروں۔ میری بیوی آبش کو ساتھ رکھنے پر تیار نہیں ہے۔" کلارا نے اس کی ساری بات خاموشی اور تحمل سے سنی نیہان بھی کمرے میں موجود تھا اور کمرے سے باہر آبش بھی بہتی آنکھوں کے ساتھ سن رہی تھی۔

"دیکھو جاوید! اس کا فیصلہ اب تمہیں ہی کرنا ہے کہ تم نے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔ ایک عورت اور بچے کی ذمہ داری تم اٹھا چکے ہو۔ جب آبش کے ساتھ تمہارا رشتہ ابھی صرف کاغذ پر ہے۔ اس کی کوئی مجبوری بھی نہیں ہے کہ وہ کسی دوسری عورت کو تمہارے ساتھ شیئر کرے۔ تم بھی اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ ایک عورت اور بچے کی موجودگی میں دوسری افورڈ کرسکو اس لیے میرا مشورہ تو یہ ہی ہے کہ آبش کو آزاد کردو۔ ایک نام نہاد رشتے سے جب کہ تم اپنی وفا بھی تبدیل کرچکے ہو۔" ان کی بات سن کر جاوید نے شرمندگی سے سر جھکا دیا۔

"میں آبش کو طلاق دینے پر تیار ہوں اگر وہ چاہتی ہے۔"

"ٹھیک ہے میں آبش سے اس کی مرضی پوچھ کر تمہیں چند روز تک بتا دوں گی۔" کلارا کی بات سن کر جاوید جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آبش آپ سے طلاق لے گی یا نہیں اس کا فیصلہ تو بعد میں ہوگا۔ پر ایک بات کا جواب تو آپ مجھے ابھی دے کر جائیں کیسے آپ کی غیرت نے یہ گوارا کیا کہ ایک عورت کی عزت کی خاطر آپ نے اسے پناہ دی اور جس سے آپ نے اس پناہ گاہ کا وعدہ کیا تھا۔ اسے برباد کرنے کے لیے آپ بے غیرتی کے اڈے پر چھوڑ آئے۔ جب کہ آپ تو یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا آپ کے سوا یہاں کوئی سہارا نہیں تھا۔" نیہان جاوید کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

"میں، میں بتا چکا ہوں کہ......"

"کہ آپ کے پاس پیسہ نہیں تھا پر گھر تو تھا ایک بیوی کی خوشی کی خاطر دوسری کی عزت داؤ پر لگا دینا آپ کے نزدیک کوئی بڑی بات ہی نہیں تھی۔ غیرت کے سودے پیسے سے نہیں ہوتے جاوید صاحب! فکر اور رشتوں کے احترام سے ہوتے ہیں سمجھے۔" جاوید اندر ہی کٹ کر رہ گیا اور پھر سر جھکا کر نکلتا چلا گیا اس گھر سے ہی نہیں آبش کے دل سے بھی۔

☆......☆

Ridadigest.com

"میرے رب! کہاں پر نہیں ہے تو۔" نہایت مدھر اور میٹھی آواز میں کوئی رب عظیم کی حمد و ثناء کر رہا تھا۔ نیہان حیرانگی سے آنکھیں ملتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹیرس پر آکر اس نے نیچے کا منظر دیکھا تو مبہوت سا رہ گیا سفید لباس میں ملبوس آبش چھوٹے سے گارڈن میں پودوں کو پانی دے رہی تھی۔ صبح کا نور اس کے پورے وجود سے پھوٹ رہا تھا۔ نیہان نجانے کب تک اسے دیکھتا رہتا جو اسے اپنے بائیں کاندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس نہ ہوتا۔

"وہ بہت اداس ہوگئی ہے نیہان! آج اسے اپنے ساتھ کہیں گھما لاؤ۔ لوگ پیرس انجوائے کرنے آتے ہیں اور قسمت اسے غم اٹھانے کے لیے لے آئی ہے۔" گرینی کی بات سن کر نیہان نے ٹھنڈی سانس بھری اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ ایفل ٹاور کے عظیم آہنی ڈھانچے تلے کھڑے ہو کر آبش نے اس کی بلندی ناپنے کے لیے سر اٹھایا تو چکرا کر پیچھے کھڑے نیہان سے ٹکرا گئی۔

"میڈم! ذرا سنبھل کر نیچے ہی تمہارا یہ حال ہے تو اوپر جا کر کیا ہوگا۔"

"میں، میں نہیں جاؤں گی اوپر۔ میرا تو دم نکل جائے گا۔" آبش اوپر جانے کا سن کر خوفزدہ ہوگئی۔

"چلو آزما لیتے ہیں پر نیچے میں تمہیں انسانوں کے اژدھام میں تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ اس لیے اب جلدی چلو۔" آبش کے نا نا کرتے ہوئے بھی وہ اسے کھینچ کھانچ کر لفٹ تک لے آیا اور پھر جیسے جیسے لفٹ اوپر اٹھتی گئی آبش کو اپنا دم حلق میں اٹکتا محسوس ہوا۔ جب کہ نیہان پوری طرح پیرس کے نظارے انجوائے کر رہا تھا۔ تبھی آبش نے پلٹ کر نیہان کے سینے میں سر چھپا لیا۔ اور اب نیہان کو اپنا دم حلق میں اٹکتا محسوس ہوا۔ پیرس کے نظاروں پر آبش کے وجود کا احساس بھاری ہوگیا تھا۔

"انسانی ہاتھوں سے تراشا یہ سفید شاہکار کتنا حسین ہے نیہان۔" نیہان نے اسے سر تا پا غور سے دیکھا وہ ابھی بھی صبح والے سفید لباس میں ملبوس تھی۔

"رحمانی ہاتھوں سے تراشا سفید شاہکار اس سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے۔" وہ حیرت سے اس کی طرف پلٹی۔

"رحمانی ہاتھوں سے تراشا شاہکار وہ کہاں ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک جذب میں وہ کہہ گیا۔

"میرے سامنے۔" اور کھٹ سے اپنے موبائل میں اس سفید رحمانی شاہکار کا عکس محفوظ کرلیا۔ یہ دیکھے بغیر کے آبش کی آنکھیں حیرت کی کس سطح کو چھو گئیں ہیں۔

☆......☆

"اس کا باپ ایک معذور اور خوددار انسان ہے ماں! اتنا بڑا صدمہ سہہ نہیں پائے گا۔" آغا فرحان آفندی کے لہجے میں ہمایوں کے لیے خاص فکرمندی تھی۔

"پھر بھی بیٹے بتانا تو پڑے گا آخر کو باپ ہے۔" کلارا فون پر فرحان کو تمام حالات سے آگاہ کر رہی تھیں۔

"آپ صحیح کہہ رہی ہیں ماں بتانا تو پڑے گا پر میں چاہتا تھا کہ اس مسئلے کا پہلے کوئی بہتر حل نکل آئے۔" سوچ کر کلارا مسکرا دیں۔

"ایک حل میری نظر میں ہے۔" اور پھر جو کچھ کلارا نے کہا وہ سن کر آغا فرحان آفندی بھی دھیرے سے

Ridadigest.com

مسکرادیے۔

''ٹھیک ہے ماں میں ماہرہ کے ہمراہ جلد پیرس آنے کی کوشش کروں گا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ پر ان کی نگاہوں میں خوشی کی رمق جاگ اٹھی تھی۔ آج پھر جاوید کلارا کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''میں نے تمہیں تین دن پہلے بتا دیا تھا کہ آبش نے طلاق لینے کا فیصلہ کیا ہے تو اب تک تمہیں اسے آزاد کر دینا چاہیے تھا۔''

''میں تیار تھا پر میری ماں نہیں چاہتی کہ میں آبش کو طلاق دوں۔ وہ اسے رخصت کروا کر اپنے گھر لے جانا چاہتی ہیں۔'' اس کی بات پر نیہان اور کلارا ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ کر رہ گئے۔

''تمہاری ماں ایسا چاہتی ہیں پر تم کیا چاہتے ہو۔'' نیہان کے سوال پر وہ ہاتھ مسل کر رہ گیا۔

''میرے لیے ماں کی خواہش رد کرنا آسان نہیں ہے پر میں سمجھتا ہوں کہ یہ آبش کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ میں اسے یہاں رکھ نہیں سکتا اور وہاں میں اپنی بیوی کو چھوڑ کر جا نہیں سکتا۔ اس لیے میں نے اسے طلاق دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میری طرف سے آج وہ آزاد ہے۔'' پیرس میں پہلا اور آخری تحفہ طلاق کی صورت میں دے کر جاوید ہمیشہ کے لیے آبش کو چھوڑ کر چلا گیا۔ ایک لمحے کو آبش کو لگا اس کا وجود خالی ہوگیا ہے۔

''اداس ہو؟'' وہ کچھ نہیں بولی۔

''محبت کرتی تھیں اس سے؟'' نیہان کے پوچھنے پر آبش نے مڑ کر نیہان کو دیکھا۔

''میں اس رشتے سے محبت کرتی تھی جو میرے اور اس کے درمیان تھا۔ اس سے کیا محبت کرتی جو جب محبت نبھانے کا وقت آیا تو مجھے تنہا کر کے چلا گیا۔'' آبش کے لہجے کی آنچ نیہان کے دل تک پہنچ رہی تھی۔

''آئسکریم کھاؤ گی؟'' آبش نے اسے دیکھا اور سمجھ گئی کہ وہ اس کا دل بہلانا چاہتا ہے۔ دھیرے سے مسکرا کر اس نے حامی بھر لی۔

''میں گرینی کو بتا کر آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کلارا کے کمرے کی طرف آئی پر دروازہ کھولتے ہی ٹھٹک کر رک گئی۔ بڑا ہی پراثر منظر تھا رحیل پر قرآن پاک کھلا ہوا تھا اور کلارا زمین پر سر سجدے میں رکھے ہوئے تھیں۔ ان کا ہولے ہولے ہلتا وجود اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ اپنے رب کے حضور بندگی کا اقرار کر چکی ہیں۔ آبش کچھ دیر ایسے ہی انہیں دیکھتی رہی۔ نیہان بھی اس کے پیچھے آ کر خوشی اور مسرت سے یہ منظر دیکھنے لگا۔ آبش نے شانوں سے تھام کر انہیں اٹھایا تو انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''تھینک یو مائی ڈیئر! تم نے میری مشکل آسان کر دی۔'' آبش کو حیرت ہوئی۔

''میں نے میں نے کیا کیا گرینی؟''

''تم نے میرے دل میں برسوں سے پڑی گرہ کھول دی۔ نیہان کے دادا مسلمان تھے ان کے ساتھ مجھے اسلام سے بھی پیار ہوگیا تھا پر جب پاکستان میں میں نے مسلمانوں کے منفی رویے دیکھے تو میرا دل باغی ہوگیا اور میں پھر کسی مسلمان اور اسلام کا اعتبار کر ہی نہیں سکی۔ پر تہجد میں تمہارے سجدوں اور خدا کے حضور تمہاری التجاؤں نے میرا پتھر دل موم کر دیا۔ مجھے یقین آ گیا کہ خدا اپنے پیارے بندوں کی بہت سنتا ہے۔'' وہ اور نجانے کیا کیا کہہ رہی تھیں پر آبش دل میں سوچ رہی تھی۔

''میرا تو سب ختم ہوگیا ہر گرینی نجانے کیوں ایسا سوچ رہی ہیں۔'' اگلے دن شام میں نیہان اسے ا

فلوٹنگ ریسٹورنٹ پر لے آیا۔ آبش کے لیے یہ سب ایک خواب جیسا تھا۔

''جانتی ہو میرے دادا کو پیرس میں گرینی سے عشق ہوگیا تھا اور انہوں نے ایک ایسے ہی فلوٹنگ ریسٹورنٹ پر انہیں پرپوز کیا تھا۔''

''واقعی...... کتنا اچھا لگا ہوگا نا انہیں۔'' آبش حسرت سے پوچھ رہی تھی۔

''یہ تو اس وقت پتہ چلے گا جب ہم خود اس تجربے سے گزریں گے۔''

''کیا مطلب؟'' نیہان کی بات آبش کے سر پر سے گزر گئی۔

''مطلب یہ کہ مجھے لگتا ہے کہ مجھے بھی پیرس میں عشق ہوگیا ہے۔'' اس نے اپنی جیب سے ایک مخملی ڈبیہ نکالی اور کھول کر آبش کے سامنے کی جس میں ایک ڈائمنڈ رنگ جگمگا رہی تھی۔

''ول یو میری می؟'' آبش کو اپنا وجود منجمد ہوتا محسوس ہوا پر اگلے ہی پل نیہان کے گرم ہاتھوں کے لمس نے اس کے منجمد ہاتھوں میں حرارت بھرنا شروع کر دی۔

☆......☆

''کیا ہوا اندر چلیں نا۔'' گھر کے دروازے پر ماہرہ نے آغا فرحان آفندی کو ٹھٹک کر رکتے ہوئے دیکھا۔

''ایڈریس تو یہی ہے پر ماں کا نام نہیں ہے یہاں تو کسی نور آمنہ کے نام کی پلیٹ لگی ہوئی ہے۔'' آغا فرحان آفندی حیرت میں تھے۔

''بابا آپ۔''

''پھپھو......'' دونوں بیک وقت مڑے اور وہ دونوں بیک وقت اندر آئے نیہان فرحان سے لپٹ گیا اور آبش ماہرہ سے۔ پھر اس سے الگ ہو کر اس نے سونیا کو گود میں لے لیا اور اس کے گال چومنے لگی۔ نیہان نے فرحان سے الگ ہو کر ماہرہ کے کاندھے پر بازو پھیلا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ ان کا یہ والہانہ انداز دیکھ کر دونوں حیران رہ گئے۔

''آپ لوگ کب آئے۔''

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی پر تم لوگ کہاں گھومتے پھر رہے ہو۔''

''ہم قریبی اسٹور تک گئے تھے پر آپ لوگ باہر کیوں کھڑے ہیں۔ اندر آئیں نا۔'' یہ کہہ کر نیہان نے بیل بجا دی۔

''یہاں کہاں آبش یہ تو کسی نور آمنہ کا گھر ہے۔'' اسی لمحے دروازہ کھلا اور سفید دوپٹے میں خود کو لپیٹے کلارا جو کے اب نور آمنہ ہو چکی تھیں باہر آئیں۔ آغا فرحان آفندی اپنی ماں کا یہ روپ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

''فرحان میرے بچے۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر فرحان آفندی کا ماتھا چوم لیا۔

''یہ، یہ سب کیا ہے ماں؟''

''یہ میرے رب کی مہربانی ہے فرحان! جو اس نے مجھے خود سے اور ہم سب کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا۔'' پھر وہ خوشیوں کے اس جھرمٹ کو اپنے بازوؤں میں بھر کر گھر کے اندر لے گئیں۔

☆......☆

Ridadigest.com

سلمیٰ غزل

تم آئے بہار آئی

جیسے ہی بس چلی حمنٰی نے سکھ کا سانس لیا یوں لگا
جیسے کسی آتش کدہ سے نکل کر کھلی فضا میں آ گئی ہو اس
نے حمزہ کے کہنے کے عین مطابق خود کو اچھی طرح
ڈھانپ رکھا تھا مگر جب تک بس نہیں چلی اس کا دل
سوکھے پتے کی طرح کانپتا رہا کہ کوئی شناسا پہچان
لے۔ اس نے اب کافی حد تک سکون اور اطمینان محسو

ہو رہا تھا۔ مستقبل نامعلوم تھا اور آئندہ کیا ہونے والا ہے وہ لاعلم تھی اور اس قید خانے سے آزادی کا تصور ہی اتنا مسرور کن تھا کہ وہ بے حد خوش تھی اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا مگر حمزہ کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کا دل بیٹھنے لگتا تھا پتا نہیں گاؤں میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا حالانکہ اس نے کافی رازداری برتی تھی اور حمزہ کی کارواں رواں اس کا احسان مند اور دعا گو تھا۔ سچ کہا ہے کسی نے اللہ کسی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اگر آج حمزہ اس کا ساتھ نہ دیتا تو پتا نہیں کیا ہو جاتا اور پھر اس کا ذہن ماضی کے دھندلکوں میں کھو گیا۔

☆......☆

اس نے گاؤں میں ہوش سنبھالا تو اماں کو کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتے اور ظلم کی چکی میں پستے دیکھا۔ ابا اس پر تو بڑا مہربان تھا مگر اماں کے ساتھ اس کا رویہ بھی دشمنوں والا تھا اماں عموماً خاموش رہتی تھیں مگر جب وہ سمجھدار ہوئی تو اماں نے مخالفت کے باوجود اس کا داخلہ اکلوتے انگلش میڈیم اسکول میں کرا دیا اور پہلی مرتبہ ابا نے اماں کی حمایت میں زبان کھولی۔ یوں اس کی پڑھائی کا سلسلہ شروع ہو گیا جب وہ 12 سال کی ہوئی تو اس کے استفسار پر اماں نے دل کھول کر رکھ دیا۔ شاید اکیلے تنہا یہ بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک گئی تھی اور کسی کو دل کا حال سنا کر دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی کیونکہ اکلوتی بیٹی ہی اس کی دوست ہمدرد اور ہمراز تھی تب اسے پہلی مرتبہ پتا چلا کہ اس کی ماں فزکس میں ایم ایس سی اور گولڈ میڈلسٹ تھی۔

☆......☆

میں اور تمہارے ابا یونیورسٹی میں کلاس فیلو تھے تمہارے ابا خاندان کے پہلے لڑکے تھے جو یونیورسٹی لیول تک پہنچے تھے خوبرو، لمبے چوڑے اور بے حد اسمارٹ۔ میں خود تو معمولی صورت شکل کی تھی مگر خوب صورتی ہمیشہ میری کمزوری رہی۔ میں اور میری بڑی بہن دونوں ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھے۔ میں بڑی بہن سے آٹھ سال چھوٹی ہونے کی وجہ سے امی ابو اور اپنی باجی کی آنکھوں کا نور تھی، ابا اماں کو اولاد نرینہ نہ ہونے کا کوئی ملال نہ تھا اور وہ ہم دونوں بہنوں کو اعلیٰ مقام پر دیکھنا چاہتے تھے اور شاید اسی قدر چاہت اور توجہ نے مجھے خودسر اور ضدی بنا دیا تھا۔ باجی نے ابھی بی ایس سی ہی کیا تھا کہ ایک بہت اچھا رشتہ آنے پر امی نے انہیں رخصت کرنے میں دیر نہیں لگائی اور وہ شادی کے بعد امریکہ سدھار گئیں۔ اب تو جیسے ماں باپ مجھے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ پتا نہیں کس طرح میں تمہارے ابا سے متاثر ہوتی چلی گئی۔ ان کی بے نیازی، لاپروائی اور مجھے نظر انداز کرنا۔ میرے لیے جیسے چیلنج بن گیا۔ میں جب اپنی نئی نکور ہنڈا اسوک میں ڈرائیور کے ساتھ اور کبھی ڈرائیو کر کے برانڈڈ کپڑوں میں گاڑی سے اترتی تو ہر ایک میری ڈریسنگ، تمکنت اور قابلیت سے متاثر نظر آتا۔ میں اساتذہ کی منظور نظر تھی۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کی غیر نصابی سرگرمیوں میں میرا الٹیم کوئی نہ تھا، بہترین مقررہ اور شاعرہ، عموماً مقابلہ تمہارے ابا سے ہوتا اور کامیابی کا سہرا میرے سر بندھتا پھر آہستہ آہستہ شاہ ویز بھی مجھ سے متاثر ہونے لگے۔ میں ان کے فیملی بیک گراؤنڈ سے بالکل لاعلم تھی اور گوڈے گوڈے ان کی محبت میں ڈوب چکی تھی جب یونیورسٹی سے جانے کا وقت آیا تب شاہ ویز نے بتایا کہ اس کا تعلق سندھ کے پسماندہ گاؤں سے ہے اور اپنے گاؤں کا وہ پہلا لڑکا ہے جو شہر میں رہ کر یونیورسٹی لیول تک پہنچا ہے۔ میں محبت میں اتنی آگے بڑھ چکی تھی کہ شاہ ویز کے بغیر جینے کا تصور بھی محال تھا اور اس کا فیملی بیک گراؤنڈ ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ باجی سے مشورہ کیا تو وہ سمجھانے لگیں، آنے والے خدشات سے آگاہ کیا،

Ridadigest.com

گاؤں میں رہنے والوں کی دقیانوسیت اور روایتوں کی پابندیوں سے ڈرایا مگر میں نے کان بند کر لیے تھے مجبوراً اماں کو راز دار بنانا پڑا۔ پہلے تو وہ بہت ناراض ہوئیں مگر پھر میری محبت میں ابا کو راضی کر کے شاہ ویز کو بلانے کے لیے کہا باجی کے یہاں چند دنوں میں ڈیلیوری متوقع تھی اس لیے وہ بھی اتنا لمبا سفر کرنے سے قاصر تھیں۔

دوسرے دن میرے بلانے پر شاہ ویز آ گئے ابا ان کی گفتگو اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئے مگر انہوں نے صاف صاف کہہ دیا۔

''جب تک میں خود گاؤں جا کر شاہ ویز کے بارے میں معلومات حاصل نہ کر لوں نہ تم اس سے ملو گی نہ اسے کچھ بتاؤ گی کیونکہ یہ دو لڑکے لڑکی کے درمیان نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان رشتہ ہوتا ہے اس لیے میں اپنی تسلی کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔''

☆......☆

میں خوش تھی کیونکہ ابا کہہ چکے تھے۔

''گاؤں سے تعلق ہونا نہ گناہ ہے نہ جرم، گاؤں میں انسان بستے ہیں حیوان نہیں۔'' ایک ہفتہ خاموشی سے گزرا مجھے یقین تھا جس طرح شاہ ویز سے مل کر ابا خوش ہوئے اسی طرح گاؤں جا کر بھی انہیں مایوسی نہیں ہوگی۔ پھر ایک دن ابا نے مجھے کمرے میں بلایا اور سنجیدگی سے بولے۔ ''دیکھو ہم خود گاؤں گئے تھے اور اپنے دوست کے توسط سے جو شاہ ویز کے خاندان کے بارے میں معلومات ہوئیں وہ حوصلہ شکن ہیں یہ لوگ نہ مالی نہ اخلاقی طور پر تمہارے قابل ہیں ویسے تو ہمارا سب کچھ تو تمہارا ہی ہے لیکن لڑنا جھگڑنا گالم گلوچ اور ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہونا ان کی فطرت ہے۔ علم انسان کو آگہی اور شعور بخشتا ہے مگر شاہ ویز کے علاوہ سب ذہنی اور اخلاقی طور پر پسماندہ ہیں۔ اجڈ، گنوار اور غیر مہذب۔ تم ایک دن بھی وہاں گزارا نہیں کر سکتیں۔ تم ہماری لاڈلی بیٹی ہو ہم تمہیں جانتے بوجھتے جہنم میں نہیں جھونک سکتے اس لیے اسے بھول جاؤ۔''

ابا نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا مگر مجھ پر شاہ ویز کی محبت کا ایسا بھوت سوار تھا کہ نہ کچھ سجھائی دے رہا تھا اور نہ دکھائی کسی نے سچ کہا ہے۔ ''محبت اندھی ہوتی ہے۔''

مگر میں کہتی ہوں محبت نہیں انسان اندھا ہوتا ہے۔ بزرگوں کے پاس عقل ہوتی ہے تجربہ ہوتا ہے اور جو چیز ہمیں کھلی آنکھوں سے نظر نہیں آتی ان کی بند آنکھیں یہ سب دیکھ لیتی ہیں۔ میں نے رو رو کے ڈھیر کر دیا۔ بھوک ہڑتال کر دی اور اٹھوائی کھٹوائی لے کر پڑ گئی۔ باجی کے یہاں امریکہ میں سی سیکشن سے بیٹا ہوا تھا اور وہ سفر کے قابل نہیں تھیں مگر انہوں نے مجھے فون پر بہت سمجھایا مگر میری عقل پر تو شاہ ویز کی محبت کی پٹی بندھ گئی تھی اس لیے ابا نے میری ضد پر مجھے شاہ ویز کے ساتھ رخصت کر دیا یہ کہہ کر کہ یہ تمہاری کم عقلی ہے وہ سمجھدار تھے انہیں وہ کچھ نظر آ رہا تھا جو میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ انہوں نے ایک خطیر رقم کے علاوہ دو پلاٹ بھی جو کروڑوں کی مالیت کے تھے میرے نام کر دیے پھر ایک لاکر کی چابی مجھے دیتے ہوئے دکھ سے بولے۔ ''اس کو چھپا کر اور سنبھال کر رکھنا شاید کبھی زندگی میں تمہیں اس کی ضرورت پڑے۔''

''بس بیٹا!'' اماں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''ابا نے جیسا دیکھا تھا جیسا سوچا تھا وہی ہوا۔ اس شادی کی بنیاد دولت تھی جسے میں محبت سمجھی۔ تمہاری ماں، اس کی قابلیت سب رل گئی ڈگری طعنہ بن گئی اور تمہارے باپ کی محبت کے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ خوب صورتی تو ثانوی چیز ہے اصل چیز تو اخلاق، بلند کرداری بیوی کا مقام اور اس کی عزت و توقیر ہے جو

Ridadigest.com

صرف ایک خوب صورتی کی خاطر میں نے گنوا دی واپسی کے سب دروازے بند کر کے آئی تھی۔ کسی طرح پلٹتی پھر تم ہو گئیں اور مجھے زندہ رہنے کا بہانہ مل گیا شکر یہ ہوا کہ بیٹا نہ ہونے پر سب نے طعنہ زنی کی لیکن تمہارے ابا نے کچھ نہ کہا بلکہ ان کو میری قدر ہونے لگی اور میرا احساس بھی پھر مجھے وہ شہریار باپ سے ملانے لے گئے لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی وہ گھر بیچ کر جانے کہاں چلے گئے۔ گاؤں میں ٹیلی فون کی بھی سہولت نہیں تھی اس لیے بہن سے بھی رابطہ نہ ہو سکا۔ اس دن مجھے احساس ہوا کہ ماں باپ کبھی غلط نہیں ہوتے اور ان سے بڑھ کر کوئی دوست اور چاہنے والا بھی نہیں ہوتا۔“ اماں کی طبیعت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی ماں باپ سے نافرمانی کا احساس انہیں اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔

ایک دن انہوں نے رازداری کے ساتھ مجھے لاکر کی چابی اور چیک بک دیتے ہوئے ہدایت کی۔

”دیکھو تمہارے نانا کس قدر دور اندیش اور عاقبت اندیش تھے۔ انہیں جیسے ان حالات کا پہلے سے ہی اندازہ تھا ایک دن میں بہانے سے شہر جا کر دیکھ آئی تھی سونے کے علاوہ اس میں بانڈز بھی تھے اور میرے اکاؤنٹ میں دس لاکھ بھی۔ میں نے ایک اتھارٹی لیٹر لکھ دیا ہے ساتھ ہی تمام چیکس پر سائن کر دیئے ہیں۔ منیجر صاحب سے مل کر مینڈیٹ تمہارے نام کر دیا ہے اس دن تم سے اسی وجہ سے دستخط لیے تھے لیکن یہ سب تمہارے ابا کے علم میں بھی نہیں ہے نہ تم بتانا البتہ دو پلاٹ جو میرے نام ہیں وہ تمہارے باپ کے پاس ہیں لیکن مجھے یقین ہے وہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔“

اماں شاید یہی سب کچھ بتانے کے لیے زندہ تھیں پھر وہ ختم ہو گئیں اب ابا کو ان کی اہمیت اور گھر والوں کی خود غرضی اور لالچ کا اندازہ ہوا۔ میں میٹرک کر چکی تھی ابا نے سب کی مخالفت کے باوجود مجھے پڑھنے ہاسٹل بھیج دیا جس سال میں نے ایم ایس سی کیا ابا کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع آئی میں گھر پہنچی تو مجھے گلے لگا کر بری طرح رونے لگے۔ پھر ایک دن تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا تو بڑی حسرت سے بولے

”مجھے نہیں لگتا کہ میں اب زیادہ عرصہ زندہ رہ سکوں گا تمہاری اماں کے ساتھ جو ہوا اس کا تو مداوا نہیں ہو سکتا مگر تمہارے ساتھ میں ایسا ویسا نہیں ہونے دوں گا۔ تمہاری اماں کے نام ڈیفنس میں دو پلاٹ تھے میری بے وقوفی سے وہ گھر والوں کے علم میں آ چکے ہیں۔ تم میرے بعد یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا گھر میں تمہارا کزن حمزہ وہ واحد فرد ہے جس پر تم آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتی ہو، عمر میں تم سے چھوٹا ہے لیکن بے حد سمجھدار اور مخلص ہے۔“

ابا کو زیادہ کہنے کا موقع نہیں ملا اور بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ جب وہ غموں کے پہاڑ سے باہر نکلی اور ہوش آیا تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا اماں کے زیورات اور پلاٹ کے کاغذات پر تایا جی نے قبضہ کر لیا تھا اور اب حمزہ سے نکاح کی تیاریاں ہو رہی تھیں جو عمر میں اس سے پانچ سال چھوٹا اور اسے آپی کہتا تھا۔ حمنیٰ کی طرح سے قیدی ہو کر رہ گئی تھی۔ ”جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔“ حمزہ تو پورس کا ہاتھی ثابت ہوا چالباز اور دھوکے باز ابا اس کو سمجھنے میں غلطی کر گئے تھے۔

☆......☆

حمنیٰ نے ایک دن موقع دیکھ کر حمزہ کو دھر لیا۔

”حمزہ مجھے تم سے ایسی امید نہ تھی ابا کو تو تم پر اعتماد تھا یہ میں کیا سن رہی ہوں۔“ وہ بری طرح پھر رو پڑی۔

”جو کچھ سن رہی ہیں وہ صحیح ہے لیکن دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں ہو سکتا مجھ پر بھروسا کریں خود کو لہروں کے ساتھ بہنے دیں۔ میں انشاء اللہ آپ کو ڈوبنے نہیں دوں گا۔“

پھر لاکھ رونے پیٹنے کے باوجود اس کا نکاح حمزہ سے کر دیا گیا۔ حمزہ جب کمرے میں آیا تو وہ غصے سے پاگل سی ہو گئی اور چیخ کر بولی۔ ”اگر میرے قریب آنے کی کوشش کی تو خود کو ختم کر لوں گی۔“ اس نے پھل کاٹنے کی چھری خود پر تانتے ہوئے کہا۔

”اس وقت تو آپی آپ بالکل ٹارزن کی بیٹی لگ رہی ہیں۔ شور مت کریں اور میری بات غور سے سنیں یہ کاغذات ہیں جنہیں آپ کو بہت سنبھال کر رکھنا ہے لاکر میں رکھ دیجیے گا شہر پہنچتے ہی۔ اس وقت سب تھک کر سو رہے ہیں اس بیگ میں ضرورت کا سامان رکھ کر اور سادے کپڑے پہن کر باہر آ جائیے برقع اوڑھنا مت بھولیے گا اپنے ڈاکومینٹس بھی رکھ لیجیے گا لیکن آپ کے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں پھر فجر کی اذانیں شروع ہو جائیں گی۔“

گلیاں سنسان تھیں دونوں تیز تیز بس اسٹاپ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اس نے دور سے لاہور جانے والی بس دکھائی جو صبح صبح شہر میں کام کرنے والوں کو لے جاتی تھی۔

”میں آپ کو خود بس میں بٹھاتا مگر کوئی جاننے والا دیکھ لیتا تو میرے لیے مشکل ہو جائے گی۔ یہ آپ کے دونوں پلاٹوں کے اصل کاغذات ہیں، نقل میں نے ابا کے لاکر میں رکھ دی ہے جب تک انہیں پتا چلے گا آپ ان کی پہنچ سے بہت دور ہوں گی۔ آپ کے فی الحال ٹھہرنے کا انتظام بھی میں نے ایک دوست کے گھر کر دیا ہے آگے اپنے لیے آپ کو خود کرنا ہے آپ سمجھدار بھی ہیں یقیناً اپنے لیے بہتر سوچ سکتی ہیں۔“

حمنیٰ، حمزہ کو گلے لگا کر رو پڑی اور اب کراچی کی طرف رواں دواں تھی۔ اسٹاپ پر حمزہ کا دوست موجود تھا اسی کی طرح کم عمر اور سیدھا سادہ۔ اس کے گھر والے بھی کشادہ دل اور مخلص تھے شاید حمزہ نے ان کو اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اس لیے انہوں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ صبح اٹھتے ہی بینک کھلنے پر اس نے کاغذات لاکر میں رکھے اور کچھ رقم اپنے استعمال کے لیے چیک سے نکالی اور ساتھ ہی اے ٹی ایم کے لیے بھی درخواست دے دی اب اس کو جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہونا تھا، کب تک حمزہ کے دوست کا احسان لیتی۔ آخر ایک انٹرویو کے لیے وہ آفس پہنچ گئی۔

”مجھے صاحب سے ملنا ہے انٹرویو کے سلسلے میں۔“ اس نے چپڑاسی سے کہا۔

”آپ تو بڑی جلدی آ گئیں انٹرویو تو ہو چکے صاحب تو اب اٹھنے والے ہیں۔“

چوکیدار نے دوبارہ لال جھنڈی دکھا دی مگر وہ زبردستی آفس میں داخل ہو گئی اس کا خیال تھا کمپنی کا منیجنگ ڈائریکٹر کوئی عمر رسیدہ آدمی ہوگا اور وہ مظلوم بن کر اس کو نوکری دینے پر راضی کر لے گی لیکن اس کے سامنے تو ایک نوجوان بیٹھا تھا۔

”کہیے آپ کیسے آئیں انٹرویو تو ہو چکے۔“ خسرو نے متانت سے کہا۔

”پلیز“ وہ بری طرح گڑگڑائی۔

”مجھے نوکری کی سخت ضرورت ہے بے شک آپ سیلری کم دے دیں مگر مجھے مایوس نہ کریں میں بے حد مجبور ہوں ورنہ اس طرح آپ سے درخواست نہ کر رہی ہوتی۔“ حمنیٰ کی آواز خود بخود بھرا گئی اور الفاظ نے ساتھ چھوڑ دیا۔

”ویسے تو مجھے اس پوسٹ کے لیے میل کی ضرورت ہے لیکن آپ کی مجبوری دیکھ کر میں رکھ لیتا ہوں مگر یہ آپ کی آزمائش ہے مستقل نوکری نہیں۔“

”تھینک یو سر۔“ حمنیٰ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

☆......☆

دوسرے دن سے اس نے کام شروع کر دیا۔ ذہین تھی اس لیے ہر کام اسے جلد ہی سمجھ میں آ گیا۔ اب اسے ایک کمرے کے اپارٹمنٹ کی تلاش تھی

Ridadigest.com

کیونکہ حمزہ کے دوست کے یہاں رہتے ہوئے اسے مہینہ ہونے کو آرہا تھا۔ گو وہ گھر میں کبھی خالی ہاتھ نہیں آتی تھی سب کے لیے کچھ نہ کچھ خریدتی رہتی تھی۔ پھر بھی یہاں اسے اپنا آپ بوجھ لگنے لگا تھا ایک دن حمنیٰ کو سراسیمہ اور پریشان دیکھ کر خسرو نے پوچھ ہی لیا۔

''مس حمنیٰ! آج آپ کافی پریشان لگ رہی ہیں پوچھ سکتا ہوں کیوں؟''

''سر اصل میں میرے پاس رہنے کا ٹھکانا نہیں ایک جاننے والے کے یہاں رہ رہی ہوں مگر کب تک کرائے پر کوئی کمرہ مل نہیں رہا۔ ورکنگ لیڈیز کے ہوسٹل میں بھی کوئی کمرہ خالی نہیں۔'' اس کو مجبوراً بتانا پڑا۔

''ویسے ایک تجویز ہے اگر آپ کو برا نہ لگے تو میرا گھر کافی بڑا ہے اور مہمان خانہ تو تقریباً خالی ہی رہتا ہے آپ وہاں رہ سکتی ہیں۔'' حمنیٰ گنگ ہو گئی یہ کیسی پیشکش تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں گھر میں میرے ساتھ میری امی ہوتی ہیں وہ تنہائی کا شکار ہیں۔ آپ کے آنے سے ان کی تنہائی بھی دور ہو جائے گی اور بیماری میں بھی فرق پڑے گا۔ میں مصروفیت کی وجہ سے ان کو ٹائم نہیں دے پاتا اور جوڑوں کے درد کی وجہ سے وہ زیادہ چل پھر نہیں سکتیں۔ ہمارا یہ مہمان خانہ ساتھ بھی ہے اور علیحدہ بھی یعنی ایک کمرہ اٹیچ باتھ کے ساتھ جس کا ایک دروازہ لان میں کھلتا ہے اور دوسرا گھر کے اندر۔ آپ اندر سے بند رکھیں باہر نہ آئیں تو آپ کا ہم سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔''

حمنیٰ نے سوچنے کے لیے دو دن کی مہلت مانگی مگر اس سے اچھا کوئی آپشن ہو نہیں سکتا تھا کیونکہ خسرو کے بارے میں سب کی رائے مثبت تھی سب اس کے کردار، اخلاق اور انکساری کی تعریف کرتے تھے۔ پھر وہ دوست کے گھر والوں کا بے حد شکریہ ادا کر کے مہمان خانے میں آگئی۔ سب سے پہلے اس نے خسرو کی امی سے ملاقات کی جو محبت اور شفقت کا پیکر نظر آئیں انہوں نے اسے صبح کے ناشتے اور رات کے کھانے کی پیشکش کر دی۔ تنہائی نے انہیں بے حد زود رنج بنا دیا تھا حمنیٰ کو خود بخود ان سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا لنچ وہ آفس میں ہی کر لیتی تھی البتہ رات کا کھانا وہ خسرو کے آنے سے پہلے ہی ان کی امی کے ساتھ کھا لیتی تھی اور آفس کے علاوہ اس کا گھر میں کبھی خسرو سے سامنا نہیں ہوتا تھا۔ جب تک خسرو گھر نہیں آتے وہ خسرو کی امی کے ساتھ لگی رہتی ان سے باتیں کرتی ان کے چھوٹے چھوٹے کام کر دیتی۔ وہ اتنی وضعدار خاتون تھیں کہ انہوں نے آج تک حمنیٰ سے اس کی فیملی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

☆......☆

حمنیٰ بہت محتاط ہو کر زندگی گزار رہی تھی خسرو کی پیشکش کے باوجود اس نے ساتھ آنے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کسی اسکینڈل کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی اور نہ اپنی وجہ سے اپنے باس کو مشکل میں ڈالنا چاہتی تھی اس نے ایک رکشہ لگا لیا تھا جو روزانہ اسے پک اینڈ ڈراپ کرتا تھا۔ آج وہ کافی دیر سے آفس کے باہر کھڑی تھی لیکن رکشہ والا اب تک نہیں آیا تو اس نے پیدل ہی چلنا شروع کر دیا۔ اچانک اس کی نظر پڑی تو جیپ میں اسے اپنے تایا اور ماموں نظر آئے جن کی متلاشی نگاہیں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں اس نے گھبرا کر ایک گزرتی بس کو ہاتھ دیا اور اس میں سوار ہو گئی سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور دل ڈوبا جا رہا تھا بس کہاں جا رہی ہے اسے کوئی ہوش نہیں تھا کنڈیکٹر نے ٹکٹ کے لیے پیسے طلب کیے تب اسے ہوش آیا۔ وہ ٹکٹ لے کر فوراً اتر گئی اور ایک گزرتا رکشہ پکڑ کر گھر پہنچ گئی۔ احتیاطاً اس نے اپنا منہ دوپٹے سے ڈھانپ لیا تھا عموماً وہ گھر میں گھستے ہی سب سے پہلے آنٹی کی خیریت پوچھنے جاتی تھی کیونکہ صبح سے

بیٹھی ہوتی تھیں مگر آج اس میں ہمت ہی نہیں تھی اپنی بے بسی پر رونا آرہا تھا تب ہی گھر کی ملازمہ دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آگئی۔

''جی بیگم صاحب آپ کا پوچھ رہی تھیں۔'' حمنیٰ نے جلدی سے آنسو پونچھے اور آنے کا کہہ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ ذرہ سی دیر میں وہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھی یوں لگتا تھا ملک الموت کا منہ دیکھ لیا ہو۔ اس کی اڑی اڑی سی رنگت اور سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر خسرو کی امی پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔

''بیٹی اتنا پریشان میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا آفس میں کوئی بات ہو گئی یا خسرو نے کچھ کہہ دیا۔'' ان کا پوچھنا غضب ہو گیا اور حمنیٰ خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور خسرو کی امی گھبرا گئیں۔

''کیا ہو گیا حمنیٰ کیوں اس قدر پریشان ہو میں ماں نہیں مگر ماں جیسی تو ہوں مجھے بتاؤ کس نے تمہیں [illegible] کیا؟''

حمنیٰ کو اب اپنی حماقت کا احساس ہوا خوامخواہ بے چاری بیمار خاتون کو تنگ کیا۔

''کچھ نہیں ہوا آنٹی بس آج امی ابو کی بہت یاد آرہی تھی۔'' اس نے ضبط کرتے ہوئے اداسی سے کہا۔

''میں نے آج تک تم سے کچھ نہیں پوچھا مگر اتنا تو بتاؤ تمہارے والدین کہاں ہیں کوئی آگے پیچھے ہے تم مانو نہ مانو بیٹی مگر اس طرح تمہیں اپنوں سے دور نہیں رہنا چاہیے۔''

''آنٹی میرے والدین کی ڈیتھ ہو چکی ہے اور اس دنیا میں میرا کوئی نہیں تایا ہیں تو وہ میرے خون کے پیاسے۔ انہی سے بچ کر شہر آئی ہوں آج وہ مجھے نظر آگئے اس لیے میں گھبرا گئی۔'' حمنیٰ کو بتانا پڑا۔

''تمہارے سگے تایا ہیں۔'' بیگم وقار نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی بالکل سگے لیکن سوتیلوں سے بدتر۔ اماں تو میرے بچپن میں ہی گزر گئی تھیں ابا نے مرنے سے پہلے تایا سے بچنے کو کہہ دیا تھا اسی لیے میں ان سے چھپ کر شہر آگئی۔'' حمنیٰ کو ان کی تسلی کے لیے بتانا پڑا لیکن وہ اس کہانی سے مطمئن نہیں لگ رہی تھیں۔

☆......☆

دوسرے دن آفس میں بھی حمنیٰ کھوئی کھوئی اور مضطرب لگ رہی تھی، آخر خسرو کو پوچھنا پڑا۔

''دیکھیے مس حمنیٰ آپ کی مدد کے خیال سے نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے آپ کو اس پوسٹ پر رکھ لیا تھا گھر میں ٹھہرانے کو آپ اسے میری خود غرضی کہہ سکتی ہیں کہ اماں کی تنہائی سے میں پریشان تھا آپ کو سر چھپانے کے لیے ٹھکانا چاہیے تھا اور مجھے اپنی ماں کی تنہائی دور کرنے کے لیے ایک ہمدرد اور غمگسار لیکن کل جو اماں نے صورت حال بتائی ہے وہ تشویشناک بھی ہے اور پریشان کن بھی نہ اماں کو آپ کی کہانی پر یقین ہے نہ مجھے اس لیے بہتر ہے آپ اپنا کہیں اور ٹھکانا کر لیں ہم امن پسند لوگ ہیں غنڈہ گردی اور مار دھاڑ سے کوسوں دور۔''

''سر میں خود بھی آپ لوگوں کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتی میں نے ایک دو پراپرٹی ڈیلر سے ڈیفنس میں اپارٹمنٹ کے لیے کہہ رکھا ہے، ایک دو دیکھے بھی ہیں مگر چونکہ ان میں باؤنڈری وال نہیں اس لیے مجھے پسند نہیں آئے۔ آپ نے اور آنٹی نے جتنا خیال رکھا ہے اس کے لیے میں تاحیات آپ کی احسان مند رہوں گی۔ دو چار دن کی بات ہے انشاء اللہ میں چلی جاؤں گی اور آپ کہیں گے تو نوکری بھی چھوڑ دوں گی۔''

خسرو کو حیرت تھی وہ لڑکی جو ایک معمولی نوکری کے لیے اس کے سامنے گڑگڑا رہی تھی چند ماہ میں

Ridadigest.com

ڈیفنس میں اپارٹمنٹ لینے کے کیسے قابل ہوگئی جہاں فلیٹوں کی قیمت بھی کروڑوں میں ہے۔ حمنیٰ خسرو کی نظر میں مشکوک ہوچکی تھی اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنے گھر سے دھکے دے کر نکال دے۔ وہ اسے پسند ضرور کرنے لگا تھا مگر اس مقام پر نہیں پہنچا تھا جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو۔ پھر اس نے بیگم وقار کو خوش خبری سنائی کہ اسے کلفٹن پر دو کمروں کا اپارٹمنٹ مل گیا ہے جن سے خریدا ہے انہوں نے خالی کرنے کے لیے ایک ہفتے کی مہلت مانگی ہے پھر تھوڑا کام بھی کرانا ہے۔

''بس آنٹی انشاء اللہ میں دس بارہ دن میں اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہوجاؤں گی۔''

''تم نے خریدا ہے؟'' بیگم وقار نے حیرت سے پوچھا۔

''جی آنٹی ڈیفنس میں میرے نام پر دو پلاٹ تھے ایک بیچ کر یہ خرید لیا۔'' اس نے تحمل سے جواب دیا اور بیگم وقار چاہتے ہوئے بھی مزید کچھ نہ پوچھ سکیں۔

حمنیٰ نے جاب کے دوران ہی گاڑی چلانا بھی سیکھ لی تھی جس کا کسی کو کانوں کان پتا نہ تھا پھر اس دن جب وہ اچانک اپنی آلٹو میں آفس آئی تو سب نے خوش دلی سے مبارک باد دی اور مٹھائی کا تقاضا بھی کیا۔ حمنیٰ نے خسرو کے لیے بھی مٹھائی بھجوائی تو اس نے فوراً ہی اسے آفس بلا لیا۔

''یہ مٹھائی کس خوشی میں کھلائی جارہی ہے۔'' اس کا لہجہ بالکل خشک اور روڈ تھا۔

''سر میں نے گاڑی خریدی تھی اسٹاف کو کھلائی تھی سوچا آپ کو بھی اپنی خوشی میں شامل کرلوں۔'' حمنیٰ نے سادگی سے جواب دیا اور خسرو کے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی۔

''حق تو نہیں پوچھنے کا لیکن چونکہ آپ کو ترس کھا کر اس جاب پر رکھا تھا اس لیے کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ غربت سے یہ امیری کا سفر آپ نے کیسے طے کیا؟''

حمنیٰ کو بے حد برا لگا وہ خسرو کی بے حد عزت کرتی تھی۔

''سر اس وقت میں ضرورت مند تھی مفلوک الحال نہیں، خدا کا شکر ہے میرے والدین میرے لیے بہت کچھ چھوڑ کر مرے تھے مگر چونکہ اس شہر میں پہلی بار اور نئی نئی آئی تھی اس لیے قدم جمانے اور سر چھپانے کے لیے فوری ضرورت تھی۔ آپ کی مہربانیوں کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گی مگر کسی کے بارے میں کوئی بھی اندازہ لگانے میں اتنی جلدی مت کریں کہ آپ کو پھر پچھتانا اور شرمندہ ہونا پڑے۔'' حمنیٰ نے تلخی سے کہا اور آفس سے باہر آگئی۔

☆......☆

آج کل حمنیٰ بے حد پریشان تھی ایک گاڑی مسلسل اس کے تعاقب میں تھی اس نے آفس کے علاوہ گھر سے نکلنا بالکل چھوڑ دیا تھا پھر بھی اپارٹمنٹ کے چکر تو لگانے ہی پڑتے تھے۔ خسرو اور ان کی امی کا رویہ دن بدن حقارت آمیز ہوتا جارہا تھا۔ اس دن وہ تھکی ہاری آفس سے آئی تو فوراً ہی ملازمہ ڈرائنگ روم میں بلانے آگئی۔

''آپ کے مہمان انتظار کررہے ہیں۔'' اس نے پوچھنے پر بتا کر حمنیٰ کو حیران کردیا۔

''مجھے تو یہاں کوئی جانتا بھی نہیں یہ کون ملنے آگیا۔'' جونہی وہ ڈرائنگ میں داخل ہوئی اس کے قدم لڑکھڑا گئے تایا کے ساتھ ان کے دو سالے اور دو گارڈ بیٹھے ہوئے تھے ساتھ ہی بیگم وقار اور خسرو بھی موجود تھے۔ اس کو دیکھتے ہی تایا والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھے۔

''میری دھی میری بہو رانی کہاں چلی گئی تھی کتنا تجھے تلاش کیا۔'' جیسے ہی انہوں نے حمنیٰ کو گلے لگانا چاہا وہ ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹ گئی۔

''جھوٹ بول رہے ہیں آپ بکواس کررہے ہیں یہ آپ کی کچھ نہیں لگتی۔'' وہ زور سے چیخی۔

''کیا ہوگیا ہے حمنیٰ بیٹا! یہ تمہارے سسر ہونے کے علاوہ سگے تایا بھی ہیں اتنی جلدی بھول گئیں اور یہ حمزہ کا ماموں کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں۔'' ماموں نے کھڑے ہوکر کہا۔

''میں کسی رشتے کو نہیں مانتی میرے والدین کے مرتے ہی سب رشتے ختم۔ جس رشتے کی بنیاد ہوس اور لالچ پر ہو وہ رشتہ نہیں ناسور ہوتا ہے آپ یہاں سے چلے جائیں ورنہ میں پولیس کو بلالوں گی۔''

اب تک خسرو خاموش بیٹھے تھے اب بولنے پر مجبور ہوگئے۔

''دیکھیے مس حمنیٰ یہ شریفوں کا گھر ہے آپ اپنے جھگڑے باہر جا کر نمٹائیں ہم اس گھر میں برداشت نہیں کرسکتا کسی بھی قسم کی ہنگامہ آرائی۔''

''سر یہ جھوٹ بول رہے ہیں ان کی خود غرضی اور لالچ کی وجہ سے مجھے گھر سے نکلنا پڑا تھا۔''

''ہم جھوٹ بول رہے ہیں تو پھر یہ نکاح نامہ بھی جھوٹا ہے۔'' انہوں نے خسرو کے سامنے کچھ تصویریں جس میں وہ دلہن بنی حمزہ کے ساتھ بیٹھی تھی اور نکاح نامہ سامنے زور سے پھینکا۔ خسرو اور بیگم وقار سناٹے میں آگئے، کوئی شک نہ تھا کہ وہ ان کی بہو تھی کیونکہ تصویر میں مجھے حمنیٰ کے تایا بھی پگڑ باندھے کھڑے تھے۔

''مس حمنیٰ اب کوئی شک کی گنجائش نہیں آپ کو ان کے ساتھ جانا پڑے گا۔'' خسرو نے فیصلہ سنایا تو وہ دوڑ کر بیگم وقار سے لپٹ گئی۔

''آنٹی خدا کے لیے مجھے تھوڑی مہلت دے دیں میں آپ کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی خدا کے لیے مجھے ان بھیڑیوں کے حوالے نہ کریں آپ کو خدا کا واسطہ۔ میں مرجاؤں گی مگر ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ آپ میری بات پر یقین کریں میں جھوٹ نہیں بول رہی۔'' اس کے بے تحاشا رونے پر آخر بیگم وقار کو کہنا پڑا۔

''آپ ایک ہفتے بعد آکر حمنیٰ کو لے جانا ابھی اسے چھوڑ دیں۔'' وہ دھمکیاں دیتے ہوئے واپس پلٹ گئے۔

پھر حمنیٰ ابتداء سے سب کچھ بتاتی چلی گئی اس کی کہانی سن کر بیگم وقار کی عجیب سی حالت ہوگئی گو خسرو کو اس کی کسی بات پر یقین نہیں تھا مگر اماں کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر وہ کچھ کہنے سے قاصر تھا۔ حمنیٰ خود بھی حیران تھی کہ اس کی کہانی سن کر ان کو کیا ہوگیا ہے۔

''بیٹی تمہاری ماں کا نام کیا تھا؟'' انہوں نے بے چینی سے پوچھا۔

''یمنیٰ۔'' حمنیٰ نے پریشانی سے جواب دیا۔

''اور والد کا؟''

دوسرا سوال خسرو کو حیران کررہا تھا۔

''جی شاہ ویز نام تھا اور وہ اور اماں یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے۔'' آگے حمنیٰ نے خود ہی بتا دیا اور بیگم وقار نے بڑھ کر اسے گلے لگالیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں وہ اس کو بری طرح چوم رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ بولتی بھی جارہی تھیں۔

''میری بچی میری جان جب ہی تو کہوں کیوں بار بار تمہاری طرف دل کھنچتا ہے اور گلے لگانے کی ہڑک اٹھتی ہے۔ یہ خون کی کشش تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے۔ میں تمہاری خالہ ہوں میری جان تمہاری سگی خالہ۔ کہاں کہاں اپنی بہن کو نہیں ڈھونڈا مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ رخصت ہوکر کس گاؤں میں گئی ہے کیونکہ میں امریکہ میں تھی اور حج کے دوران جب امی ابو کی کرین گرنے کے حادثے میں ڈیتھ ہوگئی تو یمنیٰ کے بارے میں بتانے والے بھی نہ رہے اب میں کس سے پتا کرتی کہ یوں بھی میں امریکہ میں تھی میں نے تو خسرو کو بھی اپنی بہن کے بارے میں نہیں بتایا تھا بلکہ مجھے تو تمہارے بارے میں بھی کچھ علم نہ

تھا۔" اب دونوں ہی شدومد سے رورہی تھیں اور خسرو کوانہیں چپ کرانا مشکل ہوگیا تھا۔

"تم کہہ رہی تھیں کہ حمزہ تمہارا کزن تمہارا ساتھ دے رہا تھا پھر اس نے نکاح کیوں کیا؟"

"اس نے چلتے وقت مجھے دو لفافے دیئے تھے اور تاکید کی تھی کہ انہیں لاکر میں رکھ دینا اور اطمینان سے کھول کر دیکھ لینا مگر مجھے دیکھنے کا خیال ہی نہیں رہا سر میں آپ کو لاکر کی چابی دوں گی آپ جا کر لے آیئے گا میں تو گھر سے باہر قدم نہیں نکالوں گی۔" حمنیٰ بے حد خوفزدہ تھی۔

"بھائی سے تمہارا یہ کہنا چھوڑو دوسرے خسرو تمہارا لاکر کیسے استعمال کرسکتے ہیں مینڈیٹ تمہارے پاس ہے تمہیں جانا ضرور ہوگا تم بھی چلی جانا۔"

تینوں کی پوری رات جاگتے ہوئے گزری بیگم وقار ایک ایک بات کرید کرید کر حمنیٰ سے پوچھتی رہیں اور اپنی بہن کی بے توقیری پر آنسو بہاتی رہیں۔ خوش تھا کہ محبت کے جس پودے نے دل میں جڑیں پکڑ لی تھیں اب انہیں اکھاڑنا ضروری نہیں تھا اس پودے کو اب تناور درخت بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا اور اس کو یہ بھی یقین تھا کہ اس کی سچی اور بے لوث محبت حمنیٰ کے دل میں گھر بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔

☆......☆

پھر ہفتہ پورا ہوتے ہی حمنیٰ کے تایا اپنے دونوں سالوں کے ساتھ آگئے۔ اس مرتبہ ان کے ساتھ تائی بھی تھیں۔

"میں زنانی بھی ساتھ لے آیا ہوں تاکہ ہماری بہو ہمارے حوالے کرنے میں آپ کو کوئی تامل نہ ہو۔" تائی نے بڑھ کر حمنیٰ کو گلے لگانا چاہا لیکن وہ سلام کر کے بیگم وقار کے نزدیک بیٹھ گئی تایا کی باچھیں کھلی جارہی تھیں آج حمنیٰ پوری طرح تیار تھی، قیمتی کپڑے، ہاتھوں میں مہندی اور چوڑیاں پہنے

ان لوگوں نے حمنیٰ کو تایا کے حوالے کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور حمنیٰ نے بھی اس فیصلے کو خوشی خوشی قبول کرلیا تھا جب ہی مسرت اس کے چہرے سے عیاں تھی انگ انگ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی یہ وہ ایک ہفتے والی تو حمنیٰ تھی ہی نہیں، خوف زدہ، ڈری ڈری اور سہمی ہوئی آج اس کے چہرے پر خود اعتمادی کی ایک الوہی چمک تھی۔ تایا نے جب جلدی رخصتی کا شور مچایا تو خسرو نے پوچھا۔

"آپ کے صاحبزادے کہاں ہیں جن سے حمنیٰ کا نکاح ہوا ہے کم از کم اس وقت تو اسے آپ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔"

"وہ دراصل نوکری کے سلسلے میں دبئی گیا ہوا ہے آنے والا ہے اسی کے کہنے پر ہم حمنیٰ کو لینے آئے ہیں۔" وہ جلدی سے بولے۔

"ہم تو کب سے اپنی بہو کو تلاش کررہے تھے مگر یہ پتا نہیں کیوں ہمارے بیٹے حمزہ سے ناراض ہوکر یہاں آگئی۔ ارے بھئی میاں بیوی کے درمیان ناراضی ہو بھی جائے تو کوئی اس طرح گھر چھوڑ کر جاتا ہے بس اب ہماری بہو ہمارے حوالے کردیں ہمیں دیر ہورہی ہے۔" تایا نے ہونٹ بگاڑ کر کہا۔

"ہاں تو آپ جائیں آپ کو روکا کس نے ہے مگر حمنیٰ آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی کیونکہ ہم نے اس کا نکاح کردیا ہے۔" خسرو نے اطمینان سے کہا اور تایا چیخ مار کر کھڑے ہوگئے۔

"یہ کیا بکواس ہے آپ ایسا ہرگز نہیں کرسکتے نکاح پر نکاح نہیں ہوسکتا، یہ گناہ ہے شرع میں اس کی گنجائش نہیں اگر آپ لوگوں نے سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکالا تو ہمیں انگلیاں ٹیڑھی کرنی بھی آتی ہیں۔" وہ غصے سے دھاڑے اور خسرو کے برداشت کی حد ختم ہوگئی۔ انہوں نے ایک لفافہ تایا کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

"ذرہ غور سے اس کو پڑھ لیجیے اور سمجھ نہ سکیں تو میں سمجھا دوں یہ طلاق نامہ ہے جو حمزہ نے نکاح کے فوراً

بعد حمنیٰ کو دے دیا تھا کیونکہ اس نکاح میں دونوں کی رضا شامل نہ تھی اگر آپ کی تسلی اب بھی نہیں ہورہی تو میں آپ کے بیٹے کا یہ خط آپ کو پڑھ کر سنا دیتا ہوں تاکہ آپ کی تسلی ہو جائے۔" خسرو نے با آواز بلند خط پڑھنا شروع کردیا۔

"پیاری آپی! جہاں رہیں خوش رہیں۔

میں نے چاچا سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا ان کی روح خوش ہورہی ہوگی۔ آج سے آپ آزاد ہیں اور آپ کو عدت کرنے کی بھی ضرورت نہیں امید ہے اب آپ کو میرے خلوص پر یقین آگیا ہوگا آپ میری بہن تھیں، ہیں اور رہیں گی یہ نکاح غلط تھا جس میں نہ آپ کی رضا شامل تھی نہ میری جس کی بنیاد ہی ہوس، لالچ اور خودغرضی پر ہو وہ بھلا پائیدار کیسے ہوسکتا ہے ویسے تو میں نے طلاق کے کاغذات پر دستخط کردیئے ہیں پھر بھی ایک مرتبہ باقائمی ہوش و حواس طلاق دے رہا ہوں اب آپ اپنی مرضی کی زندگی گزاریں ہمیشہ خوش رہیں آباد رہیں اور اپنے اس چھوٹے بھائی کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔"

خط کیا تھا بم تھا جو سب کے ہوش و حواس پر بجلی بن کر گرا اور ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ اگر حمزہ سامنے ہوتا تو اس کو جان سے مار دیتے۔

"وہ نطفہ حرام ہمیں ہی دھوکا دے گا نوکری کا بہانہ کرکے گاؤں چھوڑ گیا، کس سے نکاح کیا آپ نے ہم ابھی زندہ ہیں اس کے خاندان والے نہیں مانتے ہم اس نکاح کو۔"

"آپ کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔" اس مرتبہ بیگم وقار گرج کر بولیں۔

"یہ میری سگی بھانجی ہی نہیں اب بہو بھی ہے دو دن پہلے ہم نے اپنے بیٹے خسرو سے اس کا نکاح کیا ہے۔" پھر وہ تحمل سے بولیں۔ "چوہدری صاحب وقت ملے تو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لیجیے گا ساری زندگی آپ کو اس دنیا میں نہیں رہنا، کیا لے جائیں گے ساتھ۔ یہ سب کچھ تو یہیں رہ جائے گا کفن اور دو گز زمین آپ کا مقدر بنیں گی جس کے لیے آپ نے میری بہن پر ظلم کیا اس کے شوہر کو ستایا حتیٰ کہ لالچ میں اندھا ہوکر اپنی بھتیجی پر بھی ظلم کرنے چلے تھے میری معصوم بہن تو ساری کشتیاں جلا کر آپ کے گھر آئی تھی۔ اگر آپ نے اس کی قدر کی ہوتی تو اس کو بھی اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جانا تھا مگر لالچ اور خودغرضی کا کوئی انت نہیں ہوتا کاش آپ نے خون کے رشتوں کی اہمیت کو سمجھا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی کہ بیٹا آپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔" کبھی کبھی کی کہی ہوئی بات دل پر پتھر کی طرح لگتی ہے تایا کے چہرے پر خجالت تھی، شرمندگی اور ندامت نے سر جھکا دیا تھا تائی بھی رو رہی تھیں اور آنسو تو حمنیٰ کی آنکھوں میں بھی تھے۔

"پتر! میں بہت کم ظرف اور گھٹیا ہوں لیکن مجھے یقین ہے تم میرے بیٹے کی خاطر مجھے معاف کردو گی میرے گناہوں پر نہیں میرے بیٹے کی نیکیوں پر نظر رکھو اور اس کے صدقے مجھے معاف کردو میں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر شرمندہ ہوں اور میرا گھر تمہارا میکہ ہے جب بھی آؤ اپنی تائی کے پاس اور شوہر کے ساتھ آنا تمہاری امانت زیور کی شکل میں میرے پاس ہے وہ بھی لے لینا اور میرے بیٹے کو کوئی چال یا بددیانتی مت سمجھنا شیطان سے انسان بننے میں بس ایک لمحہ ہی لگتا ہے۔"

تایا ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوگئے تو حمنیٰ دوڑ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔ تائی نے بھی بڑھ کر اسے گلے لگالیا ماموؤں نے بھی سر پر ہاتھ پھیرا۔ حمنیٰ مشکور تھی خسرو کی جس کی وجہ سے آج وہ محفوظ ہوگئی تھی اور حمزہ کے لیے تو اس کے روم روم سے دعائیں نکل رہی تھیں اس کی خزاں رسیدہ زندگی پر بہار نے رنگ جما لیے تھے۔

......☆......

Ridadigest.com

ایقان علی

گلاب دیوی

پگھلے ہوئے سونے ایسی کرنیں کچی دیوار سے سر کے بل صحن میں اتریں تو گلاب دیوی نے وہ چہ میگوئیاں سنیں، ذرا جو کان ان سرگوشیوں پر دھرے تو چند لفظ ملے پڑ گئے۔ وہ چند لفظ وہی مفہوم لیے ہوئے تھے جو گل نور ماں کی تقریر میں پوشیدہ تھا۔

''ہندو جات (ذات) جو کسی مسلے (مسلمان) لونڈے کے ساتھ تعلق بنائے گی تو وہ تعلق سندور نہیں مانا جائے گا۔ اری بی بی تو جو بھی کہہ، سارا پنڈ اسے گالی ہی دے گا۔''

گلاب دیوی نے سفید ساڑھی کا میلا کچیلا پلو سر پر رکھ لیا۔ سارے صحن میں چڑے مرے پتے بھاگے پھر رہے تھے۔

''ماسی میرے من میں کھوٹ ہے ناں اس کے من میں تو کاہے فضول باتیں بک رہی ہے۔''

گلاب دیوی کو اس کی بات سن کر جتنا غصہ آیا تھا اب بھی اتنا ہی (طیش) چڑھ آیا تھا۔

''اری کوا تب ہی بنتا ہے جب پر ہوتا ہے۔ ایسے ہی تو کوئی کسی پر الزام نا دھر دیوے ہے۔ تو بھی ذرا دھیان رکھا کر ناں، ادھر سورج ڈوبے ہے ادھر وہ تھالی سجا کر کھڑا ہوتا ہے، اری میں پوچھتی ہوں وہ لگتا کیا ہے تیرا۔''

گلاب دیوی نل کے پاس جا بیٹھی۔ جھوٹے برتنوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ''الزام دھرنے والے تو بھگوان کو بھی نہ بخشے ہیں مائی، میں اور تو تو پھر انسان ہیں۔''

اپنی طرف سے اس نے نور ماں کو مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ غیر مطمئن ہو گئی تھی۔ خود وہ الجھ گئی تھی۔ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے سرگوشیوں کے راستے بند کر دیئے تھے لیکن ذہن کے پردوں پر چھپی وہ چند یادیں نہ کھرچ سکی تھی۔

''کیا لاگت ہے وہ تیرا!''

سنے ہوئے برتنوں کو رسوئی میں رکھتے ہوئے وہ جھنجلا گئی۔

''کوئی کسی کا کچھ لاگت ہے تو اس کا کچھ لاگت ہے۔'' کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی کسی کا کچھ بھی نا ہو اور کچھ ہو بھی۔''

سارا دن صحن میں آرام کرنے کے بعد اب دھوپ واپس جانے کو تھی۔ جن کچی دیواروں سے وہ ہولے ہولے آئی تھی۔ اب دبے قدموں واپس بھی انہی دیواروں پر سے جا رہی تھی۔ امبر کی نیلاہٹیں بھی اب شکست خوردہ نظر آئی تھیں۔ راکھ رنگ کی سیاہیاں اب یہاں وہاں پھر رہی تھیں۔

گلاب دیوی طاقچے میں رکھے دیئے کو آگ کی لپٹ دکھا کر پلٹی تو بیرونی دروازے پر دستک ہوئی ایک مانوس سی دستک گلاب دیوی کے کانوں سے ٹکرائی۔

''وہ کیا لاگت ہے تیرا؟ کیا...... کیا......''

اب تو اس مکان کے سارے در و دیوار نور ماں

کے لہجے میں بکواس کرنے لگے تھے۔

☆......☆

بھگت سنگھ پیشے سے سوداگر تھا۔ مال کا بیوپار اس کی گھٹی میں تھا۔ کسی بھی سودے میں سے منافع کیسے نکالتے ہیں یہ رمز اس کی پوروں میں چھپی تھی۔ وہ بھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتا تھا۔ اب کی بار بھی اس نے گھاٹا قبول نہیں کیا تھا۔ پٹیالے کے رئیس کی بیٹی کو اس نے ایک نظر دیکھا تھا اور پھر بھگت سنگھ سواہ (راکھ) ہوگیا اسی سواہ میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر بھی اس کو اپنا پورا وجود نہیں ملا تھا۔ اس مہ وش نے حقیقت میں بھگت سنگھ کو اپنے وش میں کرلیا تھا۔ اس [illegible] کی خدمت میں اس نے اپنا سب کچھ پیش کردیا۔ [illegible] کی ریشم، جواہر، موتی، زیورات اور اپنا آپ بھی [illegible] نے کچھ بھی قبول نہ کیا۔

بھگت سنگھ بے مول ہوگیا۔

اس کے بعد وہ کئی بار وہاں گیا۔ بار بار اس [illegible] سے بھیک مانگی اور ہر بار خالی ہاتھ لوٹا دیا گیا۔

"حضور ایسا ظلم نہ کریں۔ مجھے کسی پار لگا دیجیے۔ یا تو اپنی تلوار اٹھائیں اور میری گردن ماردیں یا پھر مجھے اپنے در کا کتا بنالیں۔ مجھے ڈبو دیں یا بچا لیں۔" چھ مہینے میں اس نے چھ سو چکر لگائے۔ چھ سو ایک چکر میں اس نے جو سنا اس پر بہت دیر اسے خود بھی یقین نہ آیا۔

سیندور ایسی مقدس وہ دیوی اس کے سنگ وداع ہونے کو تیار تھی۔

"آپ کی محبت نے ہماری گلاب دیوی کو اپنا بنا لیا ہے۔ ساری ساری رات وہ آپ کے فراق میں جلتی ہیں۔"

جس ملازمہ نے اسے یہ خبر دی اس کے ہاتھ بھگت سنگھ نے عقیدت سے چوم لیے۔

گلابوں جیسی وہ دیوی اس کے سنگ وداع کردی گئی۔

☆......☆

گلاب دیوی نے کواڑ کھول دیا۔

وہ سامنے ہی تھال لیے کھڑا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی اس نے نظریں جھکالی تھیں۔ گلاب دیوی جانتی تھی اب وہ نظریں نہیں اٹھائے گا۔

"آپ اتنی چنتا مت کیا کریں روز اتنی مشقت میں کیوں پڑتے ہیں؟"

اس کی نظریں تقدس کے مارے ابھی تک سجدے میں تھیں۔ اس کی اتنی لمبی لمبی عبادتیں اس کی پاکی کی گواہ تھیں۔ اس کے بارے میں مائی کہہ رہی تھی کہ اخ تھو ایسی سوچ پر۔

"اب ایسی بات کرکے مجھے اذیت نہ دیا کریں بھابی! مجھے میرے فرض ادا کرنے دیں۔ یہ کھانا لے لیں۔" تھال اسے تھما کر وہ ویسے ہی پلٹ گیا۔

گلاب دیوی نے لہسن کے تڑکے والی دال کی خوشبو کے علاوہ بھی ایک خوشبو وہاں محسوس کی تھی۔ وہ امان کی پاکیزگی کی مہک تھی۔ وہ بڑی دلکش خوشبو تھی [illegible] کے وہ رسوئی تک آئی تو طاقچے میں روشن دیے کی لو [illegible] زور سے آگے پھڑ پھڑا رہی تھی۔

تاحیات [illegible] آپ کا غلام" ایک سرگوشی سی ہوئی تھی۔

☆......☆

وہ حقیقت میں گلاب دیوی تھی۔

اسے بالائی میں پنکھڑیاں ملا کر بنایا گیا تھا۔ اسے اسی طرز پر تراشا گیا تھا جس طرز پر سنگ مرمر کو تراشا جاتا ہے۔ اس کی لمبی گھنی زلفوں کو رنگ دیتے وقت رات سے مدد لی گئی تھی اور اس کی آنکھیں، اس کی آنکھیں بس اس کی آنکھوں جیسی تھیں۔ ویسے نین پھر کسی کو عطا نہیں ہوئے تھے۔ اس کے وجود سے چنبیلی کی مہک آتی تھی۔ اس کو دیکھ کر دیکھتے رہنے کو من کرتا تھا اس پر کئی ہزار بھگت سنگھ

قربان لیکن وہ ایک بھگت سنگھ پرواری ہوگئی تھی جو اس کی خاطر بار بار اس کے باپو کی منت کرنے آیا تھا۔ اس کی چندن ایسی محبت نے گلاب دیوی کو خرید لیا تھا۔

"گلاب دیوی کو اپنی غلامی میں لے لیجیے۔ یہ باندی اپنے آقا پرواری قربان۔ اگر جو اس کا آقا اس سے راضی ہوگیا تو سمجھیں اس کی تخلیق کے مقصد پورے ہوئے۔" شب عروسی کے لمحوں میں وہ تنتر کرتی تھی۔ اس کا مالک اس کا غلام تھا۔ وہ اس پر صدقے تھا اور وہ اس پر نچھاور تھی۔ گلاب دیوی کو اس کے وصل نے مکمل کیا تھا۔ بھگت سنگھ اس کے ہونے سے ہوا تھا۔ اس کے بنا وہ خاک تھا۔

محبت ان میاں بی بی کے گھر کی دربان تھی۔ وہ ہر صبح سورج اگتے ہی سر کو خم دے کر آداب کہتی تھی اور ہر شام ہولے ہولے بانسری بجاتی

☆......☆

پہلا لقمہ منہ میں رکھتے ہی گلاب دیوی نے وہ مانوس سا ذائقہ محسوس کیا تھا۔ وہ ذائقہ جو اس گھر سے آنے والے ہر کھانے میں تھا۔ وہ ذائقہ جو خلوص نیت کا تھا۔

اس کی آنکھوں میں پانی آگیا۔

ان برتنوں پر وہی عکس تھا جو گلاب دیوی کے ماتھے پر تھا۔ چند دن پہلے جب وہ بخار میں تپتی تھی تو وہ کیسے گیلی پٹیاں اس کے ماتھے پر رکھتا تھا اس کے لمس میں کیسی سادگی تھی۔

پانی اس کے گالوں پر بہہ نکلا نوالہ گلاب دیوی کے حلق میں اٹک گیا۔

"بھگت سنگھ یہ کیسی درگھٹنا (مشکل) ہے۔ یہ کیسا امتحان ہے۔ میں کدھر جاؤں بھگت سنگھ۔"

نمکین پانیوں کے قطرے دال کی کٹوری میں گر رہے تھے۔

"بھابی آپ پردیس میں ہیں لیکن ایک لحظے کے لیے بھی یہ نا سوچیے گا کہ آپ پردیس میں ہیں۔ ادھر آپ نے ایسا سوچا ادھر امان پر خدا کا قہر نازل ہوجائے گا۔" وہ جھکی نظروں والا کیسے بولتا تھا۔ وہ کیسے دل جیتتا تھا۔

☆......☆

اس مہین سے پردے کے اس پار دیکھتے ہوئے گلاب دیوی ہولے سے کھنکاری۔

"کچھ چاہیے۔"

"نہیں۔"

اس نے بھگت سنگھ کو اٹھتے دیکھا اور وہ پردہ اٹھاتے گلاب دیوی نے جلدی سے چہرے پر آنچل ڈالا۔

"ارے یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ یہ امان ہے یہ کوئی غیر نہیں ہے۔"

بھگت سنگھ کہہ رہا تھا۔ کھانے کے پاس بیٹھا وہ خوش شکل سا انسان مسکرایا۔ ایک نظر اس پر ڈالی اور آنکھیں جھکالیں۔

وہ اس کا بچپن کا دوست تھا۔ مسلمان تھا لیکن بھگت سنگھ کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ اسی گاؤں کے سب اپنوں میں سے سب سے زیادہ اپنا تھا۔

"پرنام۔"

گلاب دیوی نے مودب ہوکر ہاتھ باندھے۔ وہ مودب نظریں اٹھیں اور ادب بجالائیں۔

☆......☆

رات چمگادڑ کے پروں جیسی تھی۔ گھناؤنی اور بدہیئت اس سے گھن آتی تھی، جی متلاتا تھا اور خوف آتا تھا اس گھٹن زدہ رات میں وہ اپنے بستر میں دبکی تھی، اسے ہمیشہ سے رات ڈر لگتا تھا اب تو اور زیادہ خوف آتا تھا بیس دن پہلے وہ ایسی ہی رات تھی ناں جب......

Ridadigest.com

گلاب دیوی نے کروٹ لی، بان کے کھردرے پن سے اس کی کمر تکلیف میں تھی۔

ہاں تو ایسی ہی رات تھی ناں جب......

باہر کوئی بلی منحوس آواز میں روئی تھی۔ ایک دبی دبی سی سسکاری اس کے بھی حلق سے نکلی۔

☆......☆

دروازہ ایسے وحشت زدہ انداز سے کھڑکھڑایا تھا کہ دل حلق تک آتا تھا۔ وہ جلدی سے باہر کو بھاگی۔ وہاں تو جیسے سارا گاؤں جمع تھا۔ جلتی ہوئی فصلیں اور لالٹینیں گلاب دیوی نے گھبراہٹ میں کسی مانوس چہرے کو ڈھونڈنا چاہا۔ تبھی چار بندوں نے وہ چارپائی اس کے دروازے کے سامنے رکھ دی۔

گلاب دیوی نے ایسے بین ڈالے کہ مردے بھی اپنی قبروں میں لرز گئے۔ اس کی چیخوں سے رات کی بھی جان نکلنے لگی۔

''بھگت سنگھ کا خون ہوگیا۔''

بھگت سنگھ کا خون گلاب دیوی کو تھرتھرا گیا۔ وہ خون منحوس صورت بنا بنا کر اسے ڈرانے لگا۔

''کسی نے پرانے جنگل میں خنجر سے کئی وار کیے ہیں سارا مال اسباب بھی لوٹ لیا ہے۔''

کوئی تو اسے خنجر سے وار کرکے مار گیا تھا۔ سب کچھ تو اسی سے لوٹ لے گیا تھا۔ خون اس کا کر گیا تھا۔

☆......☆

بان کی چارپائی پر لیٹے لیٹے وہ پسینے میں بھیگ چکی تھی۔ کمرے میں ایک طرف رکھا دیا بس آخری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کی ملگجی روشنی سے دیواروں پر بھیانک صورتیں بن رہی تھیں۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ بہت سے بھوت تھے جو بازو کھولے اس کا خون پینے آرہے تھے۔

بھگت سنگھ کی چتا جل گئی، راکھ بہادی گئی۔

پر اس کی ادھ کلی چتا کی راکھ بہائی نہ جاسکی۔ زندوں کی راکھ بہانے کا رواج ابھی نکلا جو نہیں تھا۔

''بھابی خود کو سنبھالیں ایسے حوصلہ ہار بیٹھیں گی تو جئیں گی کیسے۔''

وہ دلاسے دیتا تھا۔ وہ دلاسے نہیں چاہتی تھی۔ وہ بھگت سنگھ کی واپسی چاہتی تھی۔ وہ اپنا بھگت سنگھ چاہتی تھی۔

''تھانیدار آیا تھا کل، اس نے کھوجی بھی بلوا لیے ہیں انشاءاللہ بھگت سنگھ کے خونی جلد پکڑے جائیں گے۔''

''کاش خونی اس کا بھی خون کر جائیں۔''

اس رات کے بعد باقاعدگی سے اس کا پتہ لینے آتا رہا تھا۔ ہر صبح، ہر شام کھانے کا تھال لے کر آتا، شروع کے دنوں میں وہ صفائی بھی کر جاتا برتن دھو جاتا، دوبارا سے حکیم کے پاس بھی لے کر گیا۔ وہ اب جینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس کے جینے کا ہر حیلہ کر رہا تھا۔

☆......☆

طاقچے میں رکھی مورتی کے قدموں میں گیندے نچھاور کرنے اور لوبان سلگانے کے بعد گلاب دیوی کافی دیر تک خاموشی سے کھڑی پتھر کی اس مورت کو تکتی رہی۔ اب مانگنے کو کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ اب کچھ چاہنے کی کچھ طلب کرنے کی اچھا بھی نہیں رہی تھی۔

گھنٹی کی جلترنگ کے درمیان اس نے دستک سنی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آئی تو دروازے کے پاس کھانے کا تھال رکھا ہوا تھا۔

''کیا لاگت ہے وہ تیرا، کس لیے وہ اتنا خیال رکھتا ہے تیرا، کیا صرف اس لیے کہ وہ بھگت سنگھ کا دوست تھا، کیا واقعی صرف اسی لیے۔''

ہوا کے جھونکے سے زرد پتے درخت کی قید سے

آزاد ہوگئے۔ سفید ساڑی کا پلو اس کے سر سے سرک گیا۔

☆......☆

اس نے کئی بار وہی بات سنی، کبھی کسی سے کبھی کسی سے طنز بھرے قہقہے اور چند معنی خیز جملے کچھ گالیاں کئی ایک اپنے لیے اور کئی ایک اس کے لیے۔ لوگ چٹخارے لیتے۔

''ہاں ہاں اسی کی خاطر یہ رکی ہے یہاں، کیوں نہیں چلی جاتی واپس۔''

وہ بھگوان کی سوگند کھا کر کہتی تھی کہ وہ اس لیے نہیں رکی تھی۔ وہ بھگت سنگھ کا گھر تھا اور وہ بھگت سنگھ کی تھی۔ وہ وہاں سے چلی جاتی تو اس کی ناں رہتی وہ اس کے گھر میں اس کے کارن رکی تھی۔

''آپ نہ آیا کریں۔'' اس نے کئی بار اسے منع کیا۔

''میں آپ کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتی لوگ گالی دیتے ہیں آپ کو۔ آپ نہ آیا کریں۔''

وہ خاموشی سے پلٹ گیا۔ بس ایک بات کہہ گیا۔

''گالی کی پرواہ نہیں مجھے آپ کی پرواہ ہے۔''

گلاب دیوی سن رہ گئی۔

☆......☆

اگلے کئی دن گزر گئے۔

وہ نہیں آیا۔ ویسے ہی جیسے پھر بھگت سنگھ نہیں آیا۔ گلاب دیوی سارے آنگین میں بے کل پھرتی رہی۔ پیلے پتے یہاں چرمرہوتے رہے۔ دن میں کئی کئی بار اس کے کان بجتے۔ اسے یوں لگتا دستک ہوئی ہے۔ دروازہ کھولتی تو سامنے کوئی بھی نہیں کھڑا ہوتا۔ اسے دیکھ کر مکروہ ہنسی ہنستا۔ مورتی پر ویرانی اتر آئی۔ باسی گیندے خشک ہوگئے۔ لوبان بو دینے لگا۔ گھنٹی خاموش ہوگئی۔

اسی گھر میں گلاب دیوی نے بھگت سنگھ کے لیے بین ڈالے تھے اسی صحن میں بیٹھ کر اس نے امان کے لیے آنسو بہائے۔

''وہ آخر تیرا کیا لاگت ہے۔'' وہ کیا...... وہ کیا......''

چڑیاں شور مچاتی تو یہی راگ گاتیں۔ پتوں کی سرسراہٹیں یہی سوال پوچھتیں۔ گلاب دیوی وحشتوں کے سایوں کو رقصاں دیکھتی تو بے آواز روتی۔ تل کے پاس چھوٹے تھال پڑے رہ گئے۔

ایک صبح وہ اٹھی تو ابکائیوں پر ابکائیاں آتی رہیں۔ جی متلا رہا تھا، حکیم صاحب کے چورن سے بھی افاقہ نہ ہوا۔ پڑوس کی اماں نے اسے نظروں نظروں میں تولا۔ دائی ماں نے اپنے کانپتے ہاتھوں پر حساب لگایا اور چار انگلیاں کھڑی کیں۔

''کتنے مہینے ہوگئے بیاہ کو؟''

گلاب دیوی کو چکر آگیا۔ ''ساڑھے چار۔''

☆......☆

گلاب دیوی کا دل ہر شے سے بھر چکا تھا، اپنے وجود سے لپٹی سفید ساڑھی سے اسے گھن آنے لگی تھی۔ وہ اسے نوچ دینا چاہتی تھی۔ وہ خود کو کسی اور رنگ سے رنگ دینا چاہتی تھی۔ کیسر رنگ، یا سرسوں ایسا زرد یا آسمان سا نیلا اور پھر دھنک رنگ۔ وہ اپنے اندر کی گھٹن سے بھی تنگ آچکی تھی۔ وہ اب کھلی فضا میں لہرا جانا چاہتی تھی۔ وہ جھوم جانا چاہتی تھی۔ وہ رادھا کے ایسے رقص کرنا چاہتی تھی وہ ہر قید توڑ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔

''میں اس سے بیاہ کرلوں گی۔''

اس سویرے اس نے سورج کی روپہلی کرن کو بتایا تو وہ ٹھٹھے مار مار دیوانی ہوگئی۔

''اری ایسے کیوں ہنستی ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''وہ تجھے کیونکر اپنائے گا۔ تو ہندو وہ مسلمان۔'' تو اس بت کو کیسے توڑے گی۔''

Rdadigest.com

گلاب دیوی نے کن انکھیوں سے ویران مورتی کی ویران آنکھوں میں دیکھا وہ نظریں جھکا گئی۔

''توڑ دوں گی ہر قید کو، وہ کہے گا تو لا الہ الا اللہ بھی بول دوں گی وہ کہے گا تو بھگت سنگھ کی آخری نشانی کو بھی اس پر وار دوں گی۔''

درخت نے زرد پتے اس پر وار دیئے۔

گلاب دیوی مسکرا کر اٹھی اور جھوٹے برتن، تھال دھونے لگی۔

☆......☆

وہ پورے دل سے تیار ہوئی تھی۔ نہا دھو کر وہی جوڑا پہنا تھا جو بھگت سنگھ کے وداع ہوتے سمے پہنا تھا۔ گجرے پہنے، جوڑا بنایا، پھول سجائے، سولہ سنگھار کیے۔

اس کے بعد تھال سجایا، گیندے کے پھول، مٹھائی کچھ اور خاص پکوان اور سلگتا ہوا لوبان۔ وہ اپنے دیوتا کی آرتی اتارنے جا رہی تھی۔ اس سب تیاری کے بعد جب وہ صحن سے گزری تو پتھر کی مورتی نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ گلاب دیوی نے ایک بے پرواہ سی نگاہ اس پر ڈالی اور باہر نکل آئی۔

امان اکیلا رہتا تھا۔ بھگت سنگھ نے بتایا تھا اس کا گھر گاؤں کے دوسرے کونے میں تھا۔ بھگت سنگھ نے دکھایا تھا۔

وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔ اس کے پیروں میں پازیب چھن چھن کرتی تھی۔ لوگ اسے حیرانی سے دیکھتے تھے۔ اسے پرواہ نہ تھی۔ اسے کسی کی پرواہ نہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے تھال میں جلتا دیا اسے راہ دکھاتا تھا۔ وہ چلتی جاتی تھی۔

''ارے بھابی آپ؟''

گلاب دیوی نے دو دیئے ان پاکیزہ آنکھوں میں جلتے دیکھے تھے۔

''آیئے آیئے بہت مبارک وقت آئی ہیں۔ آج ہماری عید کا چاند نظر آیا ہے۔''

گلاب دیوی کے لیے بھی کل عید تھی۔ اس نے بھی عید کا چاند دیکھ لیا تھا۔

اسے کمرے میں بٹھا کر وہ خود باہر نکل گیا تھا۔ وہ لاکھ روکتی رہی پر وہ اس کی خاص تواضع کرنا چاہتا تھا۔ معراج دین حلوائی کی شیرنی سے اس کا منہ میٹھا کروانا چاہتا تھا۔

☆......☆

تھال چارپائی پر رکھ کر وہ یونہی بے مقصد کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ سامنے دیوار پر ٹنگے آئینے میں خود کو دیکھتی رہی۔ ایک طرف رکھی لکڑی کی میز پر سجے پھولوں کو چھیڑتی رہی۔ کچھ اوراق تھے جن کو الٹ پلٹ کرتے وہ خط نیچے آ گرا۔

وہ پڑھنا نہیں چاہتی تھی لیکن پڑھنے لگی۔ وہ خط جس کے لفافے پر لکھا تھا۔ ''فقط بھگت سنگھ'' گلاب دیوی کے رنگ اڑ گئے۔ اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ گرتے گرتے اس کا ہاتھ صندوقچی سے ٹکرایا۔ وہ چند چیزیں زمین پر آ رہیں۔ چند فیروزے، کچھ کاغذ اور وہ انگوٹھی سبز یاقوت جڑی وہ انگوٹھی۔

بھگت سنگھ کی بیوی سانس نہ لے سکی۔ وہ جیسے زمین و آسمان کے درمیان معلق ہو گئی۔

☆......☆

دیوار کی طرف منہ کیے کھڑی گلاب دیوی نے اپنے عقب میں آہٹ سنی لیکن وہ ایسے ہی کھڑی رہی۔ یوں جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''بھابی! آپ ایسے بنا بتائے واپس کیوں آ گئیں۔'' امان فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔ گلاب دیوی نے ہولے سے اپنی سفید ساڑی کا پلو اپنے سر پر رکھ لیا اور پلٹی وہ سامنے کسی چٹان کی مانند ایستادہ تھا۔

''میں آپ کو گھر میں نا پا کر بہت پریشان ہو گیا۔ آپ بنا بتائے آ گئیں۔ خیریت ہے ناں۔ کسی

نے کچھ کہا ہے آپ سے۔''

گلاب دیوی نے کرب سے آنکھیں مونده لیں۔ نظروں کے سامنے بھگت سنگھ کے لکھے وہ لفظ آ گئے، خط کہتا تھا۔

''تم نے میری بیوی پر بہت غلط نظر ڈال لی۔ اب بس، میں تمہاری نظروں کی گندگی اب اور نہیں سہوں گا۔''

گلاب دیوی نے بے یقینی سے ان مقدس آنکھوں میں دور تک جھانکا۔ کچھ تھا تو کچھ انتہائی مکروہ سا جو ان تقدس بھرے پانیوں میں تیر رہا تھا۔

''بھابی کچھ بولیں تو۔''

گلاب دیوی کو وہ انگوٹھی یاد آئی۔ سبز یاقوت والی جو ہمہ وقت بھگت سنگھ پہنے رکھتا تھا۔ وہ فیروزے یاد آئے جن کے بیوپار کے لیے وہ بغداد جا رہا تھا۔

بھگت سنگھ کے لفظ بھی کچھ کہہ رہے تھے۔

''تم نے اپنے دوستوں میں گلاب کے بارے میں جو فحش گوئی کی ہے اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ آج کے بعد تمہاری اور میری دوستی ختم۔''

گلاب دیوی نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ بھگت سنگھ اس کے اندر سانس لینے لگا تھا۔ بھگت سنگھ کی محبت پھر سے جی اٹھی تھی۔

''بھابی کچھ تو بولیے۔''

وہ چند قدم آگے بڑھی اور امان کے سینے سے جا لگی۔ دونوں ہاتھوں سے اس کے چوڑے سینے کو بھینچ کر اس کی کمر پر ہاتھ ٹکا لیے۔

''مجھ سے نکاح کرو گے؟''

''بھابی......!''

''بھگت سنگھ کے بچے کو اپنا نام دو گے؟''

''آپ یہ کیسی......''

''مجھ سے محبت کرتے ہو؟''

ایک لمبا وقفہ خاموشی کا در آیا۔

''بتاؤ گلاب دیوی سے محبت کرتے ہو۔''

گلاب دیوی نے اس کی دھڑکن اپنی دھڑکن میں تحلیل ہوتی محسوس کی۔ اس کے وجود سے اٹھتی باس اپنے نتھنوں سے ہوتی وجود میں گھلتی محسوس کی۔

''کیا مجھے بھگت سنگھ جیسے محبت کرو گے؟''

''ہاں۔''

گلاب دیوی نے اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی آستین میں چھپے خنجر کو نکالا اور اس کی کمر میں گھونپ دیا۔

اس خنجر کے بارے میں لوہار نے کہا تھا کہ وہ پتھر کو بھی کاٹ دے گا۔

دوسرا وار گلاب دیوی نے اس کے پتھر دل پر کیا تھا۔

''گلاب دیوی نے دو بار محبت کی اور دونوں بار تم نے اس محبت کا خون کروا دیا۔ ایک بار اپنے ہاتھوں سے دوسری بار میرے ہاتھوں سے۔''

اپنے خون بھرے ہاتھوں کو سفید ساڑھی سے صاف کرتی وہ صحن میں آئی تو سیاہ رات اپنی سیاہیاں ہر سو مل کر بہت خوش تھی۔ وہ جیت کا جشن منا رہی تھی۔ گلاب دیوی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ بھگت سنگھ کے خط نے اسے بتایا تھا کہ اسے اس کے باپو کے پاس جانا ہے اسے وہیں جانا تھا۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر اس نے آخری بار پلٹ کر دیکھا تو طاقچے میں رکھی مورتی فرش پر گر کر پاش پاش ہو چکی تھی۔ شفاف آنسو اس کی آنکھ سے نکلا اور رخسار پر بہہ نکلا۔ اس نے سفید ساڑھی کا پلو سر پر رکھا اور اندھیرے میں گم ہو گئی۔

......☆......

Ridadigest.com

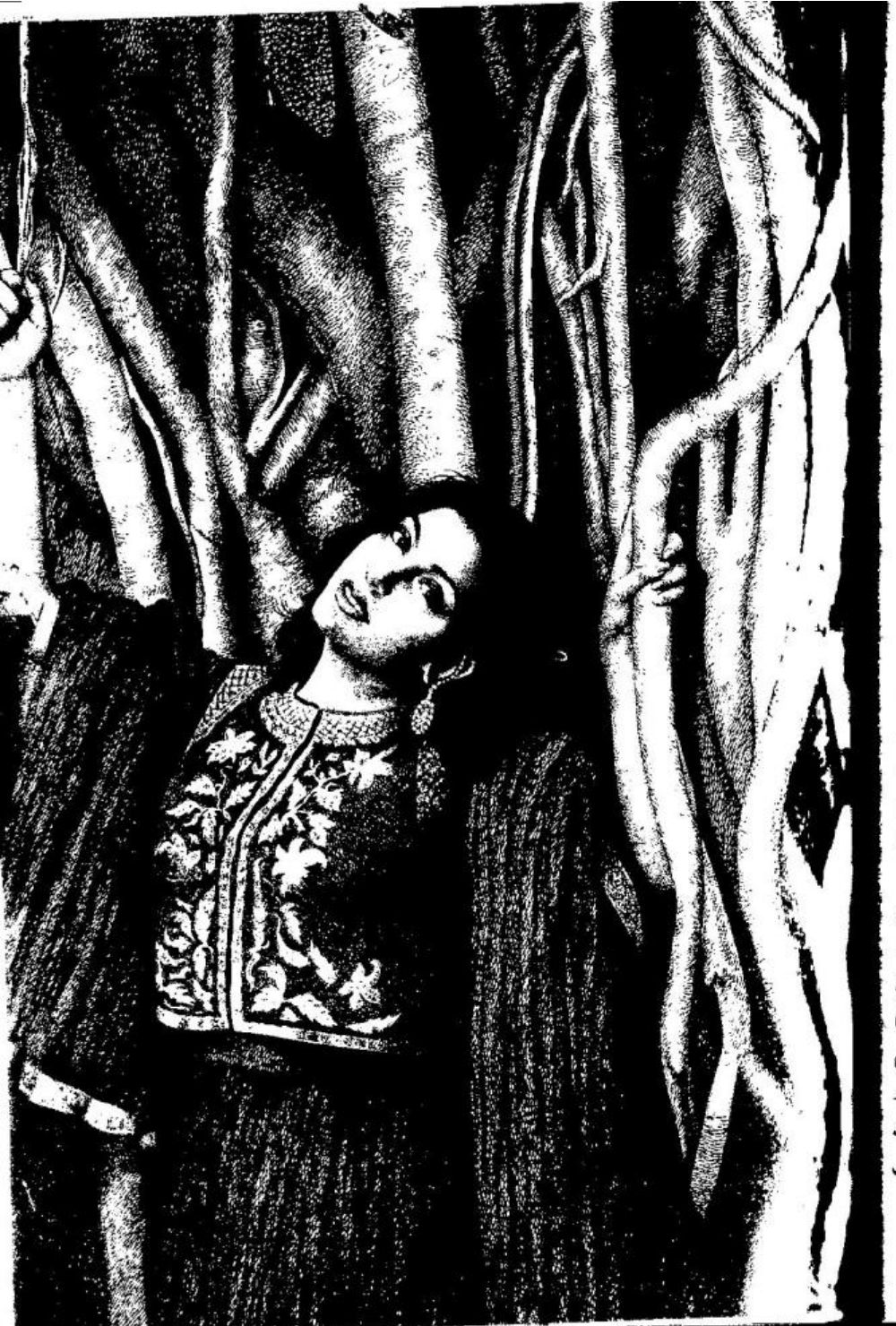

اقصیٰ سحر

وہ ایک خواب سا

وہ ایک اداس سی شام تھی۔ کالے سیاہ بادلوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ دور کہیں بادلوں کی اوٹ سے نارنجی رنگ کی ذرا سی جھلک دکھائی دیتی کہ پھر کوئی نہ کوئی سیاہ بدلی آ کر اسے بھی فوراً ڈھانپ دیتی تھی۔ حاعفہ نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اس منظر کو دیکھا۔ اس کی زندگی میں ابھی دور سے امید کا کوئی سرا سا جھلکتا ہی تھا کہ کوئی سیاہ بادل آ کر فوراً اسے اپنی اوٹ میں چھپا لیتا تھا اور وہ اس سرے کو ڈھونڈتی ہلکان ہوتی رہتی تھی۔ اس نے پھر سے سر اٹھا کر نارنجی رنگ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جو اب پوری طرح سے بادلوں کی لپیٹ میں آ گیا تھا اور آسمان پر محض ایک ہلکی سی لکیر ہی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً بارش کا ایک قطرہ اس کے رخسار پر گرا۔ پھر یکے بعد دیگرے گرنے والے قطروں نے اس کے چہرے کو بھگو ڈالا۔ اس نے دونوں ہتھیلیاں پھیلائیں اور پھر بند کیں۔ شاید وہ ان قطروں کو اپنی مٹھی میں قید کرنا چاہتی تھی مگر بوندیں کہاں ٹھہرتی ہیں بند مٹھی سے بھی بہہ گئیں۔ چپ چپ کرتی بارش کی بوندیں اس کی دل کی کثافت کو بھی ساتھ بہا لے گئیں اور وہ چند منٹ میں ہی اپنی تمام سوچوں کو پس پشت ڈالے اب بارش سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ بچپن سے بارش سے عشق جو کرتا تھا۔ بارش کا ایک قطرہ گرنے کی دیر ہوتی تھی کہ وہ پاگلوں کی طرح خوش ہوتی جھومنے گنگنانے لگ جاتی تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں کہیں پیچھے ہی رہ گئیں تھیں۔ اب بارش ہو یا نہ ہو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔

بوندا باندی تھم گئی تھی اور موسم بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔ اسی اثناء میں حاعفہ نے دور سے الواز وحید کو ہاتھ ہلاتے دیکھا۔ وہ اسی بینچ کی طرف آ رہا تھا جہاں وہ پچھلے پندرہ منٹ سے بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''سوسوری یار! مگر میں بھی کیا کرتا اتنا ٹریفک تھا کہ مت پوچھو بڑی مشکل سے راستہ نکال کر یہاں تک پہنچا ہوں۔'' بارش نے اس کو کافی حد تک بھگو ڈالا تھا اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نمی جھاڑی پھر اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''ویسے خیریت ہے؟ جب بھی میں تم سے ملنے کا کہتا تھا تو تمہارے پاس بے پناہ مصروفیت ہوتی تھی۔ وقت نکالنا مشکل ہو جاتا تھا تو آج ایسے وقت میں کیا تمہیں؟'' اس کا طنز کرنا بجا تھا کیونکہ حاعفہ زیادہ میل جول سے کتراتی تھی لیکن آج کی اس ملاقات کے پیچھے اس کا خاص مقصد تھا اس نے ایک فیصلہ لیا تھا مگر وہ اس حوالے سے ابھی تھوڑی کشمکش کا شکار تھی۔ سو آج کچھ باتیں

مزید کلیئر کر کے وہ اپنے فیصلے پر پکی مہر ثبت کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

''ہاں بس یونہی کوئی خاص وجہ نہیں، میں نے سوچا کہ آج تمہاری ایک شکایت تو دور کی جائے۔'' حاعفہ نے نگاہوں کا رخ اس پر سے ہٹا کر دوسری طرف موڑا جہاں تین چار بچے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ہلکی سی مسکان نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔ الواز وحید نے بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اور مسکرا دیا۔ حاعفہ کو بچے بے حد پسند تھے۔

''الواز تم مجھے اس دن بسمہ کے بارے میں بتا رہے تھے لیکن پھر بات ادھوری رہ گئی تھی۔ تم نے اس سے اپنی محبت کا اظہار تو کیا تھا تو اس کا کیا جواب تھا؟'' کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد حاعفہ اصل بات کی طرف آئی جس کے لیے اس نے الواز کو بلایا تھا۔ ''تم اب تک اس بارے میں سوچ رہی ہو؟'' الواز نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا تھا اور میں تمہیں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ وہ محبت نہیں محض پسندیدگی تھی۔ ہمارا بچپن کا ساتھ تھا اور بس...... اب تو اس کی منگنی ہوئے بھی ایک سال ہو چکا ہے۔''

''اور اسی ایک سال میں ہم ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہوئے ہیں۔'' حاعفہ نے سوچا مگر کہا نہیں۔

''کیا وہ بھی تمہیں پسند کرتی تھی؟'' حاعفہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''پتا نہیں مجھے ہمیشہ لگتا تھا کہ وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے۔ میرے لیے جذبات رکھتی ہے۔ ہم بچپن سے ایک دوسرے کے بے حد قریب رہے تھے۔ وہ اپنی ہر بات سب سے پہلے مجھ سے ہی شیئر کرتی تھی۔ گھر والوں کی بھی آپس میں اچھی خاصی واقفیت اور ذہنی ہم آہنگی تھی۔ ایک دوسرے کے یہاں کثرت سے آنا جانا تھا۔ سب کو یہی لگتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں ہاں مگر بسمہ نے کبھی لفظوں میں اقرار نہیں کیا تھا وہ میرے سوال پر ہمیشہ خاموش رہی تھی مگر انکار بھی کبھی نہیں کیا تھا۔ پھر مجھے کیسے معلوم ہو پاتا کہ اس کے دل میں میرے لیے کیا ہے۔''

حاعفہ ایک ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے ٹکائے غور سے سن رہی تھی۔

''ان دنوں میرے امتحانات شروع تھے جب مما نے مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا اگر ہم بسمہ کا ہاتھ مانگنے جائیں مجھے بھلا کیا اعتراض ہونا تھا، میری تو دلی مراد بر آئی تھی اور مجھے یقین تھا کہ بسمہ کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا تھا۔ میں مطمئن سا اپنے ایگزامز میں مصروف ہو گیا تھا۔ پھر کچھ دن بعد پتا چلا کہ بسمہ کا کہیں رشتہ طے ہو گیا۔ میں بھی ایک دو بار اس کے رشتے سے مل چکا ہوں۔ اچھا ہے یقیناً بسمہ کو بہت خوش رکھے گا۔ میری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔'' ایک موہوم سی اداسی اس کی آنکھوں میں ایک پل کے لیے ابھر کر آئی تھی جو حاعفہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ الواز اب خاموش ہو گیا تھا۔ وہ سر جھکائے اپنے جوتے کی نوک سے گھاس کھرچ رہا تھا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ حاعفہ اس کی آنکھوں میں چھپی کسی بے نام تحریر کو پڑھے۔ حاعفہ خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی، پھر چند لمحے بعد اس نے پوچھا۔

''تم نے انکار کی وجہ نہیں پوچھی گھر والوں سے؟ تم بسمہ سے ہی پوچھ لیتے، آخر بچپن کے دوست ہو تم دونوں۔''

''میری ہمت نہیں ہوئی اس سے کچھ بھی پوچھنے کی اور پھر میں کس حق سے سوال کرتا اس

نے تو کبھی اظہارِ محبت نہیں کیا تھا اور اگر اس کی مرضی شامل نہیں ہوتی تو کسی اور سے اس کا رشتہ کیسے ہو سکتا تھا۔ میں اس کی خوشی میں خوش ہوں اور اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں۔'' الواز نے پرسکون لہجے میں کہا لیکن نہ جانے کیوں حاعفہ کو اس کی آنکھیں اس کے کہے الفاظوں کا ساتھ دیتی نہیں لگی تھیں۔

☆......☆

''میں تمہیں سمجھ نہیں پا رہی حاعفہ آخر تم چاہتی کیا ہو؟ اگر تمہیں یہی کرنا تھا تو تم نے اسے امید کیوں دلائی؟ آخر برائی کیا ہے الواز میں؟'' اریبہ نے جھنجلاتے ہوئے تیز آواز میں پوچھا تھا۔

حاعفہ کو اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ فون کے دوسری طرف اریبہ بری طرح غصے سے تلملا رہی تھی۔

''اوہو پلیز تھوڑا ریلیکس ہو جاؤ، غصہ ٹھنڈا کرو پھر بتاتی ہوں۔'' حاعفہ نے آرام سے ایئر پیس ہاتھ میں پکڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ٹھنڈا ہے میرا غصہ، تم فوراً وجہ بتاؤ......''

اریبہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ حاعفہ اس کی حالت کو تصور کرتے ہوئے زیر لب مسکرا دی تھی۔

''دیکھو اریبہ! تم ہر بات سے واقف ہو، میں نے اسے پہلے بھی انکار کیا تھا۔ میں شروع سے اس بات کی قائل نہیں تھی کہ ہمارا تعلق کسی دوسرے رشتے میں بندھے کیونکہ مجھے اپنی اور اس کی بے غرض دوستی کسی بھی دوسرے رشتے سے زیادہ عزیز ہے۔''

''لیکن حاعفہ۔''

''ہاں مجھے پتا ہے تم کیا کہنے والی ہو۔'' اریبہ نے کچھ کہنے کے لیے آواز نکالی ہی تھی کہ حاعفہ نے فوراً اسے ٹوک دیا تھا۔

''میں ہمارے درمیان موجود اس بے نام احساس کو ختم نہیں کرنا چاہتی کیونکہ یہ بالکل پائیدار ہے کسی بھی غرض کی ملاوٹ سے پاک لیکن اگر کوئی رشتہ جڑے گا تو شاید ایسا نہ رہے اور مسئلہ پتہ ہے کیا ہے الواز بے حد اچھا ہے اور یہ اس کا اللہ پر توکل ہی ہے کہ وہ آسانی سے اپنی خواہشوں سے دستبردار ہو جاتا ہے اور پھر بھی پرسکون رہتا ہے جس کا صحیح اندازہ مجھے بھی چند روز پہلے ہی ہوا ہے۔'' حاعفہ سانس لینے کو رکی تھی جب کہ دوسری طرف اریبہ حیرانی سے اس کی اتنی لمبی چوڑی تقریر سن رہی تھی کیونکہ اسے اب بھی انکار کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''تمہارے کہنے پر میں نے اس کا پرپوزل قبول کر لیا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ اگر اس کی کوئی خوشی میری ذات سے جڑی ہے تو مجھے وہ خوشی اس کو دے دینی چاہیے لیکن میں خود دل سے راضی نہیں تھی کیونکہ اس صورت میں پرانے رشتے سے دستبردار ہونا پڑتا جو کہ میں نہیں چاہتی تھی۔''

''کیا بولے جا رہی ہو، میں نے ایک سوال پوچھا تھا بس اس کا سیدھا سا جواب دو۔'' اریبہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا اسے حاعفہ کی تمام باتیں بالکل بے مقصد لگ رہی تھیں۔

''میری باتیں ابھی ختم نہیں ہوئیں، اس دن الواز سے بات کرنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ایک جگہ رکنے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ پرانے باب کو بند کر کے آگے بڑھنے والوں میں سے ہے۔ ہاں اس کے جذبات میں صداقت ہے مگر حقیقت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خواہشوں سے دستبردار ہونا جانتا ہے تو اگر میں اس کی زندگی میں شامل نہیں ہوئی تو یہ بات اسے تھوڑے دنوں کے لیے دکھ دے گی مگر وہ پھر اس پر صبر کر لے

Ridadigest.com

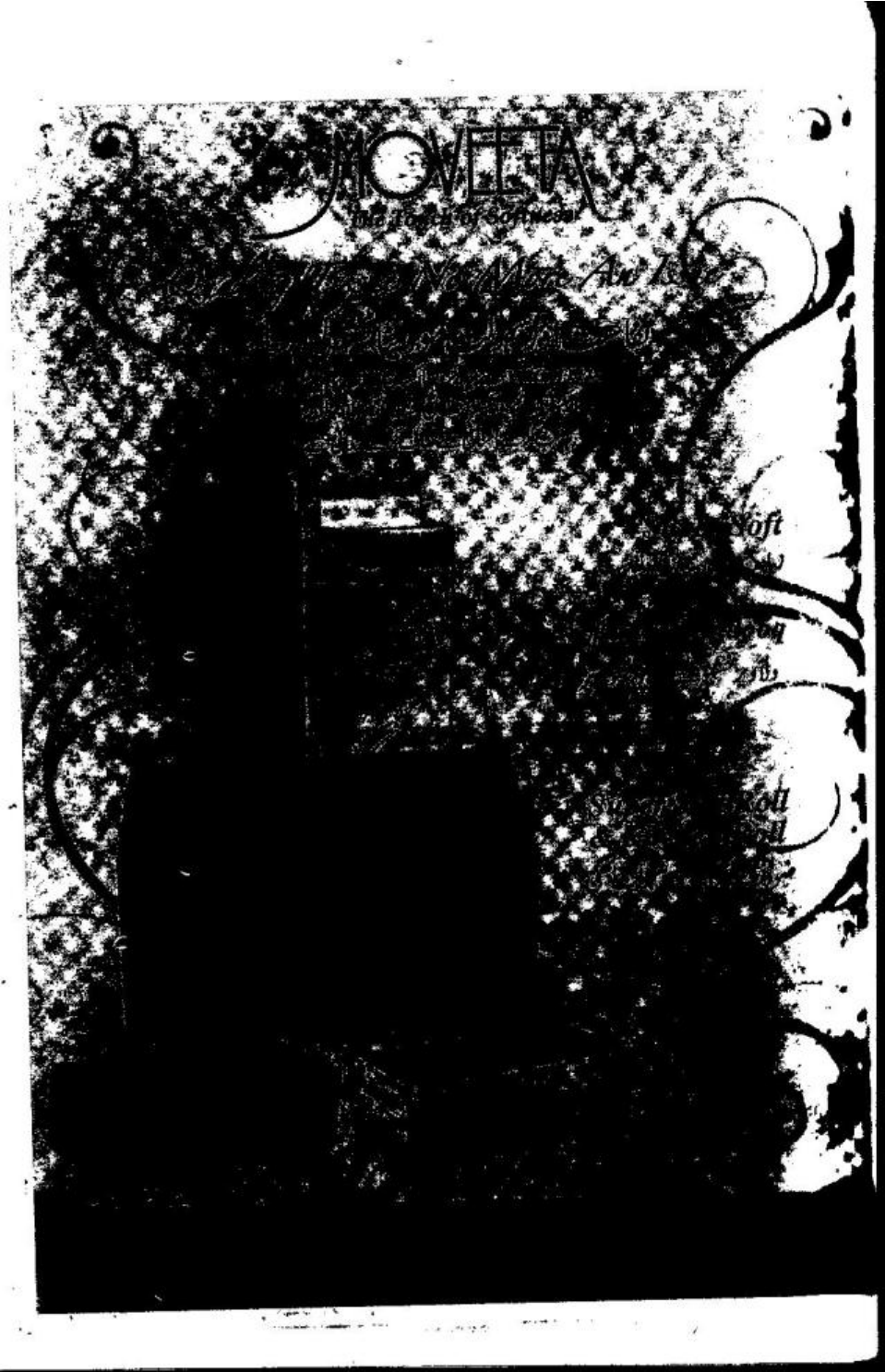

گا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں وہ فیصلہ کروں جو میرا دل چاہتا ہے، بس اس لیے میں نے انکار کر دیا۔'' اپنی بات ختم کر کے حاعفہ نے فوراً سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور ٹوں ٹوں کی آواز پر اریبہ کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر پیٹ لے۔

''اریبہ میرے پاس چند ایک ہی تو قیمتی اثاثے ہیں اور ان میں سے ایک الواز وحید کی دوستی بھی ہے اور میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔ یہ خسارہ میں مول نہیں لے سکتی۔'' حاعفہ نے آنکھ میں آئی نمی کو انگلی کے پور سے صاف کیا۔

☆......☆

آج بھی شام سے بوندا باندی ہو رہی تھی، وہ کافی کا مگ لیے دریچے کے پاس بیٹھی بظاہر ان شفاف موتیوں کو برستے ہوئے دیکھ رہی تھی مگر درحقیقت وہ کہیں اور گم تھی۔ دھیمی ٹپ ٹپ کے ساتھ ساتھ کسی اور کی آواز بھی اس کی سماعتوں تک پہنچ رہی تھی۔ کل الواز وحید اس سے ملنے آیا تھا۔ اس کے انکار کے بعد اس نے اب تک اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ چند ثانیے خاموشی سے حاعفہ کو دیکھتے رہا۔ وہ بھی سر جھکائے خاموش اپنی رنگ کو انگلی میں آگے پیچھے گھما رہی تھی۔ پھر اسی خاموشی سے اس نے وہ رنگ اتار کر الواز کی طرف بڑھائی۔ الواز نے ایک نظر اس کو دیکھا اور خاموشی سے رنگ لے لی۔ تھوڑی دیر بعد الواز نے ہی اس خاموشی کو توڑا اور وہی الفاظ کہے جو حاعفہ نے توقع کیے تھے۔

وہ اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا جو اس کا خاصہ تھا۔

''حاعفہ میں تمہارے فیصلے کا احترام کرتا ہوں۔ میرے لیے تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ بس میری خواہش یہی ہے کہ جس کسی کا بھی ساتھ تمہیں میسر آئے وہ تمہارا بے حد خیال رکھے اور تم ایک خوشگوار زندگی گزارو۔''

حاعفہ خاموشی سے اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے اس کی دھیمی آواز سنتی رہی۔

''جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے اور یقیناً اس میں بھی کوئی بہتری پوشیدہ ہو گی، اللہ کی طرف سے اور ہاں ان تمام باتوں سے ہماری دوستی متاثر نہیں ہو گی۔ تم آج بھی میری اچھی دوست ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ چاہے ہمارے درمیان رابطہ رہے یا نہیں۔''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں۔'' حاعفہ نے زیر لب کہا اور ایک اداس مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر کر رہ گئی۔

کبھی کبھار زندگی بالکل اچانک کسی ایسے شخص کو ہماری زندگی میں شامل کر دیتی ہے جس کے محض ہونے کا احساس ہی ہماری ویران زندگی میں ٹھنڈی میٹھی پھوار کی مانند ہوتا ہے لیکن یہ راحت صرف اسی تعلق کی دین ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ ہماری زندگی میں شامل ہوتا ہے پھر اگر ہم اپنی مرضی سے اسے کسی نئے رشتے میں ڈھالنا چاہیں تو ہو سکتا ہے ناں کہ وہ اپنا احساس کہیں درمیان میں ہی دم توڑ جائے۔

اور یہ بات حاعفہ کو کسی صورت بھی منظور نہ تھی۔ الواز کا وجود اس کے لیے ایک خواب سا تھا۔ آسمان سے برسنے والی دھیمی رم جھم حاعفہ کی منتشر سوچوں کو یک گونہ سکون بخش رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں موند کر اس سکون کو اپنے اندر اتارا۔ میں نے ٹھیک فیصلہ کیا ناں؟ یہ سوال شاید اس نے خود سے کیا تھا۔

اب اس کو کھو رہا ہوں بڑے اشتیاق سے
وہ جس کو ڈھونڈنے میں زمانہ لگا مجھے

☆......☆

Ridadigest.com

اقراء چنا

"آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا"

"نکل احمد کا سوٹ ہے۔ پورے اٹھائیس سو کا۔" ایک بھاری جسامت والی خاتون نے اپنی قمیض کے دامن کو بڑے فخریہ انداز میں کہا۔ دوسرے تمام ٹولے نے پوری آنکھوں کے ڈیلے نکال کر اس کے سوٹ کو بغور گھورا۔

"یہ میرا دو ہزار کا ہے۔ دیکھو کیسی نرم لان ہے۔" دوسری خاتون نے اپنے دوپٹے کا پلو اس پہلی والی خاتون کو زبردستی پکڑاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! جی یہ وہی اعلیٰ معیار کے گھرانے کی خواتین تھیں جو کہ کسی اپنے قریبی کی میت پر آئی ہوئی تھیں۔ یہ صغریٰ خالہ (جس کا انتقال ہوا ہے) کے میکے والی خواتین تھیں۔

میں نے انتہائی حیرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ ابھی میت گھر پر رکھی ہوئی ہے اور یہ خواتین اس غم سے بالکل بے پرواہ لان کے کپڑوں کو ڈسکس کر رہی ہیں۔

میرا دل ایک دم اچاٹ ہو گیا، میں نے ساس کو ستائشی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر تھیں، بے خبر، لبوں پر کچھ پڑھنے میں مشغول تھیں میں اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھی۔

میں نچلے طبقے کی ایک مڈل کلاس لڑکی تھی۔ میں نے کبھی ایسا کچھ نہیں دیکھا تھا جو آج میں نے شہر کے لوگوں میں دیکھا جو معاشرے میں ایک درجہ رکھتے ہیں۔ ایک معیار رکھتے ہیں، گویا میرا حیرت بھرا تاثر تو بنتا ہی تھا۔

کچھ دیر بعد میت اٹھالی گئی۔ صغریٰ خالہ کے بچے روتے رہے، مگر اب ماں کہاں رکنے والی تھیں کسی بھی صدا پر۔

میں اور میری ساس شام تک وہیں رکے رہے تھے، کھانے کے بعد چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ مصالحہ تیز چاول کچے تھے۔ ایک خاتون نے برا منہ بنا کر یہ کہہ دیا۔ "زیادہ مصالحہ اسی لیے ڈلوایا ہوگا تا کہ لوگ کم کھانا کھائیں۔" میں نے انتہائی ناگواریت سے اس خاتون کو تکا۔

ایک گھر کا ایک اہم فرد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے رخصت ہو گیا ہے، بچوں کے سر سے ماں کا سایہ چھن گیا اور ان لوگوں کا نقطہ نظر صرف اور صرف کھانے کے ذائقے پر ٹھہرا رہا۔

میں نے ساس کو اشارتاً چلنے کا کہا تو وہ بھی ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

میں سوچ رہی تھی کہ یہ دنیا ابتداء ہی سے بے حس تھی یا اب بدلتے ماحول کے تقاضے، مشینی دنیا، انسان کو بے حس کرتی جا رہی ہے۔

قصور تو جدید اوزار اور جدید ایجادات کا بھی نہیں، اگر انسان بس انسان بن کر رہے مگر پہلا مسئلہ ہی یہ ہے کہ انسان کو انسان ہونا بھی راس نہیں، ہاں! وہ غالب کا مصرعہ یاد آ گیا کہ "آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا۔"

دراصل یہ انسانی خوش گمانیاں، انسانی شعور کو چاٹ بیٹھی ہیں، انسان اپنے نظریات اونچے دکھاتے ہوئے اندھا دھند چل رہا ہے اور اس کے قدموں سے اڑتی دھول اس کے شعور پر گرد جماتی جا رہی ہے۔

میں آگے بڑھ رہی تھی کہ ایک ادھیڑ عمر خاتون نے انتہائی افسوس بھری شکل بنا کر صغریٰ خالہ کے بچوں کے لیے چند فقرے کہے وہ کچھ یوں تھے۔

"بے چارے بچے تو رل گئے جتنا خیال ماں رکھتی ہے، کوئی دوسرا نہیں رکھتا۔" میرے لبوں پر تلخ مسکان نمودار ہوئی۔

صغریٰ خالہ تو چلی گئیں، اپنے عزیزوں کو، زندگی بھر کا صدمہ دے کر۔ مگر یہ لوگ جن کے لیے شاید یہ موقع تفریح تھا، یہ لوگ پھر آئیں گے، کچھ تفریح کرنے، کچھ ٹولیوں میں اپنے مسائل حل کرنے، کچھ انتہائی گرے درجے کے جملے ادا کرنے یا پھر کھانا کھانے...... پیٹ بھرنے...... میں سوچوں کی بھول بھلیاں سے گزرتے ہوئے بیرونی گیٹ عبور کر گئی۔

......☆......

Rinadigest.com

قمروش شہک

بانہوں کے حصار میں

رائب ملک نے ڈپلیکیٹ چابی سے دروازہ کھولا۔ سامنے انشراح بیڈ پر بیٹھی پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے ہوئے پانی پی رہی تھی۔ آہٹ پر اس نے دروازے کی جانب دیکھا تو دل دھک کر کے رہ گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ رات کے تیسرے پہر وہ اس کے روم میں کیا کر رہا تھا۔ یہی خوفناک سوچ سوچتے ہوئے اس کا ہاتھ کانپا اور کانچ کا گلاس ہاتھ سے نیچے قالین پر گر گیا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی کارروائی کرتا انشراح

سوچا بھاگ کے واش روم میں جا بند ہو گی مگر رائب ملک اس سے کہیں زیادہ شارپ تھا اس کا ارادہ ...پ کر اس کی نازک سی کلائی تھامی اور اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔ وہ کسی موم کی گڑیا کی طرح اس کے وجود کا ...ی تھی۔

''سوری سویٹ ہارٹ اب جذبات پر قابو نہیں خود پر کوئی اختیار نہیں رہا، تمہاری قربت اور فرقت کی ...ت سے طلب جاگی ہے اس دل میں۔''

خمار آلود لب و لہجے میں کہتا ہوا وہ ایک پیاری سی شرارت کر گیا اور پھر ان شرارتوں اور گستاخیوں کی ...انی وہ اس کے وجود پر لکھتا چلا گیا۔

''اللہ کرے تم مر جاؤ، تمہارا ایکسیڈنٹ ہو جائے سارے غنڈے چور پکڑ کے تمہیں ماریں، آسمان

قسط نمبر 6

سے بجلی گرے تم پر۔ زلزلہ آئے اور تم اس میں دفن ہو جاؤ۔'' انشراح کے منہ میں جو آ رہا تھا وہ جھولی بھر بھر کے بددعائیں دے رہی تھی اور ساتھ ساتھ جو کچھ ہاتھ میں آ رہا تھا وہ کھینچ کھینچ کر اس کو مارتی جا رہی تھی اور رائب ملک اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہنسے جا رہا تھا، اپنے بچاؤ کے لیے کبھی اِدھر ہوتا تو کبھی اُدھر اور کبھی کشن یا کوئی شوپیس وغیرہ کیچ بھی کر لیتا۔

''انشراح! میری بات تو سنو۔'' وہ اس کے پاس آنے کی کوشش کرتا مگر انشراح کوئی نہ کوئی شے اٹھا کر اس کو دے مارتی۔

''انشراح۔''

''خبردار جو میرے پاس آئے بھی تو میں جان لے لوں گی تمہاری۔'' اس کا غصہ ساتویں آسمان سے بات کر رہا تھا اس کا بس چلتا تو ابھی اس کا قتل کر دیتی اس کو جان سے مار دیتی۔

''انشراح اب بہت ہو گیا میری بات سنو اب تم۔''

بالآخر رائب ملک اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا اور اس کو دونوں شانوں سے تھام کر اپنے نزدیک کیا۔ وہ اس کے چھونے سے مزید بدک گئی تھی۔ پوری طرح خود کو چھڑانے کی مزاحمت کرنے لگی تھی۔

''چھوڑو مجھے بدتمیز انسان، بدمعاش، غنڈے۔'' انشراح بہت زور زور سے رائب ملک کے چوڑے سینے پر اپنی مٹھی کے مکے بنائے مار رہی تھی اور رائب ملک ڈھیٹ بنا صرف ہنستا ہی جا رہا تھا اسے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا نہ ہی اس کو انشراح کی گالیاں بری لگ رہی تھیں، بلکہ وہ تو اس پل کو اس لمحے کو اس وقت کو انجوائے کر رہا تھا۔ وہ خوش تھا مطمئن تھا کہ اس نے اپنے نام کی مہر کے ساتھ ساتھ اپنے والہانہ پیار کی بھی مہر ثبت کر دی تھی۔

''اوہ مائی لولی لائف۔''

''دائم۔'' آنکھ مسلتی، نیند میں ڈوبی آواز لیے انابیہ بیڈروم سے باہر آئی تھی اس کی اچانک آمد پر صوفے پر بیٹھا دائم بری طرح گڑبڑا کے رہ گیا تھا۔

''انا...... انابیہ...... تم...... تم کیوں اٹھ گئیں۔'' گڑبڑاہٹ اور لڑکھڑائی آواز نے انابیہ کی نیند اڑا دی تھی۔

''دائم! تم اتنا گھبرا کیوں گئے ہو سب خیریت تو ہے نا۔''

''ہاں بالکل!'' دائم خان کھڑا ہو گیا اور ایک نظر اوپر انشراح کے روم کے دروازے کی جانب دیکھا اور انابیہ کے پاس آیا۔

''چلو آؤ...... روم میں چلتے ہیں۔'' دائم خان نے اس کے شانے پر اپنا بازو حمائل کیا، جسے انابیہ نے آہستگی سے ہٹا دیا تھا۔

''نہیں کوئی تو بات ہے مجھے شک ہو رہا ہے کسی گڑبڑ کا احساس شدت سے ہو رہا ہے۔''

''پاگل ہوئی...... ہو...... کیا...... کیسی گڑبڑ...... تمہارا وہم...... ہے۔'' لڑکھڑاتے لب و لہجے اور ٹوٹے الفاظ میں یقیناً کچھ تو ایسا تھا جو دائم خان اس سے چھپا رہا تھا۔ ایسا کیا تھا جس پر وہ پردہ ڈال رہا تھا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ اوپر انشراح کے روم کی طرف کیوں دیکھ رہا تھا۔ بالآخر تصدیق ہو گئی، شک کو یقین کی زبان مل گئی، تیزی سے سیڑھیاں اترتے رائب ملک نے اس کے سارے شک و شبہات دور کر دیے۔ دائم

...ان کی گھبراہٹ اور لڑکھڑانا اس کو ساری بات سمجھا گیا تھا۔ رائب ملک کی نظر بھی انابیہ پر پڑ چکی تھی وہ ...ب سا سر کھجاتا سر نیچے کیے مسکراتا ان دونوں کے پاس آ ٹھہرا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' حیرانگی بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''یہ انشراح سے ملنے آیا تھا اور یار اس میں غلط بھی کیا ہے انشراح اس کی بیوی ہے۔'' دائم خان نے ...ور طریقے سے اس کی سائیڈ لی تھی۔

''تمہارا لب و لہجہ تو کچھ دیر پہلے کافی لڑکھڑا رہا تھا گھبراہٹ تمہارے انداز سے ختم نہیں ہو رہی تھی۔ ...ل میمنے بنے ہوئے تھے ایک دم سے یہ بہادری کا سرٹیفکیٹ اچانک سے کیسے مل گیا۔'' انابیہ نے دائم خان ...ور کے دیکھا تھا اس کو دائم خان کی بات خاص پسند نہیں آئی تھی۔

''اور تم......!'' انابیہ کا رخ اب رائب ملک کی جانب ہوا تھا۔

''تم سدھرو گے نہیں نا، رائب ابھی انشراح بہت چھوٹی ہے زور زبردستی کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی، ...نچ کے ٹکڑوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو جائے گی، وہ کوئی شہر کی الٹرا ماڈرن یا ہائی سوسائٹی کی لڑکیوں کی طرح ...ڈرپ یا بولڈ نہیں ہے وہ گاؤں دیہات میں رہنے والی وہاں کے ماحول وہاں کی آب و ہوا میں پلی بڑھی ...سیدھی سادھی سی لڑکی ہے۔ وہ ویسے ہی تم سے ہر وقت نالاں رہتی ہے ناراض اور خفا ہے تم سے۔ تم اور ...کے جذبات واحساسات کو مجروح کر کے اسے خود سے ہی بدظن کر رہے ہو۔ سچے اور کھرے جذبوں ...ندھی لڑکی ہے انشراح، مگر تم اس کو اس کے صاف و شفاف دل کو اپنی من مانی کر کے خود سے مزید دور ...و گے۔'' انابیہ کو رائب ملک نے آج بہت دکھ دیا تھا۔

''اب میں جا کر دیکھوں وہ رو تو نہیں رہی۔'' انابیہ کو انشراح کی فکر ہو گئی تھی۔

''وہ سو رہی ہے میں نے اس کو نیند کی گولی کھلا کے سلا دیا ہے۔'' انابیہ کے آگے بڑھنے سے پہلے ہی ...ب ملک نے کہا۔

''واٹ!'' انابیہ اور دائم خان نے ایک ساتھ حیران ہو کر دیکھا تھا۔

''شاباش!'' انابیہ نے بھرپور انداز میں طنز کیا تھا اور پھر شکایتی نظروں سے گھورتی وہ انشراح کے روم ...جانب بڑھ گئی۔

''بہت ہی بڑا بے غیرت اور کمینہ ہے تو پوری پلاننگ کر کے آیا تھا۔''

''کیا کروں کسی کی نیند بھی تو ڈسٹرب نہیں کر سکتا۔'' شوخ سی مسکراہٹ لیے وہ دائم خان کو دیکھنے لگا۔

''پکا ڈھیٹ ہے اب دفع ہو جا اس سے پہلے کہ وہ ہٹلر کی بھتیجی واپس آ جائے۔'' دائم خان کے انداز پر ...ب ملک ہلکے سے ہنس دیا تھا۔

☆......☆

''اری او رحمت۔'' زبیدہ جہاں نے صفائی کرتی رحمت کو پکارا۔

''جی بڑی سرکار!'' رحمت سارا کام چھوڑے زبیدہ جہاں کے پاس چلی آئی۔

''کہاں چھپی بیٹھی ہے وہ مہارانی اور کتنے دن تک بستر پر پڑی رہے گی آج پورے پانچ دن ہو گئے ...خون بہا میں آئی ہے وہ کم ذات نا کہ یہاں عیاشی کرنے۔'' زبیدہ جہاں کے لب و لہجے میں ارش... ...بے انتہا نفرت تضحیک و تحقیر تھی۔

Ridadigest.com

''بڑی سرکار! وہ آ گئی ہیں اور کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔''

''اچھا!'' زبیدہ جہاں نے اچھا کو لمبا کر کے کھینچا تھا۔

''تجھے پتا ہے آج صبح اس کے ماں باپ کی موت ہو گئی ہے گھر کی چھت گر گئی ہے۔ دونوں گھر کے ہی تھے، ہونہہ۔'' ان کے چہرے پر عجیب سی پرسکون سی مسکراہٹ تھی اور جس طرح وہ زور زور سے قہقہہ لگا رہی تھیں رحمت بس یہی سوچ رہی تھی کہ اربش نہ سن لے وہ ابھی ابھی بخار سے اٹھی تھی۔ ذہنی طور پر بھی تکلیف میں تھی اگر یہ روح فرسا خبر سن لی تو بہت مشکل ہو جائے گی اس کو سنبھالنے میں۔

مگر وہی بات ہے نا کہ جو اور جیسا ہم سوچتے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

پیچھے کچھ گرنے کی آواز آئی تھی۔ دونوں نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہاں اربش سناٹے میں کھڑی تھی، کے ہاتھ میں اسٹیل کے بڑے سے تھال میں ہری مرچیں تھیں جنہیں شاید وہ دھوپ میں رکھنے جا رہی تھی، وہاں زبیدہ جہاں رحمت کی بات سن لی تھی۔

''اربش۔'' رحمت کا دل کانپ کر رہ گیا تھا۔

''اماں، ابا......''

اربش کا سکتہ ٹوٹا تھا اس کے اعصاب پل بھر کے لیے منجمد ہو گئے تھے یکدم سے ہوش و حواس نے کام کیا تھا، وہ اپنے آس پاس کے لوگوں سے بے خبر تیزی سے باہر داخلی دروازے کی جانب بھاگی تھی یہ بھی نہیں کہ دونوں پاؤں سے چپلیں اتر گئی ہیں سر پر ڈالی چادر ڈھلک کر کندھے پر گری اور پھر نیچے فرش پر گری تھی۔

''اے لڑکی رک!''

زبیدہ جہاں زور سے چیخی تھیں۔ مگر اربش تو کب سن رہی تھی اس کے کانوں میں تو اس کے ماں باپ کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ رونے کی تڑپنے کی آوازیں آ رہی تھیں وہ لوگ بلا رہے تھے اس کو پکار رہے تھے، اسے ہر حال میں ان کے پاس پہنچنا تھا، ان کے کفن میں لپٹے وجود سے لپٹ لپٹ کر روئے ان سے پوچھے کہ کیوں چھوڑ گئے اس کو یہاں، اس دنیا میں اکیلا تنہا کیوں چھوڑ گئے۔ ایک آس تو تھی کہ ہاں وہ ہیں زندہ ہیں اس کا حوصلہ اس کی برداشت اس کا صبر صرف ایک اسی سوچ پر تو ٹکا تھا کہ ہاں اس کے لیے کرنے والے ماں باپ اس کے سر پر سلامت ہیں مگر اب شاید سب کچھ ختم ہو گیا تھا، وہ چلے گئے۔

اربش اس سے پہلے کہ بھاگتی ہوئی داخلی دروازے سے باہر نکل جاتی راہ میں حائل سالار شاہ نے بازو پھیلا دیا تھا۔ بھاگتی ہوئی اربش اس کے پھیلے ہوئے بازو سے ٹکرائی تھی۔ اربش نے بمشکل خود کو گرنے سے بچایا تھا اور سنبھلتی ہوئی سیدھی ہوئی اور اس کو دیکھنے لگی۔

''شاہ سائیں! رحم...... مجھے جانے دیں۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے تھے، تڑپتی رہی اور زار و قطار رو کے جانے کی بھیک مانگتی رہی مقابل بھی ظالم و جابر سالار شاہ تھا جس کے آگے تو شاید فرعون کی فرعونیت بھی کچھ نہیں، پتھر دل، سخت اور کٹھور بنا وہ فاتحانہ مسکراہٹ لیے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''اس وقت تمہیں اس حالت میں دیکھ کر جس قدر مجھے سکون اور قرار مل رہا ہے اس کا اندازہ تم نہیں کر سکتی ہو۔''

''رب سائیں کا واسطہ ہے آپ کو مجھے میرے اماں، ابا کو آخری بار دیکھنے دیں، ان کا چہرہ دیکھنے دیں، ...ے گئے ہیں منوں مٹی تلے دفن ہونے سے پہلے مجھے آخری بار ان کا دیدار کرنے دیں، مجھ سے یہ حق ...نہیں، آپ...... آپ جو کہیں گے میں وہ کروں گی۔''

...الار شاہ نے ہاتھ بڑھا کر اپنی مٹھی میں اس کی نازک سی گردن جکڑ لی تھی۔ اربش ہونق سی رہ گئی اس ...اپنے دونوں ہاتھ سالار شاہ کے ہاتھ پر دھر دیئے تھے۔ سالار شاہ کے ہاتھ کا دباؤ بڑھا تو اربش کی ...آنکھیں جیسے باہر آ گئی ہوں۔ چہرے کی رنگت موت کے سائے سے بدلنے لگی تھی، سانس تھمنے لگا تھا، ...کی رفتار ہلکی ہو گئی تھی، سالار شاہ نے بغور اس کی یہ بگڑتی حالت دیکھی اور پھر ایک جھٹکے سے پیچھے کی ...پھینکا تھا، وہ سیدھا نیچے ماربل کے صاف شفاف چمکتے فرش پر گری تھی اور سینے پر ہاتھ رکھے بری طرح ...رہی تھی۔ سانس بحال ہونے لگی تھمتی دھڑکنیں اعتدال پر لانے کی کوشش کر رہی تھی، دور کھڑی ...جہاں یہ سارا ڈرامہ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں جیسے یہ کوئی حقیقت نہیں بلکہ ٹی وی پر چلتا کوئی ...ی ڈرامہ ہو، لبوں پر طنزیہ اور استہزائیہ مسکراہٹ لیے انہوں نے ماربل کے فرش پر بیٹھی اربش کو ...کے بعد فخریہ نظروں سے اپنے جی دار بہادر لمبے چوڑے بیٹے سالار شاہ کو دیکھا تھا سالار شاہ وہاں ...تا اور زبیدہ جہاں کے پاس چلتا ہوا آیا۔

''ضویا شاہ کوئی معمولی شے نہیں تھی بے بے، اس کی جان بہت قیمتی تھی اور اس کی موت رائیگاں نہیں ...ی، اپنی ایک ایک سانس دے کر بھی یہ لڑکی بدلہ چکائے تو کم ہے۔'' اس کے لب و لہجے میں نفرت ...نفرت بول رہی تھی۔

''جی میرے لال! میں ہی نہیں میری ضویا شاہ بھی وہاں بہت خوش ہو گی اس کی روح کو بہت سکون ...ہ۔'' زبیدہ جہاں نے سالار شاہ کو خود سے لگایا تھا اور پھر واپس کینہ توز نظروں سے اربش کو دیکھتی سالار ...ے ہمراہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے جانے کے بعد بے قرار و بے چین سی رحمت تیزی سے پانی کا ...یے مستقل کھانستی اربش کی جانب بڑھی تھی۔

☆......☆

''...بات کی۔'' تبریز نے میکرونی کھاتے دائم خان کی طرف دیکھا تھا۔

''...نہیں یار۔''

''...تو اتنی بے فکری سے رہا ہے، جیسے سارا معاملہ فٹ ہو گیا ہو۔'' دائم خان کے مطمئن و پرسکون ...تبریز خان نے گھور کے دیکھا تھا۔

''...اصل میں انابیہ نے اتنے پیار سے بنایا ہے تو میں نے سوچا پہلے پیٹ پوجا کر لی جائے اس کے بعد ہی ...وں گا۔'' میکرونی کا ایک اور بھر کے چمچہ منہ میں ڈالا تھا۔

''...ہاں اس کے بعد تو شاید تو مرنے والا ہے تجھے کبھی کچھ کھانے کو نصیب نہیں ہو گا۔'' سلگتے ہوئے اس کو ...نے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

''...فکر مت کر اور نہ ٹینشن لے میں پہلے انابیہ کو مناؤں گا پھر ہی بی بی جان سے بات کروں گا اور ان کو ...دے کر قائل بھی کر لوں گا۔''

''...کہ مجھے ایسا ممکن نظر نہیں آ رہا۔''

''ارے تبریز بھائی! آپ کب آئے۔'' اسی اثناء میں انابیہ بھی وہیں چلی آئی تھی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا ہوں۔'' تبریز نے ملائمت بھری مسکراہٹ لبوں پر سجائی تھی، ورنہ دائم خان حرکتوں اور باتوں نے تو صحیح معنوں میں اس کو سلگایا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے اب آپ رات کا ڈنر ہی کر کے جائیں گے۔'' حق میزبانی ادا کرتے ہوئے وہ دائم خان کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔

''جیسی آپ کی خوشی انابیہ بھابی! ورنہ لوگوں کو تو صرف اپنے کھانے کی فکر ہے۔'' تبریز خان کی اندر اندر جان جل رہی تھی وہ جس قدر ٹینشن میں تھا دائم خان کے کھانے سے وہ اتنا ہی بے فکر ہو کر ٹھونسنے میں ہوا تھا۔ انابیہ نے مسکراتے ہوئے دائم خان کو دیکھا تھا۔

''انابیہ بیٹا!'' بی بی جان اپنے بیڈ روم سے نکلی تھیں وہ مغرب کی نماز پڑھ کے ہی آئی تھیں، نماز کی طرح ہمہ وقت دوپٹہ ان کے بندھا رہتا تھا، یہ مقدس و پاکیزہ وجود انابیہ کو بہت عزیز تھا۔ ماں، باپ کو تو اس نے دیکھا نہیں تھا۔ بی بی جان ہی اس کی زندگی اس کی کل کائنات اس کی جان تھیں وہ ان کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

بی بی جان کی آمد پر وہ اٹھی اور ان کے پاس آئی تھی۔

''آئیے بی بی جان!''

تبریز خان اور دائم خان دونوں نے سلام کیا جس کا نرمی سے جواب دیتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گئیں ان کے بیٹھنے کے بعد دائم خان اور تبریز خان جو ان کی آمد پر عقیدت واحترام سے کھڑے ہو گئے تھے ان کے بیٹھنے کے بعد خود بھی اپنی اپنی نشست سنبھال لی تھی۔

''مجھے آپ دونوں سے کچھ کہنا تھا۔'' بی بی جان نے باری باری دائم خان اور انابیہ کو دیکھا تھا۔

''جی بی بی جان کہیے۔''

''امریکہ سے میرے اور آپ دونوں کے لیے شادی میں شرکت کرنے کا انوی ٹیشن کارڈ آیا ہے'' تبریز خان نے چونک کر دائم خان کو دیکھا، دائم خان کی بھی یہی حالت تھی اور اس سے پہلے کہ وہ اپنا فیصلہ سناتیں تبریز خان نے آنکھ کے اشارے سے دائم خان کو بات کرنے کے لیے کہا۔

''واؤ!'' انابیہ تو خوشی سے چہکی تھی۔

''بی بی جان ہم ضرور چلیں گے، کیوں دائم پتا ہے صرف میں اور بی بی جان ہی یہاں پاکستان میں ہمارے تو سارے رشتے دار امریکہ میں ہیں۔ بی بی جان اتنا وقت گزر گیا سب سے ملے میں تو ضرور چلوں گی۔''

بی بی جان اس کی خوشی پر ہولے سے مسکرا دیں۔ تبریز نے دائم خان کو دیکھا اور پھر انابیہ کے خوشی سے چمکتے چہرے کو اور اس کے چہرے پر بڑا سا سوالیہ نشان تھا کہ اب کیا ہوگا، بی بی جان کی نظر دائم خان پر پڑی تھی ان کی زیرک نگاہوں نے فوراً ہی اس کی پریشانی بھانپ لی تھی۔

''دائم بیٹا۔''

''جج...... جی......'' دائم خان اپنی گہری سوچوں سے چونکا تھا۔

''بیٹا! سب خیریت ہے مجھے آپ پریشان لگ رہے ہیں ہو اگر کوئی بات پریشان کر رہی ہے تو مجھے

بھی آپ شیئر کر سکتے ہیں۔'' بی بی جان کے کہنے پر انابیہ نے اپنے برابر میں بیٹھے دائم خان کو دیکھا تھا جو بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

''بی بی جان! وہ...... وہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے بی بی جان کو دیکھا پھر انابیہ کو۔

''ہاں تو کہیے اتنا گھبرا کیوں رہے ہیں۔''

''دراصل بات یہ ہے کہ اسلام آباد سے آغا خان اور اماں جان کا فون آیا تھا۔''

''یہ تو گڈ نیوز ہے اس میں اتنی پریشانی والی کیا بات ہے۔'' بی بی جان کو بھی بہت خوشی ہوئی تھی مگر دائم خان کی پریشانی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''وہ مجھے اور انابیہ کو وہاں بلا رہے ہیں۔''

''یہ تو اور زیادہ خوش خبری کی بات ہے مگر بیٹا جو بات آپ کو پریشان کر رہی ہے۔ وہ ابھی تک آپ مجھے نہیں بتا رہے۔''

''دائم! کیا بات ہے کیوں سسپنس پھیلا رہے ہیں۔'' انابیہ نے کہا وہ بھی اصل وجہ جاننا چاہتی تھی۔

''میں انابیہ کو لے کر اسلام آباد جانا چاہتا ہوں۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گیا جب کہ تبریز خان کی سانسیں تھم گئیں جانے ان کا فیصلہ کیا ہو۔

''تو بیٹا اس میں کیا پرابلم ہے انابیہ آپ کی، بیوی ہے اس کو کہاں لے جانا ہے کہاں رکھنا ہے اس کا فیصلہ تو آپ ہی کریں گے نا۔''

بی بی جان نے نہایت نرم وملائم لب ولہجے میں اس سے بات کی تھی، وہ سمجھ گئی تھیں اس کی پریشانی اور گھبراہٹ کا مطلب۔

''اور آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں یہاں اکیلی رہ جاؤں گی تو میں انشاءاللہ انہی چند دنوں میں امریکہ چلی جاؤں گی۔''

''انابیہ!'' بی بی جان نے خاموش بیٹھی انابیہ کو دیکھا۔

''جی بی بی جان!''

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''بی بی جان! اگر ہم شادی اٹینڈ کر کے اسلام آباد چلے جائیں۔'' اس کو اسلام آباد دائم خان کے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ اس کو تو خوشی بھی ہوئی تھی مگر تھوڑا دل میں ارمان بھی تھا امریکہ جانے کا۔

''شادیاں تو ہوتی رہیں گی یہ ہمارے لیے بہت خوشی کی اور تسلی بخش بات ہے کہ دائم کے آغا جان اور اماں جان نے تمہیں وہاں بلایا ہے، اس لیے پہلے تمہیں دائم کے ساتھ اسلام آباد جانا چاہیے۔''

''ہوں۔'' وہ صرف ہوں کر کے رہ گئی تھی، اس کا اداس چہرہ دیکھ کر بی بی جان کا دل تھوڑا مرجھا کے رہ گیا انہوں نے اپنے پاس جگہ بنائی۔

''ادھر آؤ میرے پاس۔'' انابیہ منہ بسورتی اٹھی اور بی بی جان کے پاس آ بیٹھی تھی۔

''میری جان بیٹیوں کی جب شادی ہو جاتی ہے تو انہیں یہ بات اپنے دل ودماغ میں نا صرف بٹھا لینی چاہیے بلکہ پلو سے بھی باندھ لینی چاہیے کہ ان کے لیے میکے سے زیادہ سسرال کی اہمیت ہونی چاہیے۔ سب سے پہلے سسرال کو فوقیت دو اس کے بعد میکے کی بات سنو۔ اپنے شوہر کے دل میں گھر بنانے کے لیے اس کی

Ridadigest.com

خوشی کا خیال رکھواور دائم کی خوشی تمہیں اپنے ساتھ اسلام آباد لے جانے کی ہے تو ہم بھی اسی میں خوش ہیں ہماری چہیتی پوتی اپنے سسرال میں بس رہی ہے۔ رہا امریکہ تو کوئی بات نہیں وہاں کوئی آخری شادی تھوڑی ہی ہے ابھی تمہارے اور کزنز باقی ہیں ان کی شادیاں اٹینڈ کر لینا۔'' بی بی جان نے انابیہ کو خود سے لگا نہایت ہی پیار و نرمی سے سمجھایا تھا۔ انابیہ ہر بات ان کی بغور سنتی اور سمجھتی مسکرا دی تھی۔

''آئی لو یو بی بی جان!'' اس نے بی بی جان کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔

''لو یو ٹو مائی سوئیٹ ڈیئر۔'' انہوں نے اس کے سر پر شفقت سے بوسہ لیا تھا۔

''چلو اب ہٹو عشاء کی اذان بھی ہو گئی ہے میں نماز عشاء ادا کرلوں پھر پیکنگ شروع کروں گی۔'' انہوں نے آہستگی سے انابیہ کو خود سے الگ کیا اور کھڑی ہو گئیں۔

''چلیں ایسا کرتی ہوں میں آپ کی پیکنگ کر دیتی ہوں۔''

''چلو آ جاؤ اور یہ انشراح کہاں ہے کافی دیر سے نظر نہیں آ رہی۔'' بی بی جان کی متلاشی نظریں اِدھر اُدھر ہو کر واپس انابیہ پر آ ٹھہریں۔

''وہ رات کے ڈنر کی تیاری کر رہی ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے تم یوں کرو انشراح کو میرے پاس لے آؤ مجھے کام ہے اس سے۔''

''جی بہتر۔''

''مجھے لگ رہا ہے انابیہ بھابی خوش نہیں ہیں۔'' تبریز نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''ارے نہیں تمہارا وہم ہے، خیر میں بعد میں بات کرلوں گا۔'' دائم خان نے واپس اپنی میکرونی کی پلیٹ اٹھالی تھی کانچ کے ٹیبل سے جوان لوگوں کے آگے رکھ دی تھی۔

''اِدھر دے مجھے بہت ٹھونس لیا اب میں سکون سے کھاؤں گا۔'' تبریز خان نے وہ میکرونی کی پلیٹ دائم خان کے ہاتھ سے چھین لی تھی۔ دائم خان سوائے گھورنے کے کچھ نہیں کر سکا تھا۔

☆......☆

کل کی فلائٹ سے بی بی جان امریکہ روانہ ہو چکی تھیں، انشراح کا آئی ڈی کارڈ پاسپورٹ ویزا ہوتا تو اس کو بھی اپنے ساتھ لے جاتیں مگر جاتے جاتے سختی سے انابیہ کو تاکید کر کے گئی تھیں کہ جتنی جلدی ہو انشراح کی ہر چیز ریڈی کروا کے فوراً اسے امریکہ بھیجو میرے پاس۔''

''انابیہ۔'' دائم خان نے آہستگی سے پکارا تھا۔ انابیہ جو وارڈ روب میں گھسی اپنی ضروری استعمال کی اشیاء نکال رہی تھی دائم خان کی پکار پر پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔

''ہاں بولو۔''

''بولیے...... !کتنی بار سکھانا پڑے گا عادت ڈال لو۔'' اس کے یوں بے تکلف ہو کر بولنے پر دائم نے فوراً ٹوکا تھا جس پر انابیہ ہولے سے ہنس دی اور چلتی ہوئی اس تک آئی تھی۔

''او کے میرے سرتاج فرمائیے میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' انابیہ اس کے آگے کورنش بجا لائی۔

''تمہارے ہی بھلے کے لیے کہتا ہوں اسلام آباد میں وہاں سب کے سامنے اس طرح بات کرو گی تو سب سے پہلے اماں جان تمہیں ٹوک دیں گی۔'' مگر انابیہ کچھ نہیں بولی خاموشی سے مسکرا کے سر جھکا گئی۔

''اچھا اِدھر آؤ یہاں میرے پاس بیٹھو۔'' انابیہ خاموشی سے اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔ خاموشی

برقرار تھا۔ نظریں دائم خان کے سنجیدہ چہرے پر جما دیں۔

''تم میرے ساتھ اسلام آباد جانے پر خوش ہو نا؟''

انابیہ نے اثبات میں اوپر نیچے سر ہلا دیا تھا۔

''تمہارے دل میں امریکہ اپنے کزن کی شادی میں نہ جانے کا کوئی ملال کوئی خلش تو نہیں نا؟''

انابیہ نے پھر سے اثبات میں اوپر نیچے سر ہلا دیا۔

''تم میرے اس فیصلے پر بھی خوش ہو نا کہ ہم زندگی بھر اب اسلام آباد ہی رہیں گے۔'' اس نے دوبارہ اپنا وہی عمل دہرایا تھا۔ اب کے دائم خان بری طرح چڑ گیا۔

''منہ میں زبان نہیں ہے گروی رکھ دی ہے کیا؟'' اس نے تپ کر انابیہ کو دیکھا تھا جس پر انابیہ نے اپنی بے ساختہ ہنسی پر کنٹرول کرتے ہوئے پرانا عمل دہرایا۔

''ارے!''

اور پھر بس...... جو انابیہ کا ہنسی کا فوارہ چھوٹا تو جیسے نہ رکنے کی قسم کھالی ہو۔

''بس پاگلوں کی طرح منہ پھاڑ کے قہقہہ لگاتی رہو، اس طرح اگر وہاں اسلام آباد میں ہنسی تو......'' باقی کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا انابیہ نے بڑھ کر اس کے لبوں پر شوخی کی ایک مہر ثبت کر دی تھی۔

دائم خان اس کی ایسی بے اختیاری پر دنگ ہی رہ گیا تھا۔ اسے انابیہ کی یوں بے تکلفی پر ہمیشہ سے شکایت رہی تھی پیار کا اظہار ہو یا محبت کا اظہار، عمل ہمیشہ پہل اس کی جانب سے ہوتی تھی اور وہ بے چارہ حیران ہی ہو کر رہ جاتا کتنی بار وہ ٹوک بھی چکا تھا کہ لڑکیوں جیسی تھوڑی سی شرم و حیا اپنے اندر لے آؤ مگر وہ ڈھیٹوں کی طرح جب قہقہہ پر قہقہہ لگاتی تو وہ مزید سلگ کر رہ جاتا۔

''میں یہاں تم سے کچھ امپورٹینٹ موضوع پر کچھ ڈسکس کرنا چاہ رہا تھا مگر تم اپنی فضول حرکتوں سے باز نہیں آتا۔'' دائم خان گھورنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکا بلکہ خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

''سچی دائم خان جب تم اس طرح شرماتے اور گھبراتے ہو تو دل کرتا ہے......'' وہ تھوڑا اور پاس آئی مگر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ دائم خان الجھی مگر سوالیہ نظروں سے اس کو دیکھنے لگا تھا۔

''تو کیا دل کرتا ہے آگے بھی تو بولو۔'' اس نے چڑ کے کہا۔

''دل کرتا ہے کہ تمہیں پورا کچا سالم ہی نگل جاؤں۔'' اس کے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں ڈالے وہ وحشیانہ انداز میں بولی تھی، دائم خان نے رخ پھیر کے اپنے سے نہایت نزدیک بیٹھی اپنی رگِ جاں کو بغور دیکھا جس کا ہنسی ضبط کرنے کے چکر میں پورا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ دائم خان بے اختیار ہنس دیا۔

''تمہیں تو میں بتاتا ہوں کہ ثابت سالم کون کس کو نگلتا ہے۔'' اور پھر دائم خان نے اس کی مرمریں کمر میں اپنا بازو ڈالے مزید اسے خود سے نزدیک کر لیا تھا، شوخیوں و شرارتوں کی یہ داستان طویل ہوتی چلی گئی کمرے میں دونوں کی ہنسی گونجنے لگی تھی۔

☆......☆

''انشراح! کیا کرو گی اکیلے گھر میں رہ کر۔ میں دائم کے ساتھ اسلام آباد جا رہی ہوں ابھی دو گھنٹے بعد کی فلائٹ سے بی بی جان امریکہ چلی گئی ہیں، نوری خود اپنے گاؤں جا رہی ہے تم بتاؤ کیا کرو گی یہاں اکیلی رہ کر اس لیے رائب کے ساتھ چلی جاؤ وہ تمہارا محافظ ہے تمہارا سہارا تمہارا شوہر۔''

پچھلے ایک گھنٹے سے وہ اس کو سمجھا رہی تھی مگر انشراح کی کسی بھی طرح ناہاں میں نہیں بدلی تھی وہ کسی طور رائب ملک کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں ہو رہی تھی۔ بس ٹسوے ہی بہائے جا رہی تھی۔

''تو انابیہ آپی آپ مجھے اپنے ساتھ اسلام آباد لے چلیں نا۔'' اس نے سو دفعہ کا دہرایا جملہ ایک بار پھ دہرایا۔

انابیہ نے ایک گہری سانس لی وہ اس کو سمجھا سمجھا کے تھک گئی تھی مگر وہ کسی قیمت پر نہیں مان رہی تھی، اس نے مدد طلب نظروں سے انشراح کے پیچھے کھڑے رائب ملک اور دائم خان کو دیکھا جن کی موجودگی سے انشراح قطعی لاعلم تھی، رائب ملک بھی اس کے بار بار انکار سے بے زار ہو گیا تھا بلکہ اب تو چہرے پر غصے کی لالی سی بکھرنے لگی تھی۔ دائم خان نے ہی اس کو آنکھ کے اشارے سے خاموش کروا رکھا تھا مگر اب احساس ہونا چاہیے تھا انشراح کو کہ انابیہ اور دائم خان کو دیر ہو رہی تھی۔ سامان سارا باہر رکھوایا جا چکا تھا اس بنگلے کے ہر روم کو لاکڈ کر دیا گیا تھا۔ مکمل تیاری تھی صرف انشراح کی وجہ سے دیر ہو رہی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ رائب کے ساتھ جانے میں کیا قباحت ہے۔'' اس کے مسلسل ٹسوے بہانے پر انابیہ کو ترس آ گیا۔ دل میں اس کے لیے ہمدردی سی ہو گئی کہ اگر بس چلتا تو واقعی وہ اس کو اپنے ساتھ اسلام آباد لے جاتی۔

''بس وہ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔'' انشراح نے نروٹھے پن سے کہا۔

پیچھے کھڑا دائم خان سر جھکائے مسکرا دیا تھا تو رائب ملک نے گھور کر اس کو دیکھنے کے بعد زدیدہ نظروں سے انابیہ کو دیکھا تھا۔

''انشراح! رائب اتنا خوب صورت ہینڈسم جنٹلمین، گڈ لکنگ، ڈیشنگ سا بندہ ہے لڑکیاں مرتی ہیں اس کی وجاہت پر۔'' انابیہ نے رائب ملک کا سرخ چہرہ دیکھ کر اس کو اور ستانا چاہا۔

''انابیہ آپی! آپ کو کل بتایا تھا کہ انہوں نے اس رات میرے ساتھ کیا کیا اور رہا لڑکیاں تو وہ سب کی سب اندھی ہوں گی جو ان پر مرتی ہوں گی۔''

اس نے تپ کر جواب دیا تھا مگر اس کے پہلے والے جملے پر رائب ملک کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، بلکہ دل تو چاہا کسی وزنی شے سے اپنا یا پھر اس بے وقوف و کم عقل لڑکی کا سر پھوڑ ڈالے، ساتھ کھڑے دائم خان کی ہنسی نے مزید جلتی پر تیلی کا کام کیا تھا۔

''بے غیرتوں کی طرح ہنسے ہی جاتا ہے اپنی بیوی تو سنبھالی نہیں جاتی۔'' رائب ملک کو دائم خان کی ہنسی اس وقت سخت زہر لگ رہی تھی۔

''اس انابیہ کی بچی کو تو میں بعد میں دیکھتا ہوں مگر اس وقت تو اپنی بیوی کی کم فہمی، کم عقلی پر ماتم کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔''

''شاباش اگر اور کچھ بھی بتانے کو رہ گیا ہو تو وہ بھی بتا دو۔'' اس کی برداشت ختم ہو گئی تھی، وہ بالآخر دہاڑ ہی گیا۔ اس کی موجودگی پر انشراح ہونق زدہ ہو کر رہ گئی تھی۔

''یہ..... دیکھا..... دیکھا آپ نے..... انابیہ آپی آپ ان سے کہیں یہ یہاں سے چلے جائیں۔ مجھے ان کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔'' اس نے ڈرتے ہوئے انابیہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور زور سے پکڑ لیا کہ مبادا اسے زبردستی لے ہی نہ جائے۔

''اچھا..... اچھا آپ مجھے..... مجھے بی بی جان کے پاس امریکہ ہی بھیج دیں۔''

''انشراح۔'' انابیہ کچھ بولتی کہ رائب ملک بول پڑا۔

''ہاں امریکہ بھیج دو کیونکہ امریکہ تمہارے گاؤں کے پیچھے جو ہے۔''

''کیا..... بی..... بی..... جان..... میرے..... گاؤں گئی ہیں۔'' ڈر و خوف کے مارے اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔ میدے جیسی رنگت پر اگر موت کے سائے لہرانے لگے تھے تو گلابی آنکھوں میں موت کی دہشت تھی، پل کے پل اس کا رواں رواں لرز اٹھا تھا۔ انابیہ کے ہاتھ پر رکھا اس کا ہاتھ کپکپا کے رہ گیا تھا۔ انابیہ کے ساتھ رائب ملک نے بھی اس کی بدلتی کیفیت دیکھی تھی۔ رائب ملک اور انابیہ دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

''انشراح! کیا بات ہے تم اس قدر خوفزدہ کیوں ہو گئی ہو؟''

''ہوں۔'' انشراح بری طرح چونک کر رہ گئی تھی۔

''انابیہ آپی! بی بی جان گاؤں کیوں گئی ہیں اگر..... اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ میں یہاں ہوں تو..... وہ مجھے مار دیں گے، وہ لوگ بہت ظالم ہیں۔'' اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''انابیہ!'' دائم خان کی پکار پر انابیہ نے اس کو دیکھا۔ وہ اپنی کلائی میں بندھی قیمتی واچ کی طرف اشارہ کرنے لگا۔

''انشراح! ہم لیٹ ہو رہے ہیں مگر تم فکر مت کرو میں ہر روز تمہیں فون کروں گی، تم اکیلی نہیں ہو میں ہوں تمہارے ساتھ۔'' انابیہ نے بڑھ کر اس کے رخسار پر پیار کیا اور آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیا تھا۔

''منع کیا تھا کہ کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کرو، وہ ابھی چھوٹی ہے مگر نہیں ٹائی ٹینک دیکھ کر خود کو اس دن والی ٹائی ٹینک کا ہیرو ہی سمجھنے لگا تھا۔''

چلتے چلتے دائم خان نے رائب ملک کو چھیڑنے والی نظروں سے دیکھا۔

''میں ٹائی ٹینک کا ہیرو نہیں تو کیا ہوا انشراح تو کیٹ ونسلیٹ ہے۔'' رائب نے ایک آنکھ دبا کر سرگوشی کی سرگوشی اتنی دھیمی بھی نہیں تھی کہ بالکل پیچھے چلتی انابیہ کے کانوں سے محفوظ رہتی۔

''شرم تو تم دونوں کو آتی نہیں وہ بے چاری پریشان ہے اور تم دونوں بکواس پہ بکواس کیے جاؤ۔'' انابیہ دونوں کو گھور کے دیکھا تھا۔

''اور تم، تمہیں تو بالکل بھی شرم نہیں آتی اپنی بیوی کو کیٹ ونسلیٹ سے ملا رہے ہو۔'' اس نے غصے بھری نظروں سے رائب ملک کو دیکھا۔

''لو میں نے کب انشراح کو اس سے ملایا ہے۔'' رائب ملک کی سمجھ میں انابیہ کی بات نہیں آئی تھی۔

''اوں۔'' اس نے اوں کو ذرا لمبا کھینچ کر آنکھوں کو بڑا کیا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' رائب ملک کی سمجھ میں اس کی ذو معنی بات اب سمجھ میں آئی تھی۔

''لڑکی میں اس کا فیس کیٹ سے ملا رہا ہوں، اب تمہاری سوچ پر میں کیا پابندی لگاؤں، یہ کام تو تمہارا دماغ ہی کر سکتا ہے۔''

''اوہ میں سمجھی کہ.....'' وہ شرمندہ ہو گئی اپنی سوچ پر۔

Riadigest.com

''تم کچھ بھی سوچ سکتی ہو اور بول سکتی ہو مگر کبھی عقل استعمال نہیں کر سکتی ہو۔'' دائم خان کو بھی موقع مل گیا وہ بھی اندر ہی اندر جھینپ سا گیا تھا۔

''بہر حال میں تو ایسی ہوں اور ایسی ہی رہوں گی۔''

شرمندگی کا خول زیادہ ٹائم تک نہیں رہا تھا۔

''اللہ ہی حافظ ہے میرے جگری یار کا۔'' رائب ملک نے خاص دائم خان کو سنانے کے لیے کہا تھا۔

''اپنی ویز اب تم لوگ نکلوا دیر ہو رہی ہے اور وہاں پہنچ کر مجھے فون کر دینا۔'' انابیہ اور دائم خان کو رخصت کرنے کے بعد وہ دوبارہ اندر آیا تھا، انشراح ابھی بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی گہری سوچوں میں محو تھی۔ ان سوچوں کی تکلیف اور کرب اس کے چہرے پر واضح دیکھی جا سکتی تھی ان گلابی آنکھوں کی ایک الگ ہی وحشت تھی درد کی کہانی رقم تھی۔ جو رائب ملک سمجھ نہیں پایا تھا مگر فی الحال ابھی سمجھنا بھی نہیں چاہتا تھا اور سمجھنے کے لیے ٹائم بھی بہت درکار تھا۔ ابھی یہاں سے نکلنا زیادہ ضروری تھا۔

''انشراح اٹھو چلو میرے ساتھ۔''

انشراح نے چونکتے ہوئے رائب ملک کو دیکھا اور اس کو دیکھتے ہی پھر سے وہ رات یاد آ گئی اس کے زخم ابھی تازہ تھے اور وہ پھر سے ان کو زخم زخم کرنے آ گیا تھا۔

''نہیں..... قطعی نہیں..... میں مر جاؤں گی مگر آپ کے ساتھ کسی صورت نہیں جاؤں گی۔'' وہ تنکتی ہوئی اٹھی تھی۔

''اور میں نے بھی کہہ دیا کہ تمہیں ہر صورت میرے ساتھ ہی چلنا ہے اور میرے ساتھ ہی رہنا ہے۔''

رائب ملک نے زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس کو اپنے مضبوط آہنی بازوؤں میں اٹھائے آگے نکلتا چلا گیا وہ چیختی رہی چلاتی رہی یہاں تک کہ اس کو اپنے مکوں سے بھی نوازتی رہی مگر رائب ملک کانوں کو بند کیے اپنی ہی کیے گیا۔

☆.....☆

''ضویا!''

زبیدہ جہاں رات کے تیسرے پہر بری طرح ڈر کے بیٹھی تھیں اے سی کی ٹھنڈک میں بھی ان کا پورا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا سانسوں کا تنفس دھونکنی کی مانند تیز چل رہا تھا، دل بری طرح دھڑک رہا تھا، خوف ان کے روم روم سے ٹپک رہا تھا، آنکھیں بس خالی منظر پر ٹھہر کر رہ گئی تھیں۔

''کیا ہوا پھر سے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا۔'' عالم شاہ نے لیٹے لیٹے ہی رخ موڑ کے زبیدہ جہاں کو دیکھا تھا۔

مگر زبیدہ جہاں کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، ان کا ہاتھ ابھی بھی یونہی بڑھا ہوا تھا جیسے وہ ضویا شاہ کو بچا رہی ہوں۔ عالم شاہ اٹھ کے بیٹھ گئے اور ان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر نیچے کر لیا۔

''پتا نہیں شاہ سائیں یہ خواب ہے یا حقیقت کیوں میں ہر رات ضویا شاہ کو اس قدر تڑپتا، سسکتا دیکھتی ہوں، کبھی دیکھتی ہوں وہ خون میں نہائی ہوئی ہے، کبھی دیکھتی ہوں اس کے جسم پر جگہ جگہ زخم پڑے ہیں سرخ نیل کے نشان اور آج تو عجیب ہی دیکھا۔

''کیا دیکھا؟'' عالم شاہ جو بغور سن رہے تھے زبیدہ جہاں کے چپ ہونے پر بولے۔

''یہی کہ اس کے سر سے کسی نے بڑے بے رحمی سے چادر کھینچ لی ہے۔'' زبیدہ جہاں کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

''اور وہ صرف سالار شاہ کو چیخ چیخ کر بلا رہی ہے۔ شاہ سائیں میری بیٹی اتنی اذیت میں کیوں ہے، کیوں وہ وہاں بے سکون بے چین ہے کیوں تکلیف میں ہے۔'' وہ سسک اٹھی تھیں۔

''کیونکہ ضویا شاہ کو اذیت دینے والے تکلیف دینے والے اس کو موت کے گھاٹ اتارنے والے ابھی اس زمیں پر زندہ ہیں، سلامت ہیں، یہی وجہ ہے کہ ضویا شاہ کو انصاف نہیں ملا اور وہ تمہیں ہر روز ہر رات اس طرح خواب میں نظر آتی ہے، مگر فکر مت کرو انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' عالم شاہ نے زبیدہ جہاں کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

''تم سالار شاہ سے کہو اس لڑکی کو کنویں میں پھینک دے اس کو بھی تو پتا چلے موت کا مزہ کیا ہوتا ہے، تڑپ تڑپ کر مرے گی تو ہماری ضویا شاہ کی سانسوں کا قرض اترے گا اس کی روح کو سکون ملے گا۔'' اس قدر سفاکیت آنکھوں میں، لب و لہجے میں اتنی شدید نفرت کہ نفرت بھی عالم شاہ کی نفرت دیکھے تو حیران رہ جائے شرمندہ ہو جائے۔

''اور تمہارے دل کو بھی قرار آئے گا۔''

''میں نے کہا تھا سالار شاہ سے۔'' زبیدہ جہاں نے اپنا بھیگا چہرہ صاف کیا تھا۔

''پھر کیا جواب دیا سالار شاہ نے۔''

''اس نے کہا مارنا چاہوں تو ابھی ہی مار دوں پل بھر میں قصہ بھی ختم اور اس کی زندگی بھی..... مگر.....'' زبیدہ جہاں خاموش ہو گئیں۔

''مگر..... مگر کیا.....؟'' وہ آگے کی بات جاننے کے لیے منتظر تھے۔

''مگر سالار شاہ کا کہنا ہے اور ماننا ہے کہ اربش کے جسم کو ہی نہیں اس کی روح اس کے روم روم کو وہ تکلیف وہ درد اور وہ اذیت دے گا جب تک اس کے اندر ٹھنڈک نہ پڑ جائے، جب تک وہ خود مطمئن نہ ہو جائے۔ خون بہا میں آئی ہے۔ شاہ سائیں ایک جھٹکے سے مارنا بہت آسان ہے مگر پل پل جو موت اسے دی جائے گی وہ باعث سکون ہو گی۔''

''ٹھیک کہتی ہو، سالار شاہ نے ثابت کر دیا۔ آخر کو بیٹا بھی وہ میرا ہے، میرا فخر میرا غرور، مجھے ناز ہے اپنے بیٹے پر۔'' عالم شاہ کے لب و لہجے میں غرور بول رہا تھا۔

''ہوں۔'' زبیدہ جہاں نے صرف ہوں پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''میں پانی لاتا ہوں۔''

عالم شاہ روم میں رکھے چھوٹے سے فریج کی جانب بڑھے تھے۔

آج رات اربش کو بیڈ روم میں آنے میں آدھا گھنٹہ دیر ہو گئی تھی، شام کو ڈیرے پر عالم شاہ اور سالار شاہ سے باہر سے مہمان آئے تھے کل دس افراد تھے مگر کھانا تقریباً تیس لوگوں کا بنانا پڑا تھا وہ بری طرح تھک گئی تھی۔ جسم کا ایک ایک جوڑ دکھ رہا تھا۔ ہڈیاں درد کے مارے چور چور ہو رہی تھیں مگر پھر بھی اسے ہی سارا کام کرنا تھا۔ وہ سبھی ڈیرے سے برتن نہیں آئیں گے مگر سالار شاہ کے حکم پر ملازم سارے گندے برتن بھی لے آیا تھا، وہی دھونے میں اتنا ٹائم لگ گیا تھا، رحمت بھی چلی گئی تھی ورنہ تھوڑی مدد ضرور کروا دیا کرتی تھی۔

اسی لیے اپنا سارا کام نمٹا کے وہ بیڈروم میں داخل ہوئی تھی۔ کچن سے بیڈروم تک آنے میں اس نے ہزاروں بار بس ایک یہی دعا شدت سے کی تھی کہ ''یا اللہ! شاہ جائیں سو چکے ہوں کیونکہ ان کی دی ہوئی سزا برداشت کرنا بہت مشکل ہو جاتی ہے جو جسم کے ساتھ ساتھ روح پر بھی بھاری پڑتی ہے۔'' مگر کیا کرتی قبولیت کی گھڑی ابھی اس کے نصیب میں نہیں تھی پل بھر کا سکون چین آرام اس کا مقدر نہیں تھا۔

کچھ لوگوں کی
قسمت رب نے ایسی
بنائی ہے
جب اس کے پیالے میں
سیاہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا!

''ہاں میں نے صبا شاہ کے نام پر بنائی جانے والی کمپنی کی ڈیٹیلز لندن کی کمپنی میں فیکس کر دی ہیں۔''

سالار شاہ موبائل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا کہ آہٹ پر دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ اربش کو بھرپور نظروں سے اس نے دیکھا تھا۔ ڈری گھبرائی سہمی سی وہ آہستہ آہستہ قدموں سے اندر آ رہی تھی۔ کپڑے وہی ملگجے سے شکن آلود ہو رہے تھے کچن میں کام کر رہی تھی جس کی وجہ سے آگے کی شرٹ گیلی ہو رہی تھی جبکہ چہرے پر جا بجا آٹے کی خشکی تو کہیں تو سے کی کالک لگی ہوئی تھی، سالار شاہ نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک دیا تھا۔ وہ بے چاری مزید خوفزدہ ہراساں ہو گئی تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے بے دردی سے مروڑ رہی تھی دل بہت بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بھلے ہی وہ پورا دن کسی بھی حالت میں کیوں نہ رہے مگر رات کو سالار شاہ کے پاس آنے کے لیے خوب سج سنور کے خوشبوؤں میں بسا وجود چاہیے اس کا۔

''کل ساری میل چیک کر کے مجھے انفارم کر دینا۔''

اور پھر موبائل آف کر کے پیچھے سائیڈ ٹیبل پر اچھال دیا تھا۔ پھر سے رخ موڑ کے لبوں پر اس کا سہما خوفزدہ چہرہ دیکھا تھا۔ سالار شاہ کے لبوں پر پراسراری مسکراہٹ تھی آنکھوں میں انتقام کی الگ ہی چمک تھی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا اور ہتھیلی کی پشت سے دھیرے سے اس کا سپید پڑتا رخسار چھوا تھا، اربش کی اس لمس پر جیسے جان سولی پر لٹک گئی ہو، دل کی دھڑکتی دھڑکنوں کا کوئی شمار نہیں تھا، جھکی گھنیری پلکیں لرزنے لگی تھیں۔ سیاہ نین نہ چاہتے ہوئے بھی سمندر سے بھرنے لگے تھے۔ معصوم سے اس چہرے پر دنیا جہاں کی دہشت ہلکورے لے رہی تھی۔ سالار شاہ نے نہایت سکون سے اس منظر کو تکا تھا دل میں ایک ٹھنڈک کی پھواری پڑنے لگی تھی مگر یہ ابھی بھی کم تھی۔ اس نے اربش کا نازک سا بازو نہایت ہی بے رحمی سے پکڑا تھا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا واش روم کی جانب لے کر آیا تھا، اس کو سائیڈ میں کھڑا کیا اور اپنی مطلوبہ شے ڈھونڈ کر لے آیا۔ ایک بڑا سا اسٹول اس پر بڑا سا ٹب رکھ دیا اور پانی سے پورا بھر دیا تھا۔ اربش کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا آخر وہ کر کیا رہا ہے اور جب ٹب پورا پانی سے بھر گیا تو سالار شاہ نے نل بند کر دیا تھا اور پھر پلٹے بغیر اس کی کلائی تھامی ٹب کے آگے کیا بالوں سے زور سے پکڑ کے اس کا پورا سر اس بھرے ہوئے ٹب میں ڈال دیا تھا۔ وہ پھڑ پھڑا کے رہ گئی، اتنی سردی میں اتنا یخ ٹھنڈا پانی اس کی تو جان ہی نکل گئی ایسا محسوس ہوا جیسے دہکتے کوئلوں میں اس کا وجود دھکیل دیا ہو۔ (جاری ہے)

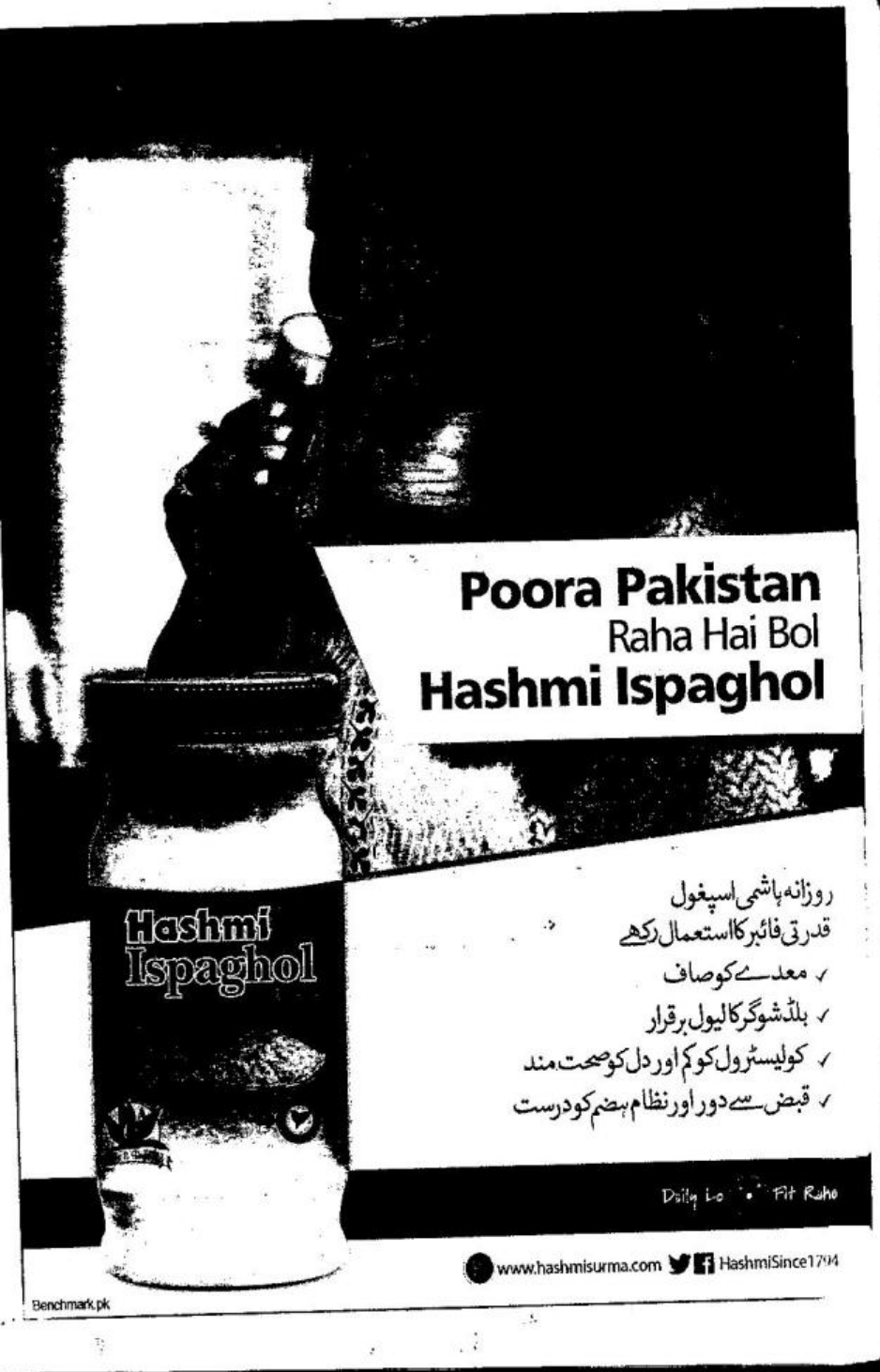

رمنا نور

مایوسی کفر ہے

وہ آج شام پھر مایوس لوٹا تھا اور اسی مایوسی کے عالم میں گھر میں داخل ہوا تو گھر کا دروازہ خلاف معلوم کھلا ہوا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے مڑا تو دیکھا کہ کچن کے سامنے بچھے تخت پر ندا بیٹھی سبزی کاٹ رہی ہے۔ جس نے اسے دیکھ کر فوراً ہی سلام کیا تھا۔

''السلام علیکم بھائی! آپ آ گئے؟''

''ہاں وعلیکم السلام! یہ بتاؤ دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے؟'' اس نے سلام کا جواب دے کر فوراً ہی پوچھا تھا۔

''جی بھائی! وہ دراصل اماں ابھی ابھی خالہ کے گھر گئیں ہیں میں اٹھنے ہی والی تھی دروازہ بند کرنے۔'' ندا نے فوراً وجہ بتائی۔

''دیکھو ندا! میری بہنا آج کل حالات کس قدر خراب ہیں۔ اس لیے میں دروازہ بند رکھنے کے لیے کہتا ہوں۔'' وہ پیار سے کہتے ہوئے اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''جی بھائی! آئندہ خیال رکھوں گی۔ آپ کے لیے پانی لاؤں میں۔'' وہ مسکرا کر بولتی سبزی کی ٹوکری لیے کچن کی طرف بڑھی تھی۔ تب ہی اس نے اپنے تھکے ہارے بھائی سے پانی کا پوچھا تھا۔

''ہاں لے آؤ اچھا یہ بتاؤ آج اماں خالہ کی طرف کسی کام سے گئیں ہیں کیا؟'' اس نے پانی کا بول کر اماں کے بارے میں پوچھا تھا۔

''جی بھائی! آج اچانک سیڑھیاں چڑھتے ہوئے خالہ بے ہوش ہو گئیں۔ تب ہی شفیعی اماں کو بلانے آ گیا تھا۔ ویسے گئیں تو دوپہر سے تھیں پھر عصر کی نماز کے لیے آئیں تھیں اور پھر دوبارہ چلیں گئیں۔'' اس نے گلاس بھائی کو پکڑا کر تفصیل بتائی تھی۔

''اچھا بھائی! آپ کی جاب کا کیا بنا؟'' یاد آنے پر اس نے ایک دم ہی پوچھا تھا۔

''کیا ہونا ہے مجھے تو لگتا ہے اس وطن کی روٹی میرے نصیب میں نہیں۔'' اس نے گلاس سائیڈ پر رکھتے ہوئے مایوسی سے جواب دیا۔

''بھائی! ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ انشاء اللہ دیکھ لیجیے گا آپ کو بہت اچھی جاب مل جائے گی۔'' اس نے سچے دل سے اپنے بھائی کو دعا دی۔

''ارسلان بیٹا! ایک بات کرنی تھی تم سے۔'' صبح ناشتے کے بعد اٹھنے لگا تو اماں نے روک لیا۔

''جی اماں جان! کہیے کیا بات ہے۔'' وہ ادب سے کہتا ہوا اماں کے پاس دوبارہ بیٹھ گیا۔

''بیٹا! تیری خالہ کے گھر گئی تھی کل اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ بیٹا وہ چاہتی ہے کہ وہ ندا کو جلد از جلد فراز کے لیے بیاہ کر لے جائے اور بیٹا سچ پوچھو تو میری بھی یہ ہی خواہش ہے کہ ندا اپنے گھر کی ہو جائے۔'' اماں بنا اس کی طرف دیکھے پوری بات کہہ گئیں۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے پر اماں! آپ تو جانتی ہیں مجھے ابھی تک نوکری نہیں ملی اور کہاں سے آئے گا پیسہ آپ خالہ سے کہہ دیجیے کہ ابھی کچھ عرصے انتظار کریں ہم ابھی فی الحال ندا کی شادی نہیں کر سکتے اور اس کی عمر ہی کتنی ہے اٹھارہ سال کی ہی تو ہے وہ۔'' وہ اماں کی بات سنتے ہی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو مگر بیٹا! زندگی کا کوئی

بھروسہ نہیں۔اس لیے میں چاہتی ہوں کہ میرے پاس جو سونے کی ایک چوڑی ہے وہ بیچ دوں کم از کم کچھ پیسے تو ہاتھ آ ہی جائیں گے۔ بیٹی تو بیٹا بہانی ہے ہر حال میں۔'' اماں کھوئے کھوئے انداز میں بولیں۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ اماں! میری عمر بھی آپ کو لگ جائے۔ آپ کو ہم دونوں کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں اور اماں آپ اپنی چوڑی کیوں بیچیں گی آپ خالہ سے کہیے کچھ عرصے انتظار کریں ہوسکتا ہے تب تک مجھے نوکری مل جائے۔'' اس نے اماں کے گھٹنے پر اپنا سر رکھتے ہوئے کہا۔

''ویسے اماں جان! میرے پاس ایک تجویز ہے کیوں ناں میں باہر جا کر اپنی قسمت آزماؤں۔'' اس نے ایک دفعہ پھر باہر جانے کے لیے ماں کو منانا چاہا تھا۔

''نہیں بیٹا! میں تمہیں باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' میرے لال پردیس کی ایک روٹی سے دیس کی آدھی روٹی بھلی۔ میں تمہیں خود سے دور کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' ماں پردیس جانے کی بات پر ہمیشہ اس کو ٹوکتی تھیں۔

''مگر اماں! میں یہاں کب تک رلتا رہوں گا، اتنا پڑھنے کے بعد بھی مجھے نوکری نہیں ملی میرے پاس نہ تو رشوت ہے اور نہ ہی سفارش تو پھر کون دے گا مجھے نوکری میرے جن جن دوستوں کے پاس سفارش تھی اور جنہوں نے رشوت دی وہ آج اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور مجھے دیکھیے پچھلے ایک سال سے کراچی کی سڑکوں کی خاک چھان رہا ہوں۔'' اس نے انتہائی مایوسی سے کہا تھا۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے باہر کیا تمہیں جاتے ہی نوکری مل جائے گی۔ نہیں بیٹا! وہاں پر بھی اسی طرح نوکری کے لیے پھرنا پڑے گا وہاں پر تو کوئی اپنا نہیں ہوگا اور اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہوگیا تو کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہوگا۔ نہیں میرے بچے میں پرائے ملک میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ تم مایوس نہیں ہو میرا بیٹا! اللہ کی ذات غفور الرحیم ہے وہ تم پر ضرور کرم کرے گا۔ میرے بچے مایوسی کفر ہے جو لوگ مایوس ہو جاتے ہیں اور نہ شکری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی انہیں نہیں نوازتا۔ تم اللہ کی ذات پر بھروسہ کرو وہ ضرور تم پر اپنا کرم کرے گا انشاء اللہ۔'' اماں نے اسے دل کی گہرائی سے دعا دی تھی اور کچن میں کھڑی ندا جو ان کی باتیں سن رہی تھی اس نے بھی آخر میں آمین کہا تھا۔

☆.....☆

اس کا یہ ہفتہ بھی ایسے ہی گزر گیا۔ جہاں بھی گیا اسے مایوسی کے سوا کچھ نہ ملا۔ آج سنڈے تھا سو آج وہ کہیں نہیں گیا۔ پورا دن گھر پر ہی تھا۔ شام کو عصر کی نماز پڑھ کر گھر آ رہا تھا کہ راستے میں شعیبی کو گھر سے نکلتے ہوئے دیکھا جو اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک عدد اخبار بھی تھا۔

''السلام علیکم! ارسلان بھائی!'' اس نے فوراً ہی سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! شعیبی یہ اخبار کہاں لے کر جا رہے ہو۔'' اس نے سلام کا جواب دے کر فوراً ہی پوچھا تھا۔

''گھر ہی جا رہا تھا ندا باجی کو اخبار دینے سعدیہ آپی نے بھجوایا ہے۔ اچھا ہوا آپ مل گئے مجھے بک ڈپو جانا ہے کچھ پیپرز کے لیے یہ آپ ندا باجی کو دے دیجیے گا۔'' بارہ سالہ شعیبی ایک ہی سانس میں تمام باتیں کر کے رکا ہی نہیں جب کہ ارسلان مسکراتا ہوا اخبار لے کر گھر کی طرف بڑھ گیا۔

''ندا چائے تیار ہے؟'' اس نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا تھا۔

''جی بھائی! چائے تو بالکل تیار ہے۔ بس آپ کا ہی انتظار تھا۔'' اس نے تخت پر پڑے رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ اخبار شعیبی لے کر آ رہا تھا تمہارے لیے سعدیہ نے بھجوایا ہے۔ میں رستے میں اس کو مل گیا تو مجھے دے دیا یار کتنا بولتا ہے یہ شعیبی ایک ہی سانس میں تمام باتیں کہہ ڈالیں۔'' ارسلان شعیبی کو یاد کر کے ایک دفعہ پھر مسکرا اٹھا۔

''اچھا ایک نظر میں دیکھ لوں پھر تمہیں دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ نوکری کے لیے دیے گئے اشتہار دیکھنے لگا۔

سعدیہ اور ندا بچپن کی فرینڈز تھیں۔ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا لگا رہتا تھا۔ اخبار و رسائل کا تبادلہ وہ اکثر ہی کرتیں رہتیں تھیں۔ کبھی سعدیہ خود آ جاتی یا کبھی شعیبی کو بھجوا دیتی۔

''ڈرائیونگ کے لیے ایک پڑھے لکھے نوجوان کی ضرورت ہے۔ تعلیمی قابلیت گریجویشن ہو خواہش مند نوجوان دیے گئے نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں یا متعلقہ پتے پر آ سکتے ہیں۔'' اس کے جیسے ہی صفحہ پلٹا ایک اشتہار پر نظر پڑی تو امید کے کچھ دیے اس کی آنکھوں میں روشن ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے بیٹا! اس طرح غور سے اس اخبار کو کیوں دیکھے جا رہے ہو؟'' اماں نے اس کو اخبار میں محو دیکھا تو پوچھا۔

''اماں! ایک اشتہار دیکھا ہے ادھر نوکری کے لیے سوچ رہا ہوں جا کے دیکھ لوں مگر ڈرائیونگ کی نوکری ہے۔'' اس نے اخبار ندا کو دیتے ہوئے اماں کو بتایا۔

''پھر کیا ہوا بیٹا! حلال روزی کمانے کے لیے شرمانا کیسا، تم جا کے دیکھو ہوسکتا ہے یہ نوکری تمہارے نصیب میں ہو۔'' اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''تو بھائی! آپ کے اسٹوڈنٹس کا کیا ہوگا، ابھی تو ان کے پیپرز ہونے والے ہیں۔'' ندا نے فکرمندی سے کہا۔

''پہلے جا کے تو دیکھوں پتا نہیں مجھے ملے گی بھی یا نہیں۔'' ارسلان ایک دفعہ پھر مایوس ہوا تھا۔

''میری جان! اپنی سوچ کو پوزیٹو رکھو تمہاری سوچ اگر پوزیٹو ہوگی تو تمہیں اس کا رزلٹ بھی اچھا ملے گا، جو منفی سوچ کے مالک ہوتے ہیں ناں بیٹے وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتے۔'' اماں نے ایک دفعہ پھر اسے مایوس ہونے سے منع کیا تھا۔

☆.....☆

''اماں جان! ندا کہاں ہیں آپ دونوں۔'' وہ ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ لیتے تقریباً چیختا ہوا گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا! خیریت تو ہے ناں؟'' اماں نے اس کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ارے اماں! میری پیاری اماں مبارک ہو مجھے نوکری مل گئی ہے۔'' اس نے اماں کو مٹھائی کھلاتے ہوئے خوشی سے کہا۔

''ارے واہ بھائی! آپ کو بہت مبارک ہو۔'' ندا بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

ارسلان اشتہار دیکھ کر دوسرے ہی دن انٹرویو کے لیے چلا گیا تھا اور پُر افتخار بیگ صاحب نے اس کی ذہانت دیکھ کر اسے ڈرائیونگ کے بجائے آفس میں جاب کی آفر کر دی، جسے اس نے بخوبی قبول کر لیا تھا مگر انہوں نے ایک ہفتے بعد اسے آفس انٹرویو کے لیے بلایا تھا جس میں وہ کامیاب ہوا تھا۔

''میں نہ کہتی تھی بیٹا کہ اللہ کی ذات پر بھروسا رکھنا چاہیے۔'' اماں نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی اماں جان! میں بھی بھائی سے یہی کہتی تھی کہ انسان کو کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔'' ندا اماں کے شانے سے لگی ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

''جی آپ دونوں بالکل ٹھیک کہتی تھیں، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور پھر ایسی جگہوں سے نوازتا ہے کہ انسان صرف سوچ کر وہ جاتا ہے، واقعی انسان کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ مایوسی کفر ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اماں کے سینے سے لگ گیا اور اماں نے ندا کو بھی اپنی آغوش میں بھر لیا۔

.....☆.....

سباس گل

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
''تم کرتے کیا ہو؟''

''قتل''۔ وہ سنجیدہ لہجے میں بولا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔
''تو یوں کہو نہ کہ تم قاتل ہو کس کس کو قتل کیا ہے اب تک اور خود کس کے ہاتھوں قتل ہونے چلے تھے؟''
''تقدیر کے ہاتھوں''۔
''تقدیر سے بہت ناراض لگتے ہو''۔ مریم نے اس کے اوپر چادر پھیلاتے ہوئے اس کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھا۔
''نہیں ناراض تو تقدیر ہے مجھ سے''۔ وہ بے بسی سے مسکراتے ہوئے بولا۔
''سب ٹھیک ہوجائے گا تم غم نہ کرو''۔ اس کا کندھا تھپتھپا کر تسلی دی۔
''غم ہی تو ہے کرنے کے لئے غم کا ماتم کرنے کا بھی حوصلہ نہیں رہا اب تو''۔ وہ بولتے بولتے تھک کر سو گیا۔

دوسرا حصہ

Urdu Gem
UG
The online library

UrduGem.com

URDU KA KHAZAANA

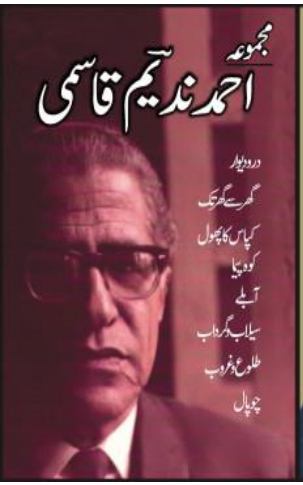

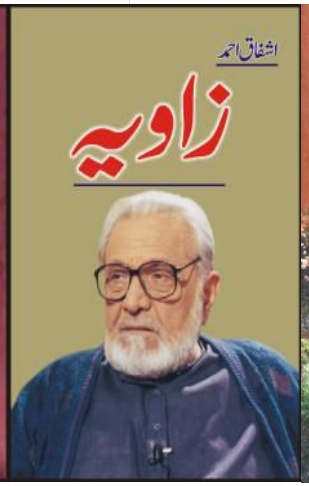

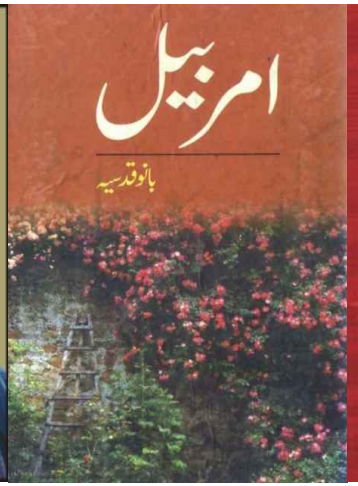

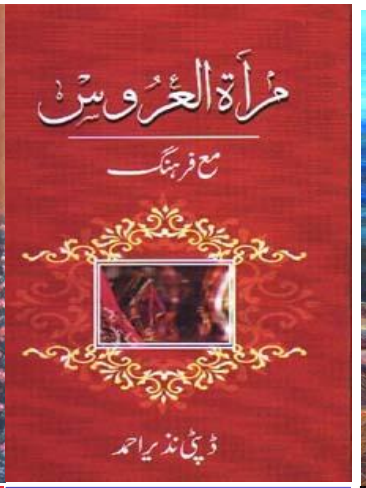

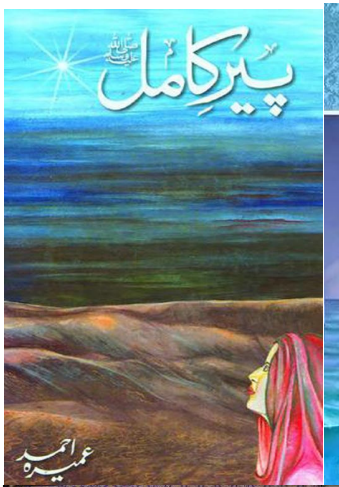

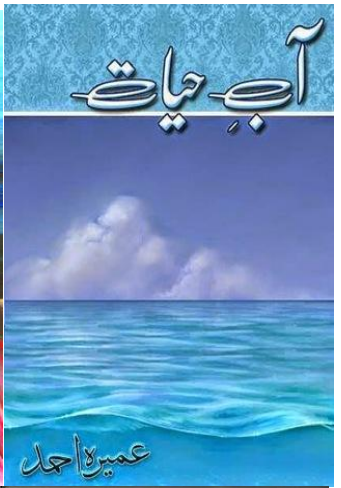

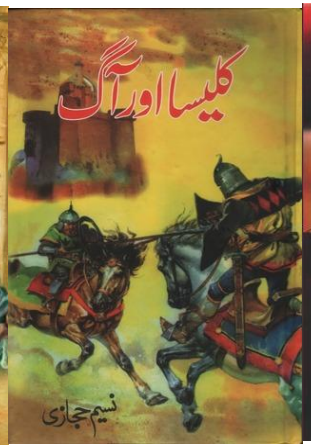

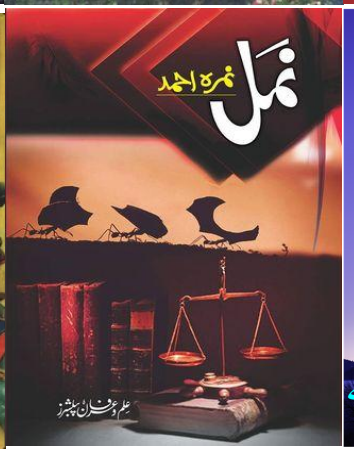

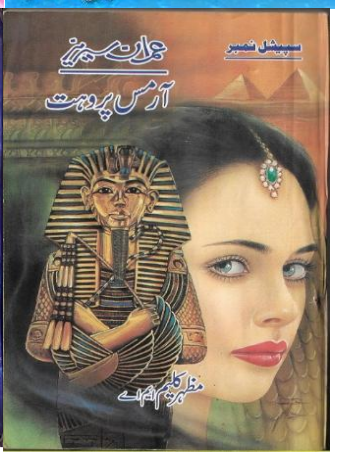

''تم کون ہو کہاں سے آئے ہو کیا کرتے ہو؟ تمہاری صورت مجھے دیکھی دیکھی سی کیوں لگتی ہے؟'' مریم نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا اور سوچتے سوچتے بالآخر اس کے ذہن میں بجلی کی طرح خیال کوندا' اور وہ اپنے خیال کی تصدیق و تردید کے لئے پرانے رسالے اور ڈائجسٹ کنگھالنے بیٹھ گئی اور اس کی یہ کوشش کامیاب ہو گئی کامران کاظمی کی تحریر اسے رسالے میں مل گئی تھی وہ اسے پہچان گئی تھی وہ بھی تو اس کی تحریروں کی دیوانی تھی' جبھی تو اس کی تحریروں والے رسالے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔

''اوہ تو تم کامران کاظمی ہو ایک سحر انگیز رائٹر محبت کے رائٹر اور محبت نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا کون تھی وہ جو تمہیں ان حالوں کو پہنچا گئی کس نے تم سے بے وفائی کی؟'' مریم دکھ سے سوچ رہی تھی۔

''لیجئے کامران صاحب! دوا کھا لیجئے''۔ اگلی صبح وہ اسے دوا کھلانے آئی تو اسے اس کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا تو کامران نے چونک کر اسے دیکھا وہ مسکرا دی وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''بالآخر تم نے میرا سراغ لگا ہی لیا کیا ضرورت تھی اس ساری تگ و دو کی' کیا مل گیا تمہیں جان کر کے میں کون ہوں کیا کرتا ہوں؟''

''سکون اور اطمینان حیرت اور مسرت آپ کیا جانیں کامران صاحب! کہ آپ کتنے بڑے کتنے عظیم رائٹر ہیں جو دلوں میں گھر کر جاتے ہیں''۔ مریم نے سنجیدگی سے دل سے کہا۔

''میری وجہ سے دل بکھر بھی تو جاتے ہیں''۔ وہ بے بسی اور تلخی سے بولا۔

''نہیں کامران صاحب! آپ بہت حوصلہ مند اور بہادر ہیں آپ لوگوں کو ہنسانا' رلانا' قائل کرنا جانتے ہیں' آپ کی قوت ارادی ہی ہے جو آپ کو زندہ رکھے ہوئے ہے آپ کو اپنی قوت ارادی سے ہی اپنے مفلوج جسم کو متحرک بنانا ہے''۔

''آخر تمہیں مسئلہ کیا ہے؟'' وہ جھلا کر بولا۔

''ہر نرس کی ڈیوٹی بدلتی رہی ہے تم کیوں میرے سر پر مسلط ہو گئی ہو نرس اور اپنی ڈیوٹی نہیں لگوا سکتیں؟''

''تم صحت یاب ہو کر یہاں سے چلے جاؤ گے تو میں اپنی ڈیوٹی تبدیل کرا لوں گی''۔ ہاسپٹل کے لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں کہ کیا لگتا ہوں میں تمہارا اس کا جواب ہے تمہارے پاس؟

''تم میرے پیشنٹ ہو کیا یہ کافی نہیں ہے صحت یاب ہو جاؤ تاکہ لوگ باتیں بنانا بند کر دیں اور مجھے بھی سکون میسر آ جائے' لو اب دوا کھا لو زیادہ نخرے مت دکھاؤ''۔ مریم نے بارعب لہجے میں کہا اور اسے دوا کھانا ہی پڑی۔

''محبت اور قسمت کیا سمجھتی ہے کہ میں مفلوج ہو کر اس کے کامیاب ہونے کا ثبوت دے دوں گا اسے نہیں میں اسے زندہ رہ کر دکھاؤں گا نفرت سے زندہ رہ کر دکھاؤں گا محبت سے نفرت ہی اب مجھے زندہ رکھے گی' محبت کی یہ خوش فہمی بھی اب میں دور کر دوں گا کہ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا' یا اس کے چھن جانے سے اس کے چلے جانے سے میں مفلوج اور اپاہج ہو کر رہ جاؤں گا نہیں محبت نہیں' میں تمہارے بغیر زندہ رہ کر تم پر ثابت کر دوں گا کہ تم' اب میرے لئے کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں رکھتیں مجھے تم سے نفرت ہے اور یہ نفرت میرے اندر قوت اور توانائی پیدا کر رہی ہے اب تم میرے قریب پھٹکنے اور مجھے بہکانے کی بیکار کوشش میں مت الجھنا تمہیں منہ کی کھانی پڑے گی کیونکہ میں نے اب تمہارے لئے اپنے دل و دماغ کے روح و جان کے در بند کر لئے ہیں''۔ کامران نے جوشیلے انداز میں سوچتے ہوئے خود سے بیڈ سے اترنے کی چلنے کی کوشش کی تو اس کے قدم لڑکھڑا گئے' مریم نے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو تم؟''

''یہاں سے جانے کی کوشش کر رہا ہوں' تم یہی چاہتی ہو نا کہ میں یہاں سے صحت یاب ہو کر چلا جاؤں' تو دیکھنا مریم میری مونس مسیحا اور مددگار میں یہاں سے نفرت کے زور پر صحت یاب ہو کر بہت جلد چلا جاؤں گا' تم دیکھنا میری نفرت میں کتنی شدت اور طاقت ہے یہ معذوری دنوں میں بھاگ جائے گی''۔ وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

''ویری گڈ یہی اسپرٹ چاہئے تمہیں تندرست ہونے کے لئے مگر شدت محبت میں ہو یا نفرت میں نقصان دہ ہوا کرتی ہے''۔ مریم نے مسکرا کر کہا اور اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

''محبت کی شدت نے تو جو نقصان مجھے پہنچانا تھا پہنچا دیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ نفرت کی شدت میرا کیا حال اور مستقبل بناتی ہے میرے لئے اب محبت میں کوئی کشش کوئی رعنائی کوئی خوبصورتی باقی نہیں رہی نفرت ہے مجھے محبت سے شدید نفرت''۔ وہ سخت اور تلخ لہجے میں بولا۔

''لیکن اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ تم کسی کی محبت بھری دعاؤں سے زندگی کی طرف لوٹے ہو' کوئی تو ہو گا جو تمہیں محبتوں سے ہمہ وقت یاد کرتا ہو گا' تمہارا زندہ رہنا ہی کسی کے لئے زندگی اور خوشی ہو گا''۔

''پتا نہیں''۔ کامران نے الجھن آمیز لہجے میں کہا اس کے ذہن میں درجنوں لڑکیوں کے نام ایک ایک کر کے آتے اور گزرتے چلے گئے وہ جنہیں اس سے محبت تھی اور جنہیں اس نے اپنے خوف اور ان کی سلامتی کی خاطر واپس لوٹا دیا تھا' نامراد بھیج دیا تھا' الگ سے نئی زندگی شروع کرنے اور اسے بھول جانے کے لئے قائل کیا تھا' اسے یقین تھا کہ ان لڑکیوں کی محبتوں کی شدتوں میں اب بھی کہیں نہ کہیں اتنا اثر تو باقی ہو گا جو اس کی زندگی کی دعاؤں کے لئے ضروری تھا' اس نے سر جھٹک کر ان کے خیال کو اپنے ذہن سے نکالنا چاہا اور نڈھال ہو کر تکئے پر سر رکھ کر آنکھیں موندلیں اور دیکھتے ہی دیکھتے کامران کاظمی اپنی مضبوط قوت ارادی کی بدولت پھر سے چلنے پھرنے اور دائیں بازو اور ہاتھ سے کام کرنے کے قابل ہو گیا' سسٹر مریم جو عیسائی تھی اس کی صحت یابی کے لئے ڈھیروں دعائیں مانگتی رہی تھی اب اس کے تندرست ہونے پر بے حد خوش تھی آج جب وہ اسپتال سے چار ماہ بعد صحت یاب ہو کر واپس جا رہا تھا تو سسٹر مریم نے اسے کارڈ' پھول اور کیک جاتے وقت دیئے۔

''مریم! تم نے مجھے زندہ رکھنے کے لئے اپنی تمام تر محبتوں' محنتوں' خدمتوں اور دعاؤں سے میرا علاج کیا میرا بہت زیادہ خیال رکھا میری وجہ سے لوگوں کی طرح طرح کی باتیں سنیں میرا غصہ بھی سہا میرے پاس آج میں تمہاری بدولت زندہ ہوں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں ان چار ماہ میں تم نے جتنی میری خدمت کی ہے میں زندگی دے کر بھی اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا تمہارے خلوص کیلئے شکریہ کا لفظ بے معنی ہے تم اپنے نام کی طرح مقدس مریم ہو' مسیحائی کا پیکر ہو' میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ خوش اور تندرست رہو' میں جب بھی زندگی کے بارے میں سوچوں گا مجھے تم یاد آؤ گی ایک اچھی اور مہکتی یاد بن کر تم ہمیشہ میرے دل میں رہو گی' اور مریم! میری مونس میری مسیحا میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گا کہ 'شکریہ' کہہ دینے سے تمہاری خدمتوں کا حق ادا نہیں ہو سکتا' تم بہت عظیم ہو' لفظ تمہاری تعریف کے لئے چھوٹے محسوس ہو رہے ہیں''۔ کامران نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''میرے لئے یہی بہت ہے کہ تم تندرست ہو کر یہاں سے جا رہے ہو' اب آئندہ کے لئے اپنا خیال رکھنا' شاید تمہیں مریم کوئی نہ ملے مگر میری دعائیں ہمیشہ تمہاری سلامتی اور خوشی کے لئے آسمان پر قبولیت کے لئے پہنچتی رہیں گی تمہارے جانے سے مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرا اپنا مجھ سے جدا ہو رہا ہے میں تمہیں روکنا

Ridadigest.com

چاہتی ہوں مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نہیں رکو گے اور میں تمہاری منزل بھی نہیں ہوں اس لئے میں تمہیں روکوں گی بھی نہیں خداوند کریم تمہارا حامی و ناصر ہو''۔ مریم نے پرنم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بھیگتے لہجے میں کہا۔

''خدا حافظ مریم''۔ کامران نے اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا کر چھوڑ دیا اور اس کی سوغات لئے وہاں سے باہر نکل گیا۔ اور پھر وقت کا دھارا تیزی سے بہتا چلا گیا' کامران نے بہت عرصے تک خود کو قلم سے دور رکھا تھا مگر وہ ایک بار پھر قلم کی طرف لوٹ آیا' کہ روزی روٹی کا ذریعہ یہی قلم تو تھا' اس سے نکلے ہوئے لفظ ہی تو اس کے جسم و روح کا رشتہ قائم رکھتے تھے محبت پر اس نے پھر سے لکھنا شروع کر دیا تھا مگر اس کی تحریروں میں اب پہلے سے زیادہ کاٹ' سحر اور پختگی آ گئی تھی وہ لفظوں سے قاری کو رلانے اور ہنسانے کا کام خوب لے رہا تھا اس کی ہر کہانی میں بے حد گہرائی حقیقت پسندی اور تلخی چھلکنے لگی' موسم بدلتے رہے مگر اس کے اندر کا موسم سال بھر ایک سا ہی رہتا' بظاہر وہ ہنستا' بولتا قہقہے لگاتا خوش نظر آتا مگر اندر سے خالی اور ویران رہتا' آنسو اس کے اندر ہی ابلتے رہتے ہر موسم نے اس سے اس کی محبت چھینی تھی ہر رت نے اسے زندہ درگور کیا تھا' ہر سماں اسے آزماتا رہا تھا ہر ساون نے اسے رلایا تھا' خزاں' بہار' سرما' گرما' ماہ و سال کے چاروں موسم بدلتے رہے مگر اس کے اندر ایک ہی موسم ٹھہر گیا تھا درد کا موسم باہر موسم کیسا ہی خوشگوار اور پر بہار ہوتا کامران کے اندر کا موسم نہ بدلتا وہاں سارا سال ایک ہی موسم کی حکمرانی رہتی وقت اپنے موسموں کے سنگ آتا جاتا رہا گزرتا رہا' بارہ سال گزر گئے ان بارہ برسوں میں کامران نے کئی ڈائجسٹ نکال لئے تھے ان کی مقبولیت کے ساتھ ساتھ اس کی تحریروں کی مقبولیت بھی عروج پر تھی اس نے چودہ برس کی عمر میں محبت کے ہاتھوں پہلا زخم کھایا تھا اور عمر کے چوبیس ستائیس برس تک کئی زخم اس کے دل پر لگ چکے تھے اس کے بعد اس نے دل کی آنکھیں اور کان ایسے بند کر لئے تھے وہ بھول ہی گیا تھا کہ محبت بھی کوئی جذبہ ہے حالانکہ روزانہ سینکڑوں محبت بھرے خطوط اور ٹیلی فون کالز اسے موصول ہوتے تھے وقت کا پہیہ گھوما اور دو برس مزید گزر گئے اس کے ہاں شائع ہونے والے ڈائجسٹوں میں لکھنے والی رائٹرز میں وہ رشنا کے طرز تحریر سے متاثر تھا مگر اس سے کبھی ملاقات' فون پر بات ہونے کا اتفاق نہیں ہوا تھا' اور اس روز وہ اچانک اس کے آفس میں اس سے ٹکرا گئی تھی وہ کیا ٹکرائی تھی کامران کو یوں لگا تھا جیسے اس کے دل کے بند کواڑ کھلنے کو بے تاب ہو گئے ہیں وہ اسے محبت کا احساس جگاتی ہوئی محسوس ہوئی تھی بہت عرصے بعد اسے اپنے اندر جمی برف پگھلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اس کے ایوان دل پر منجمد خاموشی' سوگواری اور ویرانی ہنستی ہوئی لگی' اسے لگا کہ اس کے دل نے بہت عرصے بعد دھڑکنے کی کوشش کی ہے رشنا اس کی محبت کا عکس تھی اس کے پیار کا رنگ تھی اور وہ اس عکس کو اس رنگ کو مٹنے نہیں دینا چاہتا تھا' خوف نے بہت عرصے بعد اس کے اندر سر ابھارا تھا' مگر اس نے بھی سوچ لیا تھا' وہ رشنا کی پذیرائی نہیں کرے گا اس سے زندگی نہیں چھینے گا' اس سے پہلے کہ اس کے دل و روح کے دریچے محبت کے لئے پھر سے وا ہونے لگیں وہ ضبط کے تمام تالے ڈال کر وہاں سے دور چلا جائے گا وہ رشنا کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا' وہ محبت کی ستم ظریفی کو یاد کر کے محبت کو قابل نفرت سمجھتے ہوئے خود کو اس کی خواہش سے باز رکھ رہا تھا' اور رکھنا چاہتا تھا' اس میں مزید دکھ سہنے کا حوصلہ تھا نہ جدائی برداشت کرنے کا یارا' وہ اپنی بقیہ زندگی اسی طرح اپنی دھن میں مگن رہ کر گزارنا چاہتا تھا اور رشنا کو دکھی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆

''ہیلو رشنا''۔ وہ کتاب لئے لان چیئر پر بیٹھی تھی کہ شہریار کی آواز پر چونک گئی۔

''ہیلو شیری بھائی کیسے ہیں آپ؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں تم سناؤ''۔ وہ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میں بالکل سے زیادہ ٹھیک ہوں''۔

''ہوں گڈ' یہ لو گلاب کا پھول''۔ اس نے سرخ گلاب اس کی جانب بڑھایا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا شیری بھائی کے میں پھول نہیں لوں گی''۔

''کیوں؟ اور یہ تم مجھے بھائی مت کہا کرو''۔ وہ برا مناتے ہوئے بولا۔

''میں تمہاری زبان سے بھائی نہیں سننا چاہتا''۔

''مگر مجھے تو اچھا لگتا ہے آپ کو بھائی کہنا شیری بھائی!'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''رشنا! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو میں تم سے''۔

''آپ مجھے ڈسٹرب کر دیتے ہیں ہمیشہ''۔ وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

جانتی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا مگر وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی اس کا دل ڈانواں ڈول جو ہو رہا تھا' ایک طرف شہریار تھا تو دوسری طرف کامران کاظمی وہ محبت کس سے کرتی ہے کس کے ساتھ جیون بتانا چاہتی ہے اسے خود بھی معلوم نہیں تھا اور وہ یہ فیصلہ وقت پر چھوڑ دینا چاہتی تھی۔

''تو تم میرے آنے سے ڈسٹرب ہو جاتی ہو''۔ وہ معنی خیز اور شوخ لہجے میں بولا۔

''جی نہیں میں آپ کے آنے سے بہت سکون اور خوشی پاتی ہوں میری ساری ڈسٹربنس تو آپ کو دیکھتے ہی اڑن چھو ہو جاتی ہے''۔ وہ چڑ کر بولی۔

''اور اگر یہ بات ہے تو میں آج ہی امی سے بات کرتا ہوں کہ تمہیں ہمیشہ کے لئے میرا بنا دیں جب میں ہمہ وقت تمہارے ساتھ تمہارے پاس رہوں گا تو تمہیں کبھی بھی ڈسٹربنس نہیں ہوگی''۔ شہریار نے شوخ و شریر لہجے میں کہا وہ سرخ ہو گئی۔

''شیری بھائی! آپ''۔ وہ' وہ خفت سے سرخ چہرہ لئے کھڑی ہو گئی۔

''پھر بھائی!'' وہ خفا ہوا۔

''ہاں بھائی' بھائی' بھائی شہری بھائی!'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''رشنا! یہ پھول تو لے لو''۔ وہ پیار بھری خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے نہیں لینا یہ پھول سمجھے آپ''۔ وہ یہ کہہ کر اندر کی جانب بھاگ گئی۔ اور شہریار نے مسکراتے ہوئے وہ پھول اس کی کتاب میں رکھ کر کتاب بند کر دی۔

''السلام علیکم سر!'' رشنا نے کامران کاظمی کے آفس میں قدم رکھا۔

''وعلیکم السلام آؤ رشنا' میں ابھی تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا''۔ کامران نے کتاب سے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے اس کے صبیح چہرے کو دیکھا۔

''کیا سوچ رہے تھے؟'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''یہی کہ یہ کتاب میں تمہیں گفٹ کر دوں''۔ کامران نے اپنی نئی کتاب اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بتایا۔

''محبت نامے''۔ رشنا نے کتاب کا ٹائٹل پڑھا اور اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کیا اس میں محبت بھرے خطوط شائع کئے ہیں آپ نے؟''

''ہاں اس میں وہ خطوط ہیں جو مجھے بہت پیاری لڑکیوں! نے لکھے اس میں میرے خطوط بھی شامل ہیں تمام

Ridadigest.com

خطوط اور ان کے جوابات حقیقی اور اصل ہیں بہت سے خطوط جمع ہو گئے تھے اس میں صرف چند اہم خطوط شامل کیے ہیں میں نے تم پڑھ کر اپنی رائے ضرور بتانا مجھے یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی تھی بہت زیادہ بکی ہے اب دوبارہ شائع ہو کر مارکیٹ میں آ گئی ہے''۔ کامران کاظمی نے تفصیل سے بتایا اگر اس میں موجود خطوط اصلی ہیں تو آپ کو شائع نہیں کرنے چاہئیں تھے''۔ رشنا نے کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں؟'' کامران نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیونکہ میرے خیال میں خط انسان کا انتہائی ذاتی اور نجی معاملہ ہوتے ہیں۔ انہیں یوں منظر عام پر لانا مناسب نہیں ہے بہر حال آپ کو مبارک ہو کہ آپ نے اپنی محبت کو اشتہار بنا کر بکاؤ مال بنا کر گلی گلی اس کا چرچا کر کے خوب کمائی کر لی ہے محبت ناموں کی خوب قیمت وصول کی ہے آپ نے''۔ رشنا نے سنجیدہ اور تلخ لہجے میں کہا۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو میں نے اس نیت سے یہ کتاب شائع نہیں کی اور اگر ایسا ہے بھی تو یہ خطوط میرے اپنے تھے میری ذاتی ملکیت تھے میں انہیں جیسے چاہوں استعمال کر سکتا ہوں تمہیں اس طرح ریمارکس دینے کا کوئی حق نہیں ہے''۔ وہ سنجیدہ اور سرد لہجے میں بولا۔

''کامران صاحب! ایک رائٹر کی تحریر اس کی ذاتی ملکیت اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ اس کے پاس رہے جب اس کی کوئی تحریر چھپ کر لوگوں تک پہنچ جاتی ہے تو وہ لوگوں کی ہو جاتی ہے ہر پڑھنے والا اس پر اپنا حق سمجھتا ہے آپ کے خطوط آپ کی ذاتی پراپرٹی تھے مگر کتابی شکل میں شائع ہونے سے پہلے اب یہ پبلک پراپرٹی بن چکے ہیں اور پبلک اپنی پراپرٹی سے جیسا چاہتی ہے ویسا ہی سلوک روا رکھتی ہے جو چیز آپ لوگوں کو دے چکے اس کے متعلق یہ کہنا کہ لوگ اسے اس انداز سے کیوں لے رہے ہیں سمجھ رہے ہیں یہ بچکانہ سوچ ہے' بہر حال باقی کا تبصرہ میں کتاب پڑھنے کے بعد کروں گی مجھے معلوم ہے کہ آپ کو میرا یہ اظہار خیال بہت گراں گزر رہا ہے مگر میں منافقت نہیں کر سکتی جو سوچتی ہوں کہہ دیتی ہوں''۔ رشنا نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا کرتی ہو مجھے تم سے سیکھنے کا موقع مل رہا ہے میں تمہارے تبصرے کا بے تابی سے منتظر رہوں گا اور یہ لو کافی پیو اور کوئی اور بات کرو''۔ کامران نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے لیے کافی بنا کر کپ اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

''آپ کافی اچھی بنا لیتے ہیں''۔ رشنا نے کافی کا سپ لے کر کہا۔

''شکریہ''۔ وہ مسکرایا اور چند منٹ بعد اسے دراز میں سے کچھ خطوط نکال کر دے دیئے اور سنجیدگی سے بولا۔

''یہ تمہاری امانت ہیں انہیں اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دینا''۔

''یہ کیسے خطوط ہیں اور کس کے خطوط ہیں؟''

''تمہارے خطوط ہیں اور تمہاری بہن رمشاء کے پڑھ لو''۔

''رمشا کے خط''۔ رشنا کو حیرت کا دھچکا لگا اس نے کافی کا کپ میز پر رکھا اور رمشا کے خط کھول کر پڑھنے لگی اس کے خطوں سے صاف ظاہر تھا کہ کامران نے اس کے کسی خط کا بھی جواب نہیں دیا تھا جبکہ رمشاء کا ہر خط اظہار محبت اور اقرار پسندیدگی سے لبریز تھا' رشنا کو اس کے خطوط پڑھتے ہوئے بہت ندامت اور کوفت محسوس ہو رہی تھی اس کی اپنی بہن کس راہ پر چل نکلی تھی اور کسی کو خبر تک نہ ہونے دی تھی اس نے اس کے خطوط تقریباً ایک سال پرانے تھے' رشنا کو رمشا کی کھوئی کھوئی کیفیت چڑچڑاپن یاد آ رہا تھا مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا اس وقت کہ وہ کسی کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے اور اس کی طرف سے مسلسل خاموشی کے باعث ایسی ہوتی جا رہی ہے مگر وہ تو

بہت جلد اپنی پرانی روش پر آ گئی تھی وہ تھی ہی ایسی بڑی سے بڑی بات چھپانے میں مہارت رکھتی تھی اور اب اس کی شادی کی بات طے ہو گئی تھی تو بھی وہ بہت خوش رہتی تھی کوئی دکھ کوئی ملال اس کے چہرے سے انداز سے ظاہر نہیں ہوتا تھا' مگر وہ ظاہر ہوئی بھی تو کس طرح اس کے راز کا ثبوت ملا بھی تو کیسے؟'' رشنا کو اس کے لفظوں سے سخت مایوسی ہوئی مگر شاید محبت اسی کو کہتے ہیں''۔ اس نے سوچا اس کے سامنے رمشاء کا پانچواں خط کھلا تھا اس نے لکھا تھا۔

''کامران صاحب! مجھے معلوم ہے کہ آپ کو ہر روز سینکڑوں چاہنے والیوں کے خطوط ملتے ہیں اور اتنے بہت سے خطوط میں ایک میرا خط آپ کے نزدیک کیا اہمیت رکھتا ہو گا آپ شاید پڑھ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہوں اور کیا خبر کے پڑھنے کی زحمت بھی نہ کرتے ہوں' مگر میں کیا کروں آپ کے جواب نہ دینے کے باوجود میں آپ کو خط لکھنے پر مجبور ہو جاتی ہوں' آپ کی محبت میرے روم روم میں بس چکی ہے میرا کسی کام میں دل نہیں لگتا لگے بھی کیسے دل آپ کے ساتھ جو لگ گیا ہے کامی جی! میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ میرے ہو جائیں اپنا نام میرے نام سے جوڑ دیں' میں آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی محبت بھی نہیں' میں تو آپ کے کام کرنا چاہتی ہوں آپ کے کپڑے دھونا چاہتی ہوں آپ کے نہانے کے لئے پانی گرم کرنا کھانا پکانا آپ کے جوتے پالش کرنا کپڑے استری کرنا چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی آپ مجھے بے شک اپنی بیوی مت سمجھئے گا باندی بنا کر اپنے گھر میں جگہ دے دیجئے گا میں ہر وقت آپ کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں آپ کی مسلسل خاموشی نے مجھے تڑپ کر رکھا ہے اور میں اپنی بہن رشنا سے بھی بہت الجھنے لگی ہوں' وہ کہتی ہے کہ یکا یک تمہارا دماغ کیوں چل جاتا ہے' اسے کیا خبر کہ میرا دماغ نہیں دل چل نکلا ہے آپ کی راہ پر' آپ کی مسلسل خاموش دل کی راہ اندھیروں میں گم کر دے آپ کے پیار میں سراپا انتظار اور بے قرار' آپ کی توجہ کی طالب رمشا''۔

''او گاڈ رمشاء یہ تم ہو کبھی نہ جھکنے والی سب کی توجہ کا مرکز سب کی طلب اور چاہ کا مرکز و محور' تم اس حد تک نیچے چلی گئیں اس پتھر شخص کی محبت میں تم جو کبھی اپنے کپڑے دھونے اور جوتے پالش کرنے کی روادار نہیں ہو میں ایک غیر شخص کے لئے یہ سب کچھ کرنے حتیٰ باندی بننے تک کو تیار ہو گئیں لاحول ولاقوۃ ایسی بھی کیا محبت کے انسان خود کو دوسروں کے قدموں میں جھکاتا چلا جائے دوسرا مزا لیتا رہے آپ کی بے قراری کا اور تسکین پاتا رہے اپنے چاہنے والوں کو اپنے لئے بے چین دیکھ کر۔

مگر شاید محبت انسان کو اسی طرح بے بس اور کمزور کر دیتی ہے' میں بھی تو شہریار کی بجائے کامران کی طرف لپکی تھی' کیوں؟ حماقت تھی میری' جو چاہے اسے چھوڑ دو اور جو نہ چاہے اس کے پیچھے کاسۂ طلب لئے پھرو کشکول پھیلائے محبت اور توجہ کی بھیک مانگو' تف ہے مجھ پر' محبت میں اپنی عزت اپنی انا اپنی نسوانیت کو کیوں بھلا دیا ہم لڑکیوں نے۔ ہم طلب کے رستے میں اتنی دور کیوں نکل جاتی ہیں کہ واپسی پر کوئی راستہ دکھائی نہ دے' اپنی عزت پر کسی کی بے رخی' بے حسی اور بے بسی کی کاری ضربیں لگوا کر خالی کشکول لئے بے سمت' بے منزل راہوں میں گم ہو جائیں''۔ رشنا نے تاسف سے سوچا دل ہی دل میں خود کو لتاڑا سرزنش کی اور رمشاء کا آخری خط کھول لیا۔

''کامران صاحب! یہ میرا 13 واں اور آخری خط ہے' آپ کی محبت میں لڑکی ہو کر میں کتنا جھک گئی' اپنی انا کو مٹا ڈالا مگر آپ نے بے حسی کی بے رخی کی انتہا کر دی اور کرتے بھی کیوں نہ آپ کو چاہنے والیاں بہت ہیں' آپ کے لئے میں نے اپنا سکھ چین' اپنا قیمتی وقت برباد کیا' خود کو بے آرام کیا لیکن آپ کو کبھی خیال نہیں آیا'

Ridadigest.com

آپ انتہائی سفاک' سنگدل' اور بزدل انسان ہیں' کہانیوں کے ہیرو اور حقیقی زندگی میں زیرو' آپ نے مجھے ہرٹ کیا ہے خوش تو آپ بھی نہیں رہ سکیں گے کسی کا دل دکھا کر خوش رہنا آسان نہیں ہوتا' مگر میری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کو خوش رہنے کی دعا دوں' خدا آپ کو تادم آخر خوش وخرم رکھے آمین' آپ نے اپنے نئے رسالے میں جو افسانہ ''پاگل لڑکی'' کے نام سے اس ماہ شائع کیا ہے اس میں یقیناً آپ نے مجھے موضوع بنایا ہے' میرے خطوں کا میرے سوالوں کا جواب آپ نے اس افسانے میں دینے کی کوشش کی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کامران صاحب کہ محبت کسی منطق کو نہیں مانتی' اور جو کسی محبت بھری منت' کو نہ ماننے میں اس کو نہیں مانتی' یہ میرا آخری خط ہے' میں نے شاید غلط دروازے پر دستک دے دی تھی اس لئے خالی ہاتھ لوٹ رہی ہوں' آپ میری طرف نہ سہی کسی اور اچھی لڑکی کی طرف لوٹ جایئے زندگی کی طرف لوٹ جایئے کہ مجھے تو لوٹنا ہی ہے اور اس محبت کو فراموش کر کے قبرستان میں دفن کر کے آگے بڑھ جانا ہے' آپ اپنے خوف میں زندہ رہیں یا خوشی کو اپنا لیں آپ کی مرضی آپ کا نصیب' میرا کہا سنا معاف کر دیجئے گا' ناحق اتنے عرصے تک آپ کو خطوط پڑھنے کی زحمت دیتی رہی' معذرت۔ والسلام۔ رمشاء جو چاہنے کے باوجود آپ کی نہ ہو سکی''۔

''آپ نے رمشاء کے خطوط کا جواب کیوں نہیں دیئے؟'' رشنا نے خط کی تہہ لگاتے ہوئے مسودے پر جھکے کامران سے پوچھا۔

''یہ خطوط کا انبار دیکھ رہی ہو'' کامران نے دائیں جانب بڑی سی میز پر خطوط کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے ہر روز ایسے ہی بہت سے خطوط موصول ہوتے ہیں میں اگر ہر رمشاء کے خط کا جواب لکھنے بیٹھ جاتا تو کچھ اور نہ لکھ پاتا''۔

''آپ کو یہ عزت اور محبت آپ کی تحریروں کی وجہ سے ہی ملی ہے'' رشنا نے خطوط اپنے ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''بے شک' اللہ کا کرم ہے اس نے مجھے عزت سے نوازا ہے محبت تو بائی گو کے میرا مقدر نہیں رہی لیکن مجھے محبت ہر دور میں ملتی رہی ہے' تم بتاؤ تمہیں کسی سے محبت ہوئی نہیں؟'' کامران نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں' محبت' عزت' اور عقیدت کا فرق آہستہ آہستہ واضح ہو رہا ہے' سمجھ میں آ رہا ہے' دیکھنا یہ ہے کہ کون کس کیٹیگری میں آتا ہے''۔

''رمشاء کیا کر رہی ہے آج کل؟''

''شادی کی تیاریاں''۔

''ویری گڈ' میری دعا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش آباد رہے اور تمہاری شادی کب ہو رہی ہے' رشتے تو یقیناً آتے ہوں گے تمہارے؟''

''جی ہاں اور امی اپنے بھانجے کو میرے لئے منتخب بھی کر چکی ہیں''۔

''کیا تمہارے کزن بھی تمہیں چاہتے ہیں؟'' کامران نے پوچھا پھر خود ہی ہنستے ہوئے بولا۔

''میں بھی کیا احمقانہ سوال پوچھ رہا ہوں' بھلا یہ ممکن ہے کہ کوئی تمہیں دیکھے اور پسند اور چاہت کے رنگ اس کی نگاہ میں اس کے دل میں نہ اتریں' یقیناً تمہارا کزن تمہیں چاہتا ہوگا''۔

''جی ہاں ایسا ہی ہے مگر میں فی الحال پڑھنا چاہتی ہوں''۔ رمشاء نے کہا۔

''یہی بات ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے' کہیں تم بھی تو اپنے دل''۔

''نہیں میں دماغ سے کام لیتی ہوں اور دماغ کی ہی مانتی ہوں' خوابوں میں رہنا' مجھے پسند نہیں ہے' انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہئے' اور لڑکیوں کو تو یوں بھی خواب راس نہیں آتے''۔ وہ اس کی بات کاٹ کر سنجیدہ لہجے میں بولی اسے اپنا آپ کمزور ظاہر کرنا اس کا اس قسم کا خیال ظاہر کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''صحیح کہا تم نے' تعجب ہے کہ تم اتنی جلدی یہ بات سمجھ گئیں''۔ کامران نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''سمجھنے کے لئے تو ایک لمحہ ہی بہت ہوتا ہے' بہر حال اب میں چلوں گی بہت دیر ہو گئی''۔ وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''مجھے اس کتاب پر تمہارے تبصرے کا انتظار رہے گا''۔ وہ کھڑا ہو کر بولا۔

''او کے اللہ حافظ''۔ وہ یہ کہہ کر آفس سے باہر نکل گئی۔

''رشنا کا یہ گریز یہ بدلا بدلا سا انداز اور رویہ مجھے اس کی جانب مزید کھینچ رہا تھا آخر کب ختم ہوں گے میری آزمائش کے دن؟'' کامران نے بے بسی سے سوچا۔ گھر آ کر رشنا نے کامران کی کتاب 'محبت نامے' پڑھنی شروع کی' اس میں شمع' ستارہ' مونا' شگفتہ' ریکھا' شبینا' نرگس' مریم اور بہت سی لڑکیوں کے محبت نامے درج تھے۔ کامران کے جوابی خطوط بھی موجود تھے' کتنی لڑکیوں کو اس نے اپنے خوف کے باعث اور ان کی سلامتی کی خاطر واپس لوٹا دیا تھا' اور آخر میں اس نے اپنے خوف کا ان سے بے رخی برتنے کا ذکر بھی کیا تھا اس کا سبب بھی تحریر کیا تھا' کنول کی موت کا احوال لکھا تھا' رشنا کو محبت نامے پڑھ کر بہت ہنسی آئی' پیار بھرے جملوں نے اسے خوب حیران کیا اور ہنسایا مگر آخر میں کامران کاظمی کی بے رخی کا سبب کنول کی محبت اور موت کا ذکر پڑھ کر اسے بہت دکھ پہنچا' بہت رونا بھی آیا' اس نے کامران کاظمی کے آخری جملے کئی بار پڑھے اس نے لکھا تھا۔

''کنول جو میرے اندر رچ بس گئی تھی مجھے کسی اور کے ساتھ دیکھنے کی روادار نہ تھی مجھ پر صرف اپنا حق سمجھتی تھی وہ مرنے کے بعد بھی یہ بات برداشت نہ کر سکی کہ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی آئے' جس کسی نے میرے پاس آنے کی کوشش کی' کنول نے اسے اپنے پاس بلا لیا' وہ ہمیشہ مجھے یہ کہتی ہوئی سنائی دیتی ہے کہ کامی تم صرف میرے ہو میں تمہیں مر کر بھی کسی اور کا نہیں ہونے دوں گی''۔ اور میں سوچتا ہوں کہ کتنی شدید محبت تھی اس کی اور ضد بھی جو مجھے اپنے حصار میں قید کر کے دنیا کی بھیڑ میں تنہا کر کے چلتی بنی' دل میں تو ویرانی چھائی رہتی ہے ہر غم کے بعد دل اجڑ جاتا ہے خالی ہو جاتا ہے میں نے کتنے معصوم دلوں کو تکلیف پہنچائی ہے میں خود بھی دکھی ہوتا رہا ہوں' ہر دکھ اور غم کے ساتھ ہی کنول کی یاد کا الاؤ اور زیادہ تیز ہونے لگتا ہے' اس کی یاد نے میرے دل کی ویرانی کا ماتھا چوم کر مجھ کو یوں تھاما ہوا ہے جیسے میرے سارے دکھ صرف اس کے شانوں کے لئے ہیں' میں اپنی تمام دلربائیوں' چاہنے والیوں سے نادم ہوں کہ میں انہیں سوائے دکھ کے کچھ نہیں دے سکا مگر میری زندگانیوں میں نے یہ سب تمہاری سلامتی کی خاطر سہا اور کیا تھا لکھا تھا' تم اپنے اپنے گھروں میں خوش رہو آباد رہو' خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے میں تمہاری محبتوں کا قرض لئے ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا' میرے اندر گھٹن بہت بڑھ گئی ہے اور سانسیں بھی اب رک رک کر چلتی ہیں' تھمتی نہیں ہیں جس دن تھم گئیں اس دن میری بے قرار روح کو قرار آ جائے گا' اور یقیناً کنول کی روح کو بھی' اپنے انجام کا منتظر اور تم سب کے لئے تا حیات حرف دعا۔ تمہارا نا آسودہ اور بے چین کامی''۔

''توبہ تم ہو کامران کاظمی محبت میں شدت کے علمبردار بہت سوں کے پیار مگر پھر بھی بے قرار' تم تو سمندر ہو

Ridadigest.com

اور سمندر کے آگے قطروں کی کیا حیثیت تمہارے دل ودماغ سے بچپن کی پہلی محبت کا رنگ نہیں مٹ سکا' تو بھلا نئے رنگ تمہیں کیونکر اور کب تک اپنی طرف مائل رکھ سکتے ہیں' کچی عمر کا پکا پیار' پرانے رنگ زیادہ دیرپا اور گہرے ہوتے ہیں ان کے سامنے نئے رنگ بہت جلد ماند پڑ جاتے ہیں' تم شدت کے قائل تھے اور قدرت شدت کو پسند نہیں کرتی تم نے جسے شدت سے چاہا اس کی جدائی نے تمہیں شدت سے رلایا بھی' تم دکھی ہو' قابل رحم اور مستحق ہمدردی ہو' تمہارا غم جاں گسل سہی مگر تمہارا یوں قسمت سے متنفر ہونا محبت سے نفرت کرنا مثبت فعل نہیں ہے' تمہیں محبت نے تو کبھی بھی دھوکا نہیں دیا البتہ تمہاری قسمت نے تمہاری شدت پسندی کی سزا ضرور دی ہے تمہیں' تمہارے لئے تو کنول ہی مناسب تھی' تم جیسی شدت پسند اور جذباتی' مگر جنہیں تم نے نامراد لوٹا دیا' انہیں اپنایا تو ہوتا کیا یہ ضروری تھا کہ وہ بھی تمہارے خوف کی عملی شکل بن جاتیں خلوص شرط ہے کامران کاظمی تم کنول کی محبت سے نکلتے تو پوری طرح کسی شمع کے ہوتے اور ریکھا کی جانب بڑھتے نا' تمہارے دل کے نہاں خانوں میں کنول کی محبت بھری یاد چھپی بیٹھی تھی اور تم بظاہر کنول کو مونا' شمع اور ریکھا میں تلاش کر رہے تھے' تمہیں محبت کرنا آتی ہے مگر تم نے ہمیشہ گلاب چہروں' چاند مکھڑوں سے ہی محبت کی باقی چہروں کا کیا قصور تھا' تم ہمیشہ حسن کے پیچھے بھاگے اور حسن تو چار دن کا جمال ہوتا ہے جبھی تو تم سے روٹھ گیا اور اسے دیکھ کر تمہاری آنکھوں سے جگمگانے والی چمک بھی ماند پڑ گئی کامران کاظمی! تم جیسا شعلہ صفت شخص کسی مونا ریکھا کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا' تم مونا' شمع یا ریکھا کے ساتھ زیادہ دیر اپنی شدتوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے تھے' وہ بے چاری نازک سی لڑکیاں تمہاری شدتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں تم بھی بہت جلد ان میں یکسانیت محسوس کرنے لگتے' دریافت کے در بند ہوجاتے اور تم کسی اور مونا کی طرف بڑھ جاتے' کسی اور شمع پر پروانہ وار نثار ہوتے' اور تمہاری یہ شدت پسندی اور جذباتیت تمہیں جلا کر راکھ کردیتی' جو کہ ان حالوں میں بھی کرچکی ہے تمہارا جلنا' بجھنا ہمہ وقت چمکتی ماند پڑتی آنکھیں بہت کچھ کہتی اور سمجھاتی ہیں تم نے بہت دکھ سہے' بہت صبر کیا لیکن تم قسمت سے اس کے فیصلوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہو گو نعوذ باللہ تمہیں قدرت سے خالق کائنات سے نفرت ہے اس کے فیصلوں سے نفرت ہے' اس کا رضا سے ناراض ہو تم' اس کی جگہ کسی اور کو اس قدر شدت سے چاہو گے تو وہ سزا تو دے گا نا' اس کی محبت سے بڑھ کر کسی کی محبت کو دل میں جگہ دو گے تو وہ ثانوی محبت تم سے چھین کر تمہیں بتائے گا یاد دلائے گا کہ پہلا حق اس کا ہے اصل محبت اس سے محبت ہے' مخلوق سے محبت کرو مگر خالق کو بھول کر نہیں اس کے فیصلوں سے اختلاف کرکے نہیں اور کامران کاظمی' تمہاری محبتیں اگر اتنی ہی شدید بے ریا اور گہری تھیں تمہارا عشق اتنا ہی سچا کھرا تھا تو یہ عشق بار بار کی ناکامیوں سے دوچار کیوں ہوا اور عشق حقیقی کی جانب اس کی رخ کیوں نہ پھر گیا' اور کامران کاظمی تمہیں اپنی پہلی محبت کنول سے عشق تھا ہے تو یقیناً اس کے مرنے سے تم بھی اندر سے مرگئے ہو گے تو کیا تمہاری کنول کی روح تمہارے روز روز مرنے' تڑپنے سے بے قرار بے چین نہیں ہوتی ہوگی' تمہاری یہ بے رخی بہت سی لڑکیوں کو تڑپاتی رلاتی نہیں رہی کیا؟ تم ان محبتوں کی خاطر اپنی مرحوم محبت کو نہیں بھلا سکے' اور کتنی لڑکیوں نے تمہارے زندہ وجود پر اپنی خواہشوں' چاہتوں' محبتوں اور زندگیوں کے چڑھاوے تک چڑھا دیئے' اور تمہاری اس بے رخی کے باوجود ان لڑکیوں کو جنہیں تم نے نامراد واپس لوٹا دیا تھا ان کے آنسوؤں کے تیل سے دعا کے چراغ تمہاری قبر کے سرہانے ہمیشہ روشن رہیں گے تم لفظوں اور جذبوں کے جادوگر ہو' تم اگر قاری کو رلا ہنسا سکتے ہو انہیں قائل کرکے واپس بھیج سکتے ہو' تو تم میں اپنے دل کو سمجھانے' قائل کرنے اور منانے کی صلاحیت اور طاقت بھی ہونی چاہیے تقدیر کے فیصلے کے سامنے رضائے ربانی کے روبرو ہم سب سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں' ہمیں اس کی رضا کے سامنے سرنگوں ہونا پڑتا ہے' اور رب سے ہماری محبت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس کے فیصلوں پر راضی رہیں ناراضی کا اظہار ہمیں زیب نہیں دیتا' کے مالک ہم نہیں ہیں مالک وہ ہے جو جب چاہے جیسے اور جس وقت چاہے اپنی امانت' اپنی چیز ہم سے واپس لے سکتا ہے' تم نے کہا تھا کہ تمہارا دل بوجھل ہے اب جبکہ تم اس کتاب کے ذریعے اپنے دل کی بات کہہ چکے ہو تو کیا تمہارے دل کا بوجھ اتر گیا ہے کیا تمہاری بے چین روح کو قرار آگیا ہے' کامران! تم ہر مرحلہ زیست میں کامران رہے سوائے عشق کے' ویسے اگر تمہیں کنول سے عشق تھا تو مونا' شمع' ریکھا سے کیا تھا' عشق' پیار یا محض وقتی جذباتی پن۔

تمہاری جان اگر بقول تمہارے کنول میں تھی تو کامران کاظمی! تم نے ان معصوم لڑکیوں کو جنہوں نے تمہیں محبت نامے لکھے انہیں واپس لوٹاتے وقت میری جان کیوں لکھا' میری زندگی' کیوں لکھا' میرا پیار' کیوں لکھا انہیں کیا تم نہیں جانتے کہ ان لفظوں میں کیسا سحر کیسی کشش اور کیسا سرور بھرا ہوتا ہے' تم لاکھ دلیلیں دیتے رہو' جب تم نے ایک معصوم لڑکی کو میری جان کہہ دیا لکھ دیا تو سمجھو کہ سب کچھ کہہ دیا' میری جان' کے بعد کسی منطق' دلیل یا جواز کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی' یہ لفظ ہی اتنا خوابناک اور محبت بھرا ہے کہ کنواری اور معصوم آنکھوں میں خواب خود بخود قدم رکھنے لگتے ہیں' اس پر تم لڑکیوں کو الزام بھی دیتے ہو کہ تم لڑکیاں بہت خوابناک ہوتی ہو ایکدم سے اپنے خوابوں کی دنیا سجانے لگتی ہو' تو کامران کاظمی! لوٹانے والا' میری جان' کہہ کر لوٹائے تو کیا جانے والا سچ مچ چلا جائے گا اسے پچھاڑ کر یاد رہ سکے گا' نہیں وہ تو صرف' میری جان' کے سحر میں ڈوبا رہے گا' تمہارے ساتھ کی پیاری لڑکی نے بے وفائی نہیں کی البتہ تم نے کئی لڑکیوں کو' میری جان' یعنی اپنی جان اپنی زندگی قرار دے کر ان سے قطع تعلق کرکے ان کے ساتھ بے وفائی ضرور کی ہے۔ تم مانو یا نہ مانو تمہارا یہ طریقہ کار ان کے لئے دکھ کا باعث ضرور رہتا ہے' تم محبت میں ہجر کے دکھ کو سمجھتے تھے اس کے باوجود تم نے ان معصوم لڑکیوں کو یہ دکھ جھولی بھر کے دیا' تمہارے خوف نے کتنے دلوں کو دکھی کیا جانتے ہو تم' تمہیں محبت سے نفرت ہوگئی کامران کاظمی! حالانکہ آج جو عزت' شہرت اور مقام تمہیں حاصل ہے اسی محبت کا ثمر ہے' تمہاری زندگی میں ایک کے بعد ایک کنول آتی چلی گئی' تم نے ان کے جذبوں سے اپنے ناآسودہ جذبوں کی تسکین چاہی' تمہیں تو اپنے قلم کے لئے کہانیوں کے لئے مواد ملتا رہا' تمہارے پاس لفظوں اور کہانیوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا اور جب نئی کنول تمہارے پاس آجاتی تو تم پرانی کنول کو انہی لفظوں کے سحر سے واپسی کا راستہ سمجھاتے رہے تو جلتے چراغ عشق بجھا دیئے کامران کاظمی! تم سمجھتے ہو کہ عشق ومحبت کی انتہا تم پر ختم ہے' بہت خوش فہم اور نادان ہو تم' تم نے خوشیوں اور محبتوں کو خوف اور نفرتوں کی بھٹی میں جھونک دیا' تم نے اپنا آپ خود اندر سے مار لیا ختم کرلیا حالانکہ زندہ رہنے کو تمہارے پاس بہت سی محبتیں تھیں' تمہارا تو وقت گزرتا رہا تا' نئے رنگ کی محبت ہر مرحلے پر تمہیں ملتی رہی پھر بھلا مستقل کسی کو کیا اپنائے؟ تم نے اپنے قلم سے ادبی دنیا میں وہ بلند مقام حاصل کر ہی لیا ہے کہ تمہیں اب کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں' تمہیں اپنی ناموری کے لئے اپنے نام کو زندہ رکھنے کے لئے اولاد جیسے سہارے کی ضرورت بھی نہیں محسوس ہوئی کے تمہارا اپنا کام ہی تمہارا نام اور مقام کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے' اور کامران کاظمی! اگر تم اپنے خطوط پر اپنے لفظوں پر غور کرو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ تم نے اپنے لفظوں سے ہی آتش عشق کو ہوا دی اور پھر خود اس پر ٹھنڈا پانی ڈال کر اسے بجھا دیا' کامران کاظمی محبت میں قربانی دینا پڑتی ہے رب کی رضا کے لئے اپنی رضا اپنی خوشی' اپنی مرضی' اپنی محبت قربان کرنا پڑتی ہے جو ایسا کرتا ہے وہ رب کی رضا حاصل کرلیتا ہے جیت جاتا ہے جنت خرید پاتا ہے' جس کی موت جیسے لکھی ہوگی ویسے ہی آئے گی تم خود کو الزام

Ridadigest.com

مت دو تم خود کو منحوس اور ان کی موت کا ذمہ دار سمجھ کر غلطی کر رہے ہو موت وحیات کے فیصلے خدا کے ہاتھ میں ہیں تم اپنے ہاتھوں پر کنول ریکھا موتا کے لہو کا رنگ مت تلاش کرو ہاں اگر ایک بار صدق دل سے خدا اور اس کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کرلو بدگمانیوں کو دل سے مٹا کر نئی زندگی کا آغاز کرو تو مجھے یقین ہے کہ اب کوئی کنول نہیں مرے گی فیصلہ اب تمہیں کرنا ہے کامران کاظمی خوشی اور زندگی کا فیصلہ تمہیں یقیناً کوئی کنول مل جائے گی کہ محبت کا رنگ ایک ہی ہوتا ہے نام خواہ کچھ بھی رکھ لیں۔

''چاند بدلا ہے کہیں جھیل بدل جانے سے
آئینہ کوئی بھی ہو عکس تمہارا ہوگا''

رشنا نے طویل خط لکھنے کے بعد پوسٹ کر دیا تو جیسے دل کا غبار چھٹ گیا' کامران کاظمی اس کا یہ خط پڑھ کر کتنی ہی دیر گم صم بیٹھا رہا' پھر بولا تم کیا جانو رشنا ڈارلنگ! کہ وقت کے یہ زخم کتنے گہرے ہیں۔

''وقت کے جسم کی خراش ہوں میں
اپنے اندر سے پاش پاش ہوں میں''

☆☆☆☆

''پھول کے لئے پھول پیش خدمت ہے''۔ شہریار نے رشنا کے سامنے گلاب کا پھول کرتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر حیاء کے پھول کھل گئے دل زور سے دھڑکا۔

''آپ اس خدمت کی زحمت مت کیا کیجئے شیری بھائی!'' وہ سنبھل کر بولی۔

اس پر بہت کچھ واضح ہو چکا تھا مگر وہ ابھی شہریار پر کچھ واضح نہیں کرنا چاہتی تھی اسے دل و دماغ کو پرسکون حالت میں لانے کے لئے ابھی کچھ وقت درکار تھا اور شہریار سے بے تکلفی اور محبت کا اظہار فی الحال اسے نامناسب محسوس ہو رہا تھا اسی لئے وہ اس سے بے رخی برت رہی تھی۔

''میں تمہارے لئے خدمت اور ہر زحمت کرنے کو دل وجان سے راضی ہوں تو تمہیں کیا اعتراض ہے؟'' وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''شیری بھائی! میں نے آپ کو وارن کیا تھا کہ''۔

''اچھا ظالم ضدی لڑکی! نہیں کہتا کچھ مگر یہ پھول تو لے لو''۔ وہ اس کی بات کاٹ کر ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔

''جب ضرورت محسوس کروں گی تب لے لوں گی''۔ رشنا نے معنی خیز لہجے میں کہا اور رسی پر پھیلے سوکھے کپڑے اتارنے لگی' شہریار نے بے بسی اور محبت سے اسے دیکھا اور پھول اس کے تہہ شدہ کپڑوں پر رکھ دیا کہ پھول وہ اسی کے لئے لایا تھا واپس لے جانا اس کے لئے محال تھا۔

''شہری بھائی! آپ کب تک محاذ محبت پر ڈٹے رہیں گے؟'' رمشاء نے یہ کارروائی دیکھنے کے بعد مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ رشنا کے گلابی چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''رمشاء بہن! میں فوجی بندہ ہوں قول کا سچا اور ارادے کا پکا ثابت قدم اور زندہ دل جوان ہوں' پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں محاذ محبت ہو یا محاذ جنگ' جب تک سانس ہے تب تک آس ہے کہ اصول پر عمل کرنے کا ارادہ ہے میرا' ارادہ اور یقین مضبوط ہو تو فتح یقینی ہوتی ہے۔

''میری دعائیں اور نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں''۔ رمشاء نے دل سے کہا۔

''اور میری بھی' سنا ہے شادی کے دن قریب آرہے ہیں میری بہنا کے''۔ شہریار نے مسکراتے ہوئے شو

..ے میں کہا تو وہ شرما کر کچن کی طرف بھاگ گئی وہ ہنس پڑا' رشنا بھی موقع ملتے ہی تیزی سے اپنے کمرے میں ..لی گئی۔ اور اسے جاتا دیکھ کر شہریار اپنے دل میں اٹھتی بے قراری کی ٹیسوں کو بمشکل دبا پایا تھا' رمشاء کی شادی ..پھو کے بیٹے جنید سے ہو رہی تھی' رمشاء بہت خوش تھی' اور رشنا اس کے چہرے پر پھیلی خوشی کو دیکھ کر سوچتی کہ یہ ..ت ہے تو وہ کیا تھا؟ کامران کاظمی سے رمشاء کو کیسی محبت تھی شاید وہ وقتی سحر تھا لفظوں کا جادو تھا' جو اس کی بے ..ی اور خاموشی کے باعث ٹوٹ گیا تھا' اور رمشاء نے اپنے جذبوں کی ناقدری سے دلبرداشتہ ہو کر کامران کاظمی ..و دل سے نکال دیا تھا اور جنید کی صورت اور محبت دل میں بسالی تھی' اور وہ حقیقت میں خوش نظر آرہی تھی رشنا خود ..تی تو اس کے لفظوں کے سحر میں جکڑ گئی تھی' اب حقیقت میں ساری صورتحال کو دیکھنے پر اس پر واضح ہوا تھا کہ ..ے کامران سے عقیدت تھی اس کی پراثر اور پرسحر کہانیوں کے باعث وہ اس کا احترام کرتی تھی اس کی ..بصورت سوچ اور محبت کی عظمت سے عورت کی عزت سے بھرپور جملوں سے' اسے اس سے محبت تھی ویسی ہی ..بت جیسی کوئی شخص اپنی پسندیدہ فیلڈ کے کسی ہونہار' ذہین' اور غیر معمولی کارنامے انجام دینے والے شخص سے ..رتا ہے' اس کے کام کو محبت سے سراہتا ہے' اسے آئیڈیل لائز کرنے لگتا ہے' اس کے متعلق ہمیشہ اچھا سوچتا ہے' ..ن میں جیسا بننے لگتا ہے ملنے اس سے بات کرنے کو مچلتا ہے' جیسے ایک کرکٹ کا کھلاڑی ہزاروں دلوں کی ..دھڑکن ہوتا ہے' سب اسے ہیرو کہتے ہیں اس کے پورٹریٹ سے اپنے بیڈ رومز سجاتے ہیں اس کی ایک ایک ..ات پر تبصرے کرتے ہیں کوئی مصوری میں پکاسو اور ان کو کمال کو ہیرو سمجھتا ہے ان کے کام سے محبت کرتا ہے ان ..ی عزت کرتا ہے انہیں عقیدت سے یاد کرتا ہے اسی طرح ادیب اور شاعر بھی بہت سے دلوں میں ہلچل مچا دیتے ..ہیں' ان کی تحریریں لوگوں کی توجہ اور محبت اپنی جانب مبذول کرنے کی کشش رکھتی ہیں ایسی ہی کشش رشنا کو ..کامران کاظمی کی تحریروں میں اس کی ذات میں اس کی شخصیت میں محسوس ہوئی تھی' جسے وہ محبت سمجھی تھی تو وہ ..وب کی محبت نہیں تھی' کامران کاظمی کے لئے اس کے دل میں محبت' عزت اور عقیدت بیک وقت موجود تھی' ..لیکن جو محبت ایک لڑکی کو ایک کنواری دوشیزہ کو اپنے محبوب سے ہوتی ہے وہ محبت رشنا کو شہریار سے تھی یا نہیں اس ..وال کا جواب اس نے وقت اور حالات پر چھوڑ دیا تھا' مگر یہ طے تھا کہ وہ کامران کاظمی اور شہریار کو الگ الگ ..ٹھہرا رہی تھی محسوس کر رہی تھی' ان کا آپس میں مقابلہ نہیں کر رہی تھی' اگر اسے کامران کاظمی سے ادبی محبت تھی اس ..ے عقیدت اور احترام کا تعلق تھا تو محبت' عزت' احترام اور عقیدت کے جذبات اسے شہریار کے لئے بھی محسوس ..ہوتے تھے' وہ شہریار کی آمد کی اس کی عادات اور باتوں کی عادی ہو گئی تھی' جس ویک اینڈ پر وہ گھر نہ آسکتا تو رشنا ..کو بے چینی سی ہونے لگتی' اس کا دھیان بار بار شہریار کی جانب چلا جاتا' اب اسے اپنی بے چینی کی وجہ بھی کچھ کچھ ..سمجھ میں آرہی تھی' دوسری طرف اسے اس بات کا بھی رنج تھا کہ اس نے کامران کاظمی کو ناحق' تنقید بھرا خط لکھ دیا ..ہے کامران کاظمی کے دکھ کا احساس تھا اسی لئے اسے اپنے خط کے ذریعے ہرٹ کر کے دکھی بھی ہو رہی تھی' اسے ..اپنی جلد بازی اور جذباتی طبیعت پر سخت غصہ آرہا تھا' وہ بہت دن تک اس سے ملنے بھی نہ جا سکی کہ رمشاء کی ..شادی کی شاپنگ میں بازار کے چکر لگانے میں دن گزر جاتا اور رات کو وہ مہندی کے شادی کے گیت گانے بیٹھ ..جاتی' اس روز وہ ٹیلر سے اپنے اور رمشاء کے کپڑے لینے کے لئے گئی تو دکان پر زیادہ رش نہیں تھا لہٰذا اسے ..کپڑے فوراً مل گئے وہاں سے واپسی پر وہ کامران کے آفس چلی آئی۔

السلام علیکم سر کیا میں آسکتی ہوں؟'' رشنا نے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم اسلام سورج کی پہلی کرن تم آئیں بھی اور چلی بھی گئیں''۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر مسکراتے

ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا وہ نروس سی ہوگئی۔

‘‘کیسے ہیں آپ؟’’ وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

‘‘میں بہت برا ہوں‘ جبھی سب مجھے چھوڑ کر چلی گئیں’’۔

‘‘نہیں سر آپ بہت اچھے ہیں‘ بہت مخلص اور محبت کرنے والے انسان ہیں’’۔

‘‘تو کیا تم اس مخلص‘ اچھے اور محبت بھرے انسان سے شادی کرو گی؟’’

‘‘جی’’۔ اس نے اس غیر متوقع سوال پر ٹپٹا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

‘‘نہیں’’۔

‘‘کیوں نہیں؟’’

‘‘کیونکہ سر آپ ایک سمندر ہیں جبکہ میں محض قطرہ ہوں‘ سمندر کی پیاس تو سمندر ہی بجھا سکتا ہے نا‘ مجھ جیسے نجانے کتنے قطرے آپ کی ذات کے سمندر میں ٹپکے اور گم ہوگئے سمندر کی پیاس تو پھر بھی نہیں بجھی‘ سمندر کی پیاس بجھانے کے لئے سمندر درکار ہوتا ہے‘ سمندر کے آگے قطرے کی کیا اہمیت؟ جو آپ کی طرح سمندر ہو اسے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہیے میں تو قطرہ ہوں اور ابھی گم ہونا نہیں چاہتی جو سمندر‘ قطرے کو سمندر بنا دے سمندر سمجھے یہ قطرہ اسی کے دامن میں جذب ہونے کے لئے ہے’’۔ رشنا نے سنجیدگی سے کہا۔

‘‘ڈر گئیں ناں تم بھی میری نحوست کے سائے سے’’۔ کامران کاظمی نے ہنس کر کہا۔

‘‘نہیں سر میں آپ کو منحوس نہیں سمجھتی ہوں اور نہ ہی آپ کی قسمت کو لیکن میں جانتی ہوں کہ آپ جیسا شعلہ صفت شخص اپنے سے زیادہ شدت اور گہرائی رکھنے والی ہستی کے ساتھ ہی چل سکتا ہے‘ اور سر آپ کی اور میری عمر میں بائیس برس کا فرق بھی ہے جو میرے والدین قبول نہیں کریں گے اور میں حقیقت سے ساری صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ آپ میری منزل نہیں ہیں اور میں اپنے شریک زندگی کو صرف اپنا دیکھنا چاہتی ہوں مجھ میں شاید اتنا ظرف نہیں ہے کہ میں اپنے ہونے والے شوہر کو بہت سی لڑکیوں کے عشق میں پاگل ہوتا دیکھوں میں چاہوں گی کہ جو شخص میری زندگی کا محرم و مختار بنایا جائے وہ صرف مجھ سے محبت کرے‘ مجھ سے پہلے اس کی زندگی میں کوئی مونا‘ نرگس‘ یا شمع نہ آئی ہو‘ بہت سی لڑکیاں اس سے اظہار محبت کریں اسے لو لیٹرز لکھیں یہ میں گوارہ نہیں کروں گی کیونکہ ایسے میں پھر کس نرگس‘ شمع کی جانب اس کا دل پھسل سکتا ہے وہ میرے ہوتے ہوئے کسی اور کا سوچ سکتا ہے جو میری انا اور محبت کو کسی طور پر قبول نہیں ہوگا’’۔

‘‘رشنا! تمہارے ہوتے ہوئے تمہیں پانے کے بعد کسی شخص کو کسی اور کی تلاش یا خواہش کبھی نہیں ہو سکتی‘ بہر حال تم نے خود سے سب کچھ سمجھ لیا مجھے اس کی خوشی ہے تم ذہین ہی نہیں سمجھدار بھی ہو’’۔ کامران کاظمی نے اس کی بات سننے کے بعد اور مسکراتے ہوئے کہا اس کا لہجہ اور انداز نارمل تھا رشنا کو اطمینان ہوا کہ اس کی باتوں نے اسے ہرٹ نہیں کیا۔

‘‘سر میرے دل میں آپ کے لئے بہت عزت‘ عقیدت اور احترام ہے لیکن اس سب کے باوجود میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی‘ کیونکہ میرا دل کہتا ہے کہ میں اس رشتے کے حوالے سے آپ سے انصاف نہیں کر سکوں گی نہ ہی آپ کی توقعات اور خواہشات پر پورا اتر سکوں گی‘ آپ کے لئے آپ سا ہی ساتھی ہونا چاہئے’’۔ وہ نظریں جھکائے مدھم آواز میں بولی۔

‘‘رشنا! مجھے اب کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہے یوں بھی وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے‘ تمہیں دیکھ کر جو طوفان میرے اندر بپا ہوا تھا وہ بھی تھم گیا ہے ٹھہر گیا ہے مگر شاید میں اب یہاں نہ ٹھہر سکوں‘ ان فضاؤں میں مجھے گھٹن

محسوس ہونے لگی ہے‘ میں کسی اور کی موت کا سبب نہیں بننا چاہتا’’۔ وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

‘‘کامران صاحب! میں آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں میں نے آپ کو بہت تلخ اور طنزیہ خط لکھا تھا‘ یقیناً آپ بہت ہرٹ ہوئے ہوں گے آئی ایم سوری پتا نہیں مجھے کیا ہوگیا تھا کتاب پڑھتے ہی جو ذہن میں آیا لکھتی چلی گئی اور فوراً پوسٹ بھی کر دیا آئی ایم سوری’’۔ وہ شرمندگی سے بولی۔

‘‘ارے نہیں میں نے قطعی برا نہیں منایا اور ہرٹ ہونے کے لئے اب بچا ہی کیا ہے جو میں ہرٹ ہوتا‘ تم نے بہت سی باتیں صحیح لکھی ہیں‘ شاید مجھے یہ کتاب شائع نہیں کرنی چاہئے تھی مگر خیر ہونی ہو کر رہتی ہے‘ بقول شاعر۔

‘‘منیر اب مان بھی لے تو مقدر کی حقیقت کو
جو ہے وہ بھی ضروری ہے جو گزرا وہ بھی ضروری تھا’’

‘‘آپ کے یہ محبت نامے تو مرزا غالب کے خطوط سے بھی آگے نکل گئے‘ بہت مانگ ہے ان کی’’۔ رشنا نے ایمانداری سے تعریف کی۔

‘‘طنز کر رہی ہو؟’’ کامران نے بجھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

‘‘نہیں حقیقت بیان کر رہی ہوں جو دیکھا سنا اور محسوس کیا وہی کہہ رہی ہوں’’۔ اس نے فوراً وضاحت پیش کی تو وہ ہنس پڑا۔

‘‘شکریہ رمشا کی شادی کب ہو رہی ہے؟’’

‘‘اگلے جمعے ہے اسی کی تیاریوں میں مصروف تھی اس لئے نہ آسکی’’۔

‘‘اور تمہاری شادی کب ہو رہی ہے؟’’

‘‘پتا نہیں میں ایم اے میں ایڈمیشن لینا چاہ رہی ہوں آگے جو اللہ کی مرضی’’۔ رشنا نے نظریں جھکا کر کہا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

‘‘اللہ کرے کہ تم ہمیشہ شاد آباد رہو جس کی بھی شریک زندگی بنو ایک صحت مند اور خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کرو‘ دکھ‘ درد‘ پریشانی تمہیں کبھی چھو کر بھی نہ گزریں‘ تم خود سے پلٹ گئیں میرے دل سے بوجھ اتر گیا ورنہ شاید میں ایک اور دل توڑنے کا سزاوار ٹھہرتا‘ ایک بار پھر سے مر جاتا‘ تم روشنی ہو اور روشنی کو باقی رہنا چاہئے تمہیں کسی کا آنگن روشن کرنا ہے کسی کا من جگمگانا ہے کسی کی روح میں پیار کی کرنیں بکھیرنی ہیں میں تمہیں اپنی بدنصیبی کے سائے میں لینے کی حماقت نہیں کروں گا’’۔

‘‘خدا آپ کو دلی خوشی اور روحانی سکون عطا کرے! اب میں چلوں گی’’۔ وہ جانے کے لئے کھڑی ہوگئی تو وہ اس کے پاس آ کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

‘‘ہاں تم کو جانا ہی ہے جانا تو مجھے بھی ہے رشنا! اب تم یہاں آؤ تو شاید میں تمہیں یہاں نہ ملوں‘ میں یہ شہر چھوڑ کر ان فضاؤں کو خیر باد کہہ کر جا چکا ہوں گا’’۔

‘‘آپ کہاں جائیں گے؟’’ رشنا نے دکھ سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

‘‘جہاں مقدر لے جائے گا’’۔ وہ مسکرایا۔

‘‘آپ لکھنا تو نہیں چھوڑیں گے ناں؟’’

‘‘پتا نہیں لکھنا چھوڑوں گا یا دنیا چھوڑ دوں گا’’۔ وہ افسردگی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

‘‘جتنی سانسیں میرے سینے میں باقی ہیں اتنے لفظ میرے ذہن میں قدرت ضرور اتارے گی‘ قلم ہی میری

Ridadigest.com

کمائی کا ذریعہ ہے جب تک میرا دانہ پانی اس دنیا میں ہے تب تک تو مجھے قلم کو حرکت میں رکھنا ہی ہوگا' لیکن تم سیکھنا مت چھوڑنا' تم بہت اچھا لکھتی ہو اور آہستہ آہستہ مزید اچھا لکھتی چلی جاؤ گی جب لفظ تمہارے دماغ ذہن کے دریچوں پر دستک دینے لگیں تب انہیں صفحہ قرطاس پر سجالینا انہیں ٹھکرانا مت' تم لفظوں کو احترام دو یہ لفظ تمہیں احترام دیں گے سمجھ رہی ہو نا میری بات''۔

''جی سمجھ رہی ہوں آپ پلیز میرا کہا سنا اور لکھا ہوا ہر وہ لفظ مجھے معاف کر دیجئے جو آپ کی دل آزاری کا باعث بنا ہے''۔

''تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو تم نے مجھے ہرٹ نہیں کیا؟''

''خدا کے بعد میں صرف اس بات سے ڈرتی ہوں کہ کہیں میرے کسی لفظ رویئے یا لہجے سے کسی کا دل دکھے' مجھے لگا کہ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے''۔

''رشنا! اول تو ایسا نہیں ہوا دوئم اگر ایسا ہوا بھی ہو تو تم اتنی معصوم' مخلص صاف گو اور پیاری لڑکی ہو کہ تمہیں میں اپنا خون بھی معاف کر سکتا ہوں' تم خوشی خوشی گھر جاؤ مجھے تم نے قطعی ہرٹ نہیں کیا نہ ہی مجھے تم سے کوئی گلہ ہے''۔ کامران نے اس کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ' آپ اپنا خیال رکھیے گا اور سگریٹ پینا ترک کر دیں''۔

''سگریٹ کیا دنیا ہی ترک کر دیں گے دوست''۔ وہ ہنسا۔

''پلیز''۔ رشنا کی آواز بھیگ گئی آنسو پلکوں سے ٹوٹنے کو مچلنے لگے۔

''اوہوں انہیں سنبھال کر رکھو وقت آنے پر یہ قیمتی موتی میرے دامن میں پرو دینا''۔ کامران نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا تو اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پیچھے دھکیل دیئے۔

''اللہ حافظ''۔ رشنا نے الوداعی نگاہ کامران کے چہرے پر ڈال کر کہا۔

''اللہ حافظ' خوش رہنا دوست''۔ کامران نے دل سے کہا نظروں کو اس کے چہرے سے ہٹانے کا حوصلہ نہیں تھا اس میں رشنا حسرت' محبت اور دکھ سے اسے دیکھتی ہوئی تیزی سے آفس سے باہر نکل گئی اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھی۔

''کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی سو میں نے جیون ہار دیا
میں کیسا زندہ دل تھا' اک شخص نے مجھ کو مار دیا!!

کامران کاظمی کی کتاب 'محبت نامے' پر اس کی ہینڈ رائٹنگ سے خالی صفحے پر یہ شعر لکھا تھا' رشنا نے اس پر انگلی پھیری تو آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر کتاب کا دامن بھگونے لگے' اور اس نے سوچا۔

''لیجئے شیری بھائی! رشنا آ گئی لگتا ہے آج خوب شاپنگ کی ہے اس نے''۔ رشنا کو دیکھتے ہی رمشا نے شہریار سے کہا تھا رشنا نے سن گلاسز لگا رکھے تھے جو اندر آ کر بھی نہیں اتارے کہ شہریار کی گہری اور عقابی نظروں سے اس کے رونے کا بھید چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔

''ہیلو شیری بھائی! کیا حال ہے؟'' رشنا نے اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔

''حال تمہاری وجہ سے بے حال ہے' مستقبل تمہاری وجہ سے نہال ہو سکتا ہے اگر تم یہ پھول قبول کر لو''۔ شہریار نے حسب عادت گلاب کا سرخ پھول اس کی جانب بڑھاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

رمشاء یار پانی تو پلاؤ اپنی چیزیں بعد میں دیکھ لینا''۔ رشنا نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے رمشاء سے کہا۔

یار ناراض لہجے میں بولا۔

''رمشاء! اسے پانی پلاؤ اور مجھے پانی میں زہر گھول کر پلاؤ''۔

''ہائے کیوں مجھے پھانسی لگوانا چاہتے ہیں ابھی تو میرے ہاتھوں پر مہندی بھی نہیں لگی''۔ رمشاء نے ہنستے ہوئے دہائی دی رشنا نے گلاسز اتار کر آنکھیں موند لیں وہ خود کو تھکا ہوا ظاہر کر رہی تھی رمشاء نے اسے پانی لا کر دیا تو اس نے آنکھیں کھول دیں مگر نظریں جھکائے رکھیں۔

''رمشاء! اپنی بہن کو سمجھا لو بعد میں مجھے یہ نہ کہنا پڑے کہ''۔

''رشنا! عشق کے لئے ضروری تھی سو میں نے جیون ہار دیا۔

''میں کیسا زندہ دل تھا رمشا! تیری بہن نے مجھ کو مار دیا''

شہریار نے سرد آہ بھر کر شعر کا پوسٹ مارٹم کیا تو رشنا کا دل ڈوب گیا' کامران کاظمی کی زبان سے سنا ہاتھ سے لکھا دیکھا شعر شہریار کو یاد تھا اور یہاں وہ خود اس کے مرنے کا سامان بن رہی تھی اس نے بے قرار نظروں سے شہریار کی طرف دیکھا جو اسی کو دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پر اس کے دل میں بھی ایک بے قراری کی لہر اٹھی تھی' وہ گھبرا کر کچن میں چلی گئی شہریار کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں آئی تو سرخ گلاب اپنے سرہانے رکھا ملا' شہریار پھول ہمیشہ چھوڑ جاتا تھا اور اسے سنبھالنا ہی پڑتا تھا اب بھی اس نے گلاب اٹھایا سونگھا اور ڈائری میں بند کر دیا مگر دل کا درا یکدم ہے کھل گیا اور نڈھال سی ہو کر بستر پر گر گئی' آنسو بہتے چلے گئے یہ آنسو کامران کاظمی سے الوداعی ملاقات کے غم کے تھے یا شہریار کو مایوس کرنے اس کا دل دکھانے کے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی شاید دونوں کا غم مشترک تھا وہ روتے ہوئے نیند کی آغوش میں چلی گئی دو دن بعد اس نے کامران کے آفس میں فون کیا تو اس کے اسسٹنٹ نے بتایا کہ کامران صاحب کام چھوڑ چھاڑ کر شہر سے باہر چلے گئے ہیں رشنا نے بڑی بے دلی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

رشنا! تم شیری بھائی سے اس قدر گریزاں کیوں رہتی ہو حالانکہ وہ تو تمہیں بہت چاہتے ہیں؟'' رمشاء نے کھوجتے ہوئے پوچھا۔

''تو اپنی مرضی سے چاہتے ہیں اس میں میرا کیا دوش؟'' وہ بے پرواہی سے بولی۔

''چاہنے میں دوش اپنا نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی ہم جسے چاہتے ہیں وہ ہمیں کسی گنتی میں شمار نہیں کرتا' ہم خود اس کے لئے گر جاتے ہیں مگر وہ سنگدل محبوب ایک نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کرتا' انسان کو محبت اس سے کرنی چاہئے جو اسے محبت دیتا ہے' یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہماری محبت کسی اور کے دل میں بھی اس شدت سے پیدا ہو جس شدت سے ہم کسی کو چاہتے ہیں' جو محبت سے ہاتھ بڑھائے اس کا ہاتھ تھام لو ساری زندگی محبت اور عزت سے بسر رہے گی' یہ دل کی نادانی کبھی کبھی بہت دکھ دیتی ہے تم ایسا کچھ مت کرنا کہ بعد میں دل کسی اور کو بھی اپنے اندر بسا نہ سکے''۔ رمشاء نے سنجیدگی سے بڑے تجربے کی بات بتائی تھی اور رشنا سمجھ سکتی تھی کہ وہ اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر یہ بات کہہ رہی ہے۔ اس نے رمشاء سے کامران کاظمی کے متعلق کچھ نہیں پوچھا تھا بلکہ وہ تمام خطوط بھی ضائع کر دیئے تھے وہ اس کی نادانی اس کے مستقبل کی پریشانی میں تبدیل ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور نہ اسے شرمندہ کرنا چاہتی تھی وہ اپنی شادی سے خوش تھی اور وہ گزری حماقتیں یاد دلانے کی حماقت کر کے اسے دکھی نہیں کر سکتی تھی سو اس کے دل کا بھید اپنے دل میں مخفی رکھنے کا عہد خود سے لے چکی تھی۔

''رمشاء! تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے تمہیں محبت کر کے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہو جھک کر کچھ نہ پا سکنے کا دکھ ملا

Ridadigest.com

ہو"۔ رشنا نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو ایک لمحے کو اس کا رنگ اڑ گیا۔

"خدا نہ کرے مجھے کوئی دکھ ملے میں تو جنید کے رشتے سے بہت خوش ہوں اور شادی کے بعد میری ساری محبتیں میرے شوہر کے لئے ہوں گی"۔ رمشاء نے سنبھل کر کہا۔

"تھوڑی سی محبتیں ہمارے لئے بھی بچالینا"۔ رشنا نے شوخی سے کہا تو وہ شرما گئی اور کشن اٹھا کر اس کے دے مارا رشنا کو ہنسی آ گئی۔

☆☆☆☆

آج رمشاء کی مہندی تھی گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا بھیا اور بھابی کے ساتھ مل کر اس نے ساری تیاری مکمل کر لی تھی رمشاء پیلے جوڑے میں بہت پیاری اور شرمائی شرمائی سی دل کو موہ رہی تھی رشنا نے میرون اور سبز رنگ کا آرگنزا کا شلوار سوٹ زیب تن کیا تھا اس کی قمیض اور دوپٹے پر کورے اور بکے کا کام کیا ہوا تھا' گولڈن جیولری پہنے بالوں کو کھول کر بہت اسٹائل سے تین چار لٹیں چہرے کے اطراف شانوں پر جھومنے کے لئے چھوڑ دی تھیں دلکش میک اپ کئے بجی وہ سجی دل میں اتر گئی تھی شہریار کے دل میں جو ابھی گجرے لے کر آیا تھا اسے اوپر جاتا دیکھ کر بے خود سا ہو گیا تھا۔

"شیری بیٹا! یہ گجرے رشنا کو دے دو اور اسے کہو نیچے آ جائے سب مہمان آ چکے ہیں رسم شروع کروانی ہے گا گا کر لڑکیوں کے گلے بھی تھک گئے ہوں گے"۔ امی نے اس کے پاس آ کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

"اچھا خالہ! میں بلاتا ہوں رشنا کو"۔ وہ رشنا سے بات کرنے کو مچل رہا تھا موقع ملتے ہی اوپر بھاگا وہ مہندی کی سجی ہوئی طشتری لئے نیچے جانے کے لئے سیڑھیوں کے قریب آ چکی تھی' سفید کرتا شلوار میں اونچا لمبا شہریار آج فوجی وردی میں ملبوس شہریار سے بہت مختلف لگ رہا تھا رشنا نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہیلو شیری بھائی!"

"ہیلو اور یہ لو"۔ اس نے مسکراتے ہوئے گلاب کی ادھ کھلی کلی اس کی طرف بڑھا دی۔

"میرے ہاتھ مصروف ہیں"۔ وہ نروس ہوتے ہوئے بولی۔

"لیکن میرے ہاتھ تو مصروف نہیں ہیں"۔ شہریار نے مسکراتے ہوئے کہا اور گلاب کی وہ کلی اس کے بالوں میں سجادی وہ مزید نروس ہوگئی۔

"شیری بھائی آپ"۔ وہ مارے حیاء کے آگے کچھ بول نہ سکی۔

"میں تمہارا ہوں لیکن بھائی نہیں صرف شیری"۔ اس نے اس کا جملہ مکمل کیا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے"۔ وہ سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں دیر تو ہو رہی ہے"۔ وہ معنی خیز لہجے میں بولتا اس کے دل پر بجلیاں گرا رہا تھا۔

"رشنا! تم آج معمول سے زیادہ حسین لگ رہی ہو"۔

"آپ بھی معمول سے زیادہ مختلف لگ رہے ہیں"۔ اس نے سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔

"ہوں تو تم نے اس قدر غور سے دیکھا ہے مجھے"۔ شہریار نے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بری طرح سٹپٹا گئی اور سیڑھیوں سے گرتے گرتے بچی شہریار نے اس کا بازو پکڑ کر اسے گرنے سے بچالیا تھا اس کے لمس نے اسے مزید حواس باختہ کر دیا۔

"دل میرا ڈگمگا رہا ہے اور قدم تمہارے ایمان سے بہت ظالم ہو تم' اگر مان جاتیں تو آج میں یوں آنے کی بجائے تمہارے ان خوبصورت ہاتھوں کے لئے مہندی لے کر آتا اور تم سے یوں سیڑھیوں پر ملنے کی بجائے سیج پر ملتا"۔ وہ اس کے چہرے کو والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا۔

"پلیز کیا ہو گیا ہے آپ کو سب ادھر ہی دیکھ رہے ہیں"۔ وہ گھبرا کر بولی۔

چہرہ حیاء سے گلنار ہو رہا تھا' دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی ہاتھوں میں نمی اتر گئی تھی۔

"کتنی اچھی جوڑی ہے ہماری"۔ وہ شوخی سے بولا تو اس نے پلکیں اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا شہریار کے دل کی دنیا تہہ و بالا ہو گئی کیسے کیسے جذبے اپنے اظہار کو مچلنے لگے اس نے ضبط کی کوشش میں اپنے لب بھینچ لئے چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو گیا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟" وہ گھبرا کر بولی۔

"پھر نجانے کب دیکھنا نصیب ہو اس لئے جی بھر کے دیکھ رہا ہوں تاکہ یہ لمحے یہ رنگ یہ عکس اپنی نگاہوں میں سمو کر یہاں سے جاؤں' یہ گجرے پکڑو"۔ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا اور گجروں کا لفافہ اسے تھما کر تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا' اسی وقت اس کی تصویر کھنچ گئی کیمرے کی فلیش نے اس کے حواس بیدار کئے تو وہ فوراً لان کی طرف بھاگی جہاں رمشاء کو مہندی کی رسم کے لئے لاتا تھا۔

☆☆☆☆

مہندی اور شادی کا فنکشن خیریت سے اختتام کو پہنچا' رشنا کا اس دوران شہریار سے کئی بار سامنا ہوا' اور دل کی دھڑکنوں نے شہریار کے نام کی خوشبو روح میں بکھیری وہ اس سے کترائی گھبرائی سی پھرتی رہی اور وہ اس کے اس رنگ و روپ کو اپنے کیمرے کی آنکھ میں یادگار کے طور پر محفوظ کرتا رہا' شادی کے بعد دعوتوں کے سلسلے شروع ہو کر ختم ہو گئے رمشاء جنید کی سنگت میں بے انتہا خوش تھی رشنا کو بھی بہت خوشی تھی کہ وہ زندگی سے بددل نہیں ہوئی تھی اور زندگی سے اپنے حصے کی خوشیاں وصول کر رہی تھی وہ اس کی ان خوشیوں کے دوام کے لئے دعا گو تھی۔

شام کو وہ سو کر اٹھی تو اس کے سرہانے سرخ گلاب مہک رہا تھا اس نے فوراً گلاب اٹھا کر دیکھا سونگھا اور وہیں رکھ کر جلدی سے واش روم میں گھس گئی منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے باہر نکلی تو شہریار کی امی کو اپنی امی اور بھابی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے اور باتیں کرتے دیکھ کر وہیں آ گئی اور سلام دعا کے بعد اس کی نظریں بے اختیار اور بے تابانہ شہریار کو ڈھونڈنے لگیں۔

"خالہ جان! شیری بھائی کہاں ہیں اتنے دنوں سے آئے نہیں؟" اس نے پوچھ ہی لیا۔

"شیری تو کوئٹہ چلا گیا ہے"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"کوئٹہ"۔ اسے حیرت کا دھچکا لگا۔

"مگر کب اور کیوں؟"

"گھنٹہ پہلے اس کی فلائٹ تھی اور کیوں کا جواب یہ ہے کہ کوئٹہ اس کا ٹرانسفر ہو گیا ہے نا اسی لئے اسے جانا پڑا میں تو اداس ہو گئی ہوں اس کے جانے سے"۔ ممی نے سنجیدگی سے بتایا تو اس کا دل بجھ سا گیا' روح بے چین ہو گئی۔

"خالہ جان! آپ شیری بھائی سے کہہ دیجئے گا کہ میں ان سے ناراض ہوں بہت برے ہیں وہ مجھے بتائے بغیر مجھ سے ملے بغیر اتنی دور چلے گئے"۔ رشنا نے خفگی پیار اور معصومیت سے لبریز لہجے میں کہا تو انہیں ہنسی آ گئی۔

Ridadigest.com

''بیٹا! وہ آیا تو تھا تم سے ملنے تم سو رہی تھیں تو وہ کمرے سے واپس آ گیا''۔ ممی نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پیار سے کہا۔

''ہاں تو اور کیا تمہاری نیند خراب نہیں کرنا چاہتا تھا میں نے کہا بھی تھا کہ میں جگا دیتی ہوں مگر اس نے منع کر دیا کہ خالہ اس کی نیند خراب ہوگی سونے دیں اسے میرا اسلام کہہ دیجئے گا''۔ ممی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''وعلیکم السلام مگر میں خفا ہوں ان سے خالہ بتا دیجئے گا انہیں''۔ اس نے معصومیت سے کہا اور انہیں ہنستا دیکھ کر وہاں سے اٹھ گئی۔

شہریار کے جانے سے اسے اپنے اندر اترتی بے چینی اور بے کلی کی سمجھ آ رہی تھی رات کو اس کی نیند شہریار کی صورت دیکھتے گزر جاتی اس کا ایک ایک انداز اسے بے چین کرتا' تڑپاتا تو وہ اپنی ڈائری کھول کر اس کے دیے ہوئے گلاب دیکھنے لگتی جو ڈائری میں رکھنے سے سوکھ گئے تھے مگر خوشبو اب بھی دے رہے تھے اس کا رزلٹ آ وٹ ہو گیا تھا اور اس روز دوپہر کو ایئر سروس کی طرف سے اسے سرخ گلابوں کا بڑا سا بکے اور گریٹنگ کارڈ موصول ہوا اس نے کارڈ کھول کر دیکھا۔

''ڈیئر رشنا! کامیابی بہت بہت مبارک ہو تمہاری مزید کامیابیوں کے لئے دعا گو شہریار ثاقب''۔

''شہریار! کو میری کامیابی کی خبر بھی ہے اور خوشی بھی' تھینکس شیری!'' اس نے دل میں کہا اور نجانے کب کے رکے ہوئے آنسو آنکھوں سے پھسل کر پھولوں پر گرنے لگے اسی وقت رمشاء کی چہکتی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''ہیں یہ خوشی کے موقع پر آنسو کیوں بہائے جا رہے ہیں؟''

''خوشی کے شکرانے کے طور پر''۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی اور اٹھ کر اس کے گلے سے لگ گئی اور کتنی دیر دونوں ایک دوسرے سے لپٹی رہیں۔

''کیسی ہو رمشاء خوش تو ہو نا''۔ اس نے الگ ہوتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔

''الحمدللہ میں بہت خوش ہوں اور تمہیں کامیابی پر مبارکباد دینے آئی ہوں کیا ریزلٹ آیا ہے تم نے اور میں تو بس''

''بس بس زیادہ سیڈ ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ بتاؤ جنید بھائی کہاں ہیں وہ ساتھ کیوں نہیں آئے'' اس نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''وہ شام کو آئیں گے پھر ہم یہ کامیابی سیلبریٹ کریں گے یہ بکے کس نے بھیجا ہے؟'' اس نے بکے لے کر پوچھا۔

''شیری بھائی نے''۔

''او تو اس لئے آنسو بہائے جا رہے تھے''۔ وہ شرارت سے بولی۔

''نہیں بس یونہی یاد آ گئے تھے کہ ہمیشہ پھول لے کر آتے تھے آج بہت دنوں بعد ان کی طرف سے پھول ملے ہیں''۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم پھول قبول کرو میں امی اور بھابی سے مل لوں پھر شیری بھائی کو فون کروں گی''۔ وہ بکے اسے دے کر چلی گئی۔

''پھر نجانے کب دیکھنا نصیب ہو اس لئے جی بھر کے دیکھ رہا ہوں''۔

شہریار کی بات اسے اچانک ہی یاد آ گئی تو اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا تھا وہ کوئٹہ جانے کے حوالے سے بات کر رہا تھا۔

''جی شیری بھائی! آپ کے پھول پا کر وہ خوشی سے رو رہی ہے''۔ رمشاء کارڈلیس لئے رشنا کے پاس چلی آئی وہ شہریار سے کوئٹہ بات کر رہی تھی۔

''اتنے دن نہ آنے کی پھول نہ لانے کی کسر تو آپ نے اتنے ڈھیروں پھول بھیج کر پوری کر دی ہے رشنا کہہ رہی ہے کہ آپ کی کمی کون پورا کرے گا''۔ وہ ناراض ہے آپ سے کہ آپ یہ پھول خود کیوں نہیں لے کر آئے''۔ رمشاء شوخی سے کہہ رہی تھی رشنا نے اسے کہنی مار کر کہا۔

''کیوں جھوٹ بول رہی ہو ان سے؟''

''شیری بھائی! رشنا خفا ہو رہی ہے کہ میں آپ کو اس کی کیفیت اور حالت کی رپورٹ کیوں دے رہی ہوں' یہ میرے پاس ہی ہے اچھا ایک منٹ''۔ رمشاء نے ہنستے ہوئے کہا اور کارڈلیس رشنا کی طرف بڑھا دیا۔

''لو بات کروان سے''۔

''میں بات نہیں کروں گی''۔ رشنا نے چاہنے کے باوجود انکار کر دیا۔

''تو کیا ملاقات کرو گی؟'' رمشاء نے شرارت سے کہا تو اس نے اس کے مکا جڑ دیا۔

''بہت شوخ ہو گئی ہو شادی کے بعد سے''۔

''تم بھی ہو جاؤ گی شادی کر لو اور شیری بھائی سے بات کر لو بل بڑھ رہا ہے''۔ اس نے شوخی سے کہا اور کارڈلیس زبردستی اس کے ہاتھ میں دے کر وہاں سے اٹھ گئی۔

''ہیلو السلام علیکم''۔ رشنا نے کارڈلیس کان سے لگا کر کہا۔

''وعلیکم السلام کیسی ہے میری رشنا؟'' شہریار کی محبت بھری صدا گونجی۔

''رشنا اگر آپ کی ہے تو آپ کو اپنی رشنا کا حال معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیسی ہے؟'' رشنا نے سنبھل کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''میں جانتا ہوں کہ میری رشنا بہت پیاری بہت اچھی بہت مخلص اور حساس ہے' اور رشنا روئی کیوں ہے آج؟''

''میں تو نہیں روئی رمشاء جھوٹ بول رہی تھی''۔ اس نے فوراً جھوٹ بولا۔

رمشاء جھوٹی سہی لیکن میں تمہاری آواز کی لہجے کی نمی کو اپنے دل کے کانوں سے سن اور محسوس کر رہا ہوں اتنی دور آ گیا ہوں میں تم اب مجھے یہاں بھی چین سے نہیں رہنے دو گی''۔ اس کا لہجہ اور الفاظ معنی خیز تھے وہ سٹپٹا گئی۔

''آپ واپس کب آئیں گے؟''

''جب تم کہو گی''۔ لہجے میں اپنائیت چھلک رہی تھی۔

''ہاں ہاں جیسے گئے تو میرے کہنے سے تھے نا''۔ وہ خفگی سے بولی تو وہ زور سے ہنس دیا۔

''اچھا تو تم مل کر نہ آنے پر خفا ہو بھئی میں آیا تو تھا تم سے ملنے مگر تم سو رہی تھیں اور اتنے حسین اور دلنشین منظر کو منتشر کرنے کو میرا دل نہیں چاہا تو وہ حسین منظر نظروں میں سمو کر چلا آیا''۔ وہ محبت سے بولا۔

''میری آمد کی گواہی تو میرے پھول نے بھی دی ہوگی جو میں تمہارے سرہانے رکھ آیا تھا اور آج امتحان میں شاندار کامیابی مبارک ہو' پھول پسند آئے تمہیں''۔

''مجھے آپ کے پھولوں کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ حجاب آمیز لہجے میں بولی۔

''تو کیا میری ضرورت ہے؟'' وہ شوخ لہجے میں بولا۔

''آپ جائیں میں آپ سے نہیں بولتی''۔ وہ نروس ہو کر بولی اور فون بند کر دیا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا' چہرہ حیاء سے سرخ ہو رہا تھا۔ گلاب کی پنکھڑیوں سے لب خود بخود مسکرانے لگے۔

Ridadigest.com

☆☆☆☆

رشنا نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا' اور خود کو شہریار اور کامران کے دھیان سے بچانے کے لئے کتابوں میں
گم کرلیا مگر شہریار اسے محبت بھرے خواب دکھانے ہر رات جگانے کے لئے پہنچ جاتا اور کامران کو وہ ایک اچھے
دوست اور رائٹر کی حیثیت سے یاد کرتی' کامران کی تحریریں ان دنوں کسی رسالے میں نہیں چھپ رہی تھیں' رشنا
کبھی کبھی سوچتی کہ آخر کامران کہاں جاسکتا ہے وہ کیا کر رہا ہوگا' کیا اس نے لکھنا چھوڑ دیا ہے یا دنیا نہیں وہ اس
خیال سے ہی لرز اٹھتی جن سے دوستی اور شناسائی ہو محبت اور عقیدت کا تعلق رہا ہو ان کی موت کا صدمہ بہت جان
لیوا ہوا کرتا ہے اور وہ خود کو ایسے کسی صدمے کے متحمل نہیں سمجھتی تھی شہریار کی شوخ نظریں شریر لہجہ معنی خیز
باتیں اسے بے کل کرتا تو وہ خود کو کسی کام میں الجھانے کی کوشش کرتی یا کاغذ قلم سنبھال لیتی اب اس کے افسانے
مختلف رسالوں میں چھپ رہے تھے کامران کے ادارے سے اس کا تعلق ختم ہو چکا تھا' اور وہ خود بھی اب وہاں
جانا اور تعلق نبھانا نہیں چاہتی تھی ایک سال گزر گیا رمشاء ایک خوبصورت بیٹے کی ماں بن گئی تھی اور اپنے شوہر جنید
کے ساتھ ابوظہبی چلی گئی تھی رشنا اس کے جانے سے اکیلی سی ہوگئی' اس کا لکھنے سے بھی دل اچاٹ ہوگیا تو لکھنا
ہی چھوڑ دیا' بس کورس کی کتابوں میں دل لگانے کی کوشش کرتی' اس نے کامران کاظمی کی تحریریں بھی ڈھونڈنا اور
پڑھنا چھوڑ دی تھیں وہ بہت سنجیدہ اور کم گو ہوگئی تھی شہریار ابھی تک کوئٹہ میں تھا اس کا فون آتا تو امی ابو سے بات
کرتا وہ بات کر ہی نہ پاتی اور بات کرتی بھی کیا خود ہی تو اسے نظرانداز کرتی رہی تھی اس کے جذبوں کو پذیرائی
سے محروم رکھتی آئی تھی اب کس منہ سے اسے واپس آنے یا ملنے خط لکھنے کی فرمائش کرتی پہلے بھی دل پر جبر کیا تھا
اب بھی دل پر جبر کر رہی تھی ایم اے فائنل ایئر کے ایگزامز قریب تھے' جب اس کی سالگرہ آئی تو شہریار کی طرف
سے اسے سرخ گلابوں کے پانچ بکے بذریعہ کوریئر سروس موصول ہوئے بمعہ اس کے خط اور وشنگ کارڈ کے'
وہ تو جیسے اس کا تحفہ پا کر خوشی سے کھل کر خود بھی سرخ گلاب بن گئی شہریار نے اتنے عرصے بعد اسے یاد کیا تھا۔
اس نے پھولوں کو اپنے بیڈ پر رکھنے کے بعد جلدی سے اس کا خط کھول کر پڑھنا شروع کیا اس نے لکھا تھا کہ۔
''میری بے پروا رشنا! دعائیں تمہاری تمام تر بے نیازیوں کے باوجود میں تمہاری سلامتی اور خوشی کی دعا
دن میں پانچ بار ضرور مانگتا ہوں تمہیں آج کا دن یعنی اپنا جنم دن بہت بہت مبارک ہو کاش کہ اگلا جنم دن
میرے ساتھ مناؤ اتنے عرصے سے خود کو بھی آزماتا رہا اور تمہیں بھولنے کی کوشش بھی کرتا رہا مگر تم بہت ہی ضدی
لڑکی ہو ایک دفعہ جو دل میں گھس کر بیٹھی ہو مجال ہے جو نکلنے کی راہ ڈھونڈو اور میں تو تمہارے افسانوں کے ذریعے
تم سے ملتا رہتا تھا ہر مہینے بک اسٹال پر جا کر تمام رسالے چھانٹتا اور جس رسالے میں مجھے تمہارا افسانہ نظر آتا
خرید لیتا اور پڑھتا اور تمہیں خیالوں میں تکتا' سراہتا' مگر تم کو شاید میرا یہ انداز بھی نہ بھایا' ظالم کیسے ایکدم
غائب ہوگئی ہو میرا پڑھنا برا لگا ہے جو لکھنا چھوڑ دیا ہے' کتنے مہینے گزر گئے ہیں میں ہر ماہ بک اسٹال پر رسالوں
کی ورق گردانی کرتا ہوں اور تمہارا نام نہ پا کر مایوس لوٹ آتا ہوں' تم دور رہ کر مجھے ستانے اور تڑپانے سے باز نہیں
آئیں ایک میں ہوں کہ تمہارے لفظوں کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہوں' زباں سے نہ سہی قلم سے ہی سہی کہیں
تمہارے لفظ میرا آسرا بنتے مگر نہیں' تم مجھے جی بھر کے ستانے پر تلی ہوئی ہو' کبھی مجھ سے فون پر بات کرنے کی
ضرورت محسوس نہیں ہوئی تمہیں نہ کبھی غلطی سے دو حرف خیریت کے خط میں لکھے' بھلا میں تمہارا لگتا ہی کیا ہوں
تم مجھے فون کرو خط لکھو یا میرے فون کا انتظار کرو تم تو خوش ہوگی نا کہ اچھا ہوا میں اتنی دور آ گیا تمہاری جان
چھوٹ گئی مگر میری جان! میری جان تم سے چھوٹ کر ہی چھوٹے گی تم میری سب کچھ لگتی ہو محبت ہے تو شکوہ

ے اپنا سمجھو اپنا مانو تو خط کا جواب دے دینا خواہ ایک حرف دعا ہی سہی نہ سمجھو نہ مانو تو بھلے سے جواب نہ دینا
تمہارے لئے ساری اچھی دعاؤں نیک تمناؤں اور محبتوں سمیت تمہارا شہریار (شیری)۔
''آئی ایم سوری شیری مگر میں کیا جواب لکھوں؟ اگر آپ کا جذبہ سچا اور ارادہ پکا ہے تو تھوڑا انتظار اور
کرلیجئے' جو بات پہلے امی ابو سے کی تھی وہ بات میرے ایگزامز کے بعد دوبارہ کر لیجئے گا' آگے میری قسمت''۔
رشنا نے بھیگتی آنکھوں سے خط کو دیکھتے ہوئے دل میں کہا اور گیٹ پر بیل بجنے کی آواز پر خود کو سنبھال کر حلیہ
درست کر کے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔
''ارے خالہ جان آپ السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟'' شہریار کی ممی کو دیکھ کر وہ خوشی سے ان کی طرف لپکی'
انہوں نے اسے گلے سے لگا کر اس کی پیشانی چومی۔
''وعلیکم السلام جیتی رہو میں تو ٹھیک ہوں یہ تم کیوں یونیورسٹی اور گھر کی ہو کر رہ گئی ہو کبھی ہمارے گھر کا چکر
ہی لگا لیا کرو''۔ انہوں نے پیار بھرا شکوہ کیا تو وہ ہنس پڑی۔
''آؤں گی خالہ بس ایگزامز ہو جائیں''۔
''ہاں ایگزامز کے بعد تو میں تمہیں ہمیشہ کے لئے لے ہی جاؤں گی''۔ وہ معنی خیز لہجے میں بولیں۔
''میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں''۔ وہ شرما کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔
''شرما گئی''۔ ممی اور امی ہنس پڑیں۔
''یہ کیک رشنا کی سالگرہ کا ہے چائے کے ساتھ مزا آئے گا' ویسے اچھا ہی ہوا ریحانہ کے دو سال مل گئے
اس دوران شہریار کا اپنا گھر بھی بن گیا ہے اب تو بس نیا سامان سیٹ ہونا باقی ہے' انشاءاللہ میں اپنے شہریار کی
دلہن کو اس کے نئے گھر میں ویلکم کہوں گی''۔ خالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''انشاءاللہ''۔ ممی نے خوش ہو کر کہا وہ تو ہونے والے داماد اور بھانجے کے نئے مکان کی تعمیر سے بے حد
خوش تھیں آخر ان کی بیٹی نے ہی سکھ سے اپنی چھت تلے زندگی گزارنی تھی وہ چاہتی تھیں کہ رشنا کے امتحان ختم
ہوتے ہی شادی کی تاریخ دے دی جائے۔
''تم نے رشنا سے بات کرلی''۔ خالہ نے رازدانہ لہجے میں پوچھا۔
''کیسی بات فری آپی؟ رشنا نے ایم اے کرنے کی بات کہی تھی اب بھلا اسے کیا اعتراض ہوگا''۔
''پھر بھی اس سے باقاعدہ بات کرلینا کیونکہ شیری نے ہی مجھے کہا ہے کہ رشنا کی رضامندی کے بغیر کوئی
بات آگے نہیں بڑھنی چاہئے وہ انکار کرے یا اقرار مجھے اس کا فیصلہ دل سے قبول ہوگا''۔ خالہ نے بتایا تو ممی نے
کہا۔
''اتنے اچھے لڑکے کو بھلا وہ انکار کیوں کرنے لگی یہ تو شیری بیٹے کی بڑائی ہے اچھائی ہے کہ اس نے اس
کا سوچا خدا اسے خوش رکھے میں تو اٹھتے بیٹھتے اس کی زندگی ترقی اور خوشی کی دعائیں مانگتی ہوں اور رشنا سے
اس کی دوستی تو ہمیشہ سے رہی ہے وہ اسے ناپسند تو کبھی بھی نہیں کرے گی''۔
''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے مجھے تو خود بھی رشنا ہی پسند ہے اپنے شیری کے لئے ماشاءاللہ دونوں
جچیں گے ایک دوسرے کے ساتھ' میں نے تو بری بھی تیار کرنا شروع کردی ہے تم مجھے رشنا کی جیولری کا
ناپ لا دو تاکہ زیور بننے دے دوں انگوٹھی اور چوڑی کا صحیح ناپ دینا اور کپڑوں کا ناپ تو میرے پاس ہی ہے'
پھر بھی چند دن پہلے ہی خرید لوں گی''۔ ممی نے جوش و خروش سے بتایا تو امی نے خوش ہو کر رشنا کی طرف

دیکھا جو چائے لے کر آ گئی تھی اس نے سب کے ساتھ کیک کاٹا اور سب کو چائے پیش کی ایسے میں اسے شہریار کی بہت محسوس ہوئی وہ اس کا خط کتنی بار پڑھ چکی تھی مگر جواب لکھنے کی جسارت نہ کر سکی' خط بھی اس نے دو چار دن بعد دوبارہ پڑھ کر ڈرائری میں بند کر دیا صبح اخبار پڑھنے کی عادت یونیورسٹی جانے کے بعد سے دوپہر میں تبدیل ہوگئی تھی اخبار پڑھے بغیر تو اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا' آج بھی حسب معمول یونیورسٹی سے آ کر چینج کر کے اور اخبار لے کر بیٹھ گئی یکا یک ایک خبر نے اسے اندر تک سے ہلا کر رکھ دیا۔

''مصروف ادیب اور دانشور کامران کاظمی اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے''۔

''کامی کامران کاظمی مر گئے اس دنیا سے چلے گئے' اتنی جلدی' حرکت قلب بند ہو جانے سے' حرکت قلب نجانے کتنی بار بند ہوئی تھی مگر ہر بار کوئی کنول ان کی دھڑکنوں کو چلتے رہنے کا سہارا دے جاتی تھی لیکن اب کی بار وہ ہر سہارا چھوڑ کر اس دنیا سے منہ موڑ گئے شاید اب ان کی بے قرار روح کو قرار آ گیا ہو' بے چین من کو چین مل گیا اپنی کنول کے پاس جا کر وہ پرسکون ہو گئے ہوں گے مگر یہ صدمہ میری زندگی میں کیوں چلا آیا؟'' رشنا نے اخبار کی سرخی پر نظریں گاڑھے دل میں کہا آنکھیں آنسوؤں کی برسات میں ڈوب رہی تھیں وہ اپنے کمرے میں آ کر بے اختیار پھوٹ کر رو دی اتنا کہ کامران کاظمی کی موت کا غم دھل گیا اس سے ملاقات کا ایک ایک لمحہ اسے تڑپا تا رہا ایک جیتے جاگتے زندہ شخص کو اس نے پہلی بار یوں اپنے حواسوں میں موت کی آغوش میں سوتے دیکھا تھا صدمہ اسے اس بات کا تھا کہ وہ اچھا دوست تھا اور جس سے اس نے بہت کچھ سیکھا تھا وہ اس کے لئے استاد کا درجہ رکھتا تھا مگر وہ مر گیا تھا یوں اچانک کامران کاظمی کی موت کا سوگ مناتے اس کی آنکھ لگ گئی اور عصر کی اذان کے وقت خود ہی کھل بھی گئی اس نے نماز پڑھنے کے بعد کامران کاظمی کی روح کے ایصال ثواب کے لئے سورۃ یٰسین اور سورۃ ملک پڑھی۔

''رشنا! تم نے کھانا نہیں کھایا تھا آتے ہی کمرے میں بند ہو گئی تھیں' اٹھو جا کر کھانا کھالو''۔ ممی اس کے کمرے میں آئیں تو اسے جاء نماز پر بیٹھا دیکھ کر بولیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے ممی!'' اس نے اٹھتے ہوئے جاء نماز کی تہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''آخر ہو کیا گیا ہے تمہیں سننا بولنا شرارتیں کرنا تم نے چھوڑ دیا اپنی بھوک پیاس کا تمہیں کوئی خیال نہیں رہتا پریشانی کیا ہے تمہیں''۔

''کوئی پریشانی نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ہوں''۔ وہ بیڈ پر آ بیٹھی۔

''کیا خاک ٹھیک ہو اس موئی پڑھائی نے ذرا سا منہ نکال دیا ہے تمہارا نہ کہیں آنا نہ جانا ہر وقت کتابوں میں سر دیئے بیٹھی رہتی ہو کب ہو رہے ہیں تمہارے امتحان؟''

''تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ بعد''۔

''اچھا مجھے تم سے شیری کے متعلق پوچھنا تھا تمہارا ایم اے کرنے کا ارادہ تھا یہی شرط تھی ہم نے تب تو مان لی تھی اب آپی کو میں کیا جواب دوں وہ تو شادی کی تاریخ مانگ رہی ہیں''۔ ممی نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا اور وقت ہوتا تو شاید وہ خوشی سے کھل جاتی مگر اس وقت اس کا تن من سوگواری کی کیفیت میں تھا اس لئے اس خبر نے اس پر کوئی خوشگوار تاثر نہیں چھوڑا بے دلی سے بولی۔

''ممی! آپ جو مناسب سمجھیں کریں بس میرے امتحانات تک مجھے ڈسٹرب مت کریں''۔

''رشنا! اس قدر خوشی کی بات پر تم اتنی رنجیدہ صورت کیوں بنائے بیٹھی ہو شہریار سے بہتر تمہیں کوئی اور نہیں مل سکتا اور تم رو تی رہی ہو کیا یہ آنکھیں کیوں سوجھا رکھی ہیں''۔ ممی نے غور سے اس کی آنکھوں

Ridadigest.com

دیکھتے ہوئے کہا۔

''ممی پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں اور جو آپ کا اور خالہ کا دل چاہے کریں''۔ وہ ایکدم سے بولتے بولتے رو پڑی ممی نے بے چین ہو کر کہا۔

''لو اب خوشی کے موقع پر تمہیں رونا کیوں آ رہا ہے''۔

''ممی! ابو بلا رہے ہیں آپ کو''۔ اس وقت بھابی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''آ رہی ہوں تم ذرا رشنا کو دیکھو میں نے شادی کی بات چھیڑی اور اس کے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی''۔ ممی نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے۔

''ممی! اگر کسی انسان کا دوست عزیز رشتے دار یا واقف کار مر جاتا ہے تو کیا اسے رونا نہیں آتا؟'' رشنا نے بھیگی آواز میں کہا۔

''آخر پتا بھی تو چلے کہ کون مر گیا ہے؟'' ممی نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایک دوست ایک استاد ایک راہنما''۔ وہ کامران کاظمی کے خیال میں گم ہو کر بولی۔

''لگتا ہے یونیورسٹی میں اس کے کسی استاد کا انتقال ہو گیا ہے جبھی یہ اس قدر روکھی ہو رہی ہے''۔ بھابی نے قیاس لگا کر کہا۔

''ہاں اچھا تم اس کے لئے کھانا گرم کر لاؤ میں اس کے ابو کی بات سن لوں''۔

''جی اچھا!'' بھابی نے کہا اور رشنا نے بیڈ پر لیٹ کر تکیہ اپنے سر پر رکھ لیا یہ اس کا پرانا اور مخصوص انداز تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ کسی سے کچھ کہنے سننے کے موڈ میں نہیں ہے اس لئے اسے تنہا چھوڑ دیا جائے ممی اور بھابی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اس کے کمرے سے باہر چلی گئیں' رات بھی وہ کھانے پر موجود نہ تھی۔ ممی کو اپنی باتوں اور لہجے کی سختی پر غصہ آ رہا تھا کہ ناحق اس سے سختی سے بات کی وہ دکھی تھی بجائے اس کا حوصلہ بندھانے کے اسے ڈانٹ پلا دی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا' شاید اس لئے کہ وہ اپنے بھانجے شہریار کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں اور رشنا کی طرف سے انہیں خدشہ تھا کہ وہ اس بار بھی ٹال مٹول سے کام لے کر یہ معاملہ ختم ہی نہ کرا دے مگر رشنا نے تو سب کچھ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ رشنا کی اپنی مرضی کیا ہے کیونکہ بہت عرصے سے انہوں نے اس کی زبان سے شہریار کا نام اس کا ذکر نہیں سنا تھا وہ بس خدا سے اس رشتے کی کامیابی کے لئے دعا کرتی رہی تھیں اور اب تو ساری تیاری مکمل تھی بس رشنا کی بڑھتی ہوئی خاموشی انہیں پریشان کر رہی تھی۔

یونیورسٹی کی طرف سے فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹس کو لاہور کی سیر کے لئے لے جایا جا رہا تھا رشنا کی سب سہیلیاں اور کلاس فیلوز جا رہی تھیں لیکن رشنا نے جانے سے انکار کر دیا تھا اس کی سہیلیوں نے گھر آ کر ممی ابو سے بات کی تو انہوں نے بھی اسے جانے کے لئے کہا وہ چاہتے تھے کہ اسے تھوڑی تفریح بھی کرنی چاہئے دوستوں کے ساتھ جانے سے سیر کرنے سے اس کا دل بہل جائے گا' سو اسے جانا پڑا اور رشنا کو لاہور جاتے وقت صرف ایک ہی بات یاد تھی کہ اسے کامران کاظمی کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے ضرور جانا ہے اس کی آخری آرام گاہ پر جا کر اسے آخری سلام ضرور کرنا ہے اور ہوا بھی یہی ایک ہفتے کے اس تفریحی دورے کے اختتام پر وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ شاپنگ کے لئے گئی سب نے جیولری بڑے شوق سے خریدی رشنا کو چوڑیاں بہت پسند تھیں اس نے میچنگ ہری گلابی چوڑیاں اپنی کلائیوں میں بھر لیں پھر سب نے دہی بھلے اور چاٹ کھائی' گجرے والے سے گجرا خرید کر پہنے واپسی پر رشنا نے انہیں قبرستان جانے کے لئے کہا تو سب ہی چیخ اٹھیں۔

Ridadigest.com

”نہ بابا نہ ابھی ہم زندہ ہیں“۔
”تو کیا زندہ لوگ مردہ لوگوں کو سلام کرنے قبرستان نہیں جاتے؟“ رشنا نے کہا۔
”جاتے ہوں گے مگر ہم تو یہیں سے سلام کر دیں گے“۔
”فریحہ تم ہی میرے ساتھ چلو“۔ اس نے اپنی دوست کا بازو پکڑ کر کہا تو وہ بولی۔
”وقت آنے پر چلی جاؤں گی ابھی تو تم مجھے زندوں میں ہی رہنے دو“۔
”ویسے کامران کاظمی بہت زبردست رائٹر تھے“۔ شازیہ نے کہا۔
”ہاں ہنسانے رلانے اور دلوں کو گدگدانے کا فن جانتے تھے“۔ فریحہ نے کہا۔
”واقعی کامران کاظمی ایک سحر کار قلمکار تھے“۔ راحیلہ نے اظہار خیال کیا۔
”مگر افسوس بے چارے کنوارے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے“۔ شازیہ نے کہا۔
”بس یار قسمت کی بات ہے ورنہ جتنی محبت اسے ملی ہے شاید ہی کسی رائٹر کو ملی ہو اور وہ بھی صنف نازک کی محبت“۔ شمسہ نے کہا۔
”تم لوگ سے کہیں سے کامران کاظمی کی شخصیت اور کام پر اظہار کرنے کو نہیں کہا تھا ساتھ چلنے کو کہا تھا قبرستان“۔ رشنا نے سب کو باری باری گھورتے ہوئے کہا۔
”یار کسی اچھی جگہ چلنے کو کہو تو بندہ جائے بھی اب قبرستان تو یوں بھی خاصی ان رومینٹک اور خوفناک جگہ ہے“۔ شازیہ نے کہا سب کو ہنسی آ گئی۔
”ہاں اور مجھے تو قبرستان جاتے ہی رونا آ جائے گا اور وہ بھی اتنی شدت سے کے مردے بھی بے چین ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور کہیں گے کہ راحیلہ بی بی آپ کو ہمارے مرنے کا اتنا ہی غم ہے تو ہم واپس چلے آتے ہیں“۔ راحیلہ نے مسکراتے ہوئے پر مزاح انداز میں کہا تو وہ سب ہنسنے لگیں۔
”شرم کرو قبرستان اور مردوں کو تو بخش دو“۔ رشنا نے اسے گھورا۔
”انہیں تو اللہ ہی بخشے گا“۔ راحیلہ نے کہا تو سب پھر ہنس پڑیں۔
”اچھا ٹھیک ہے میں اکیلی ہی جا رہی ہوں تم لوگ ڈرائیور کے ساتھ قریب ہی رہنا کہیں مجھے بھی مردہ سمجھ کر قبرستان چھوڑ کر رفو چکر ہو جاؤ“۔
”بے فکر ہو کر جاؤ اب ہم اتنے بھی بے مروت نہیں ہیں“۔ فریحہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
”چلو یار گول گپے کھاتے ہیں“۔ شازیہ نے کہا۔
”پہلے پوچھ لو اس بندے سے کہ قبرستان کے قریب گول گپے کس لئے بیچ رہا ہے زندوں کے لئے مردوں کے لئے یا زندوں کو مردوں میں بدلنے کے لئے“۔ راحیلہ نے کہا اور سب ہنسنے لگیں تو رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”ہاں کھاؤ گول گپے دہی بھلے اور چاٹ نے جو نہیں کیا وہ گول گپے ضرور کر دیں گے پھر پیٹ پکڑ کر ہائے ہائے کرتی نظر آؤ گی تم سب“۔
”توبہ توبہ ایسی بد دعا تو نہ دو کل ہم نے واپسی کا سفر بھی کرنا ہے“۔ شازیہ نے سہم کر کہا تو رشنا شرارت سے بولی۔
”یہاں سے واپسی کا سفر یا جہاں سے واپسی کا“۔
”رشنا! وہ سب ایک ساتھ احتجاج کے طور پر چیختی ہوئی اس کی گردن کی طرف ہاتھ بڑھانے لگیں تو وہ تیزی

سے ان کی حدود سے باہر نکل گئی اور قبرستان کی حدود میں داخل ہو گئی قبرستان میں داخل ہوتے ہی اس کا پورا وجود کانپ اٹھا سنجیدگی اور سوگواری خود بخود اس پر طاری ہو گئی تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد اسے کامران کاظمی کی قبر مل گئی اس کی قبر کے سرہانے کتبے پر اس کی تاریخ پیدائش وفات مختصر تعارف کے ساتھ یہ شعر بھی لکھا تھا۔

”کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی سو میں نے جیون ہار دیا
میں کیسا زندہ دل تھا اک شخص نے مجھ کو مار دیا“

رشنا نے کتبہ پڑھنے کے بعد اس کی قبر کو دیکھا جس کی مٹی گیلی تھی اور جس سے گلابوں کی مہک اٹھ رہی تھی رشنا کی آنکھیں بے اختیار آنسو بہانے لگیں وہ فاتحہ خوانی کرنے کے بعد قبر کے سرہانے بیٹھ گئی۔
”کامران! آپ کی قبر کی مٹی اب تک گیلی ہے جانتے ہیں کیوں؟ مجھ جیسی اور مجھ سے زیادہ آپ سے محبت اور عقیدت رکھنے والی لڑکیوں اور ہستیوں کے آنسوؤں نے آپ کی قبر کو نم آلود کر رکھا ہے کامی! کیا اب تمہاری روح کو سکون مل گیا ہے اگر نہیں تو کیوں؟ تم نے جس شدت سے کنول کو چاہا تھا کیا کسی اور نے تمہیں اس شدت سے نہیں چاہا ہوگا اگر چاہا ہوگا تو کامران! تمہاری روح اب بھی بے چین ہوگی جیسے تم کنول کے بعد تڑپتے رہے ویسے ہی تمہارے بعد بھی کوئی تڑپتا ہوگا مگر میری دعا ہے کہ تمہاری روح کو اب قرار آ گیا ہو سکون مل گیا ہو تم بہت زخم لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہو نا“۔ وہ روتے ہوئے مدھم آواز میں بول رہی تھی۔
”تم جاتے جاتے بھی بہت سے دلوں کو رلا گئے اپنی یاد ان کے دلوں میں بسا گئے کامران کاظمی میرے دل میں تمہارا حصہ صرف ایک اچھی یاد کی صورت باقی رہے گا تم نے خوف میں ہی سہی بہت سی محبتوں کو ٹھکرایا تھا مگر کامران! میں ایک اور کامران نہیں بننے دوں گی“۔ رشنا نے آخری جملہ کہا تو اس کی آنکھوں میں شہر یار کی صورت آ سمائی۔
”خدا تمہیں اپنی رحمت خاص میں جگہ دے تمہاری روح کو سکون دے تمہاری خطائیں معاف فرمائے“۔ رشنا نے دل سے اس کے لئے دعا کی اور اپنے ہاتھوں میں پہنے گجرے توڑ کر اس کے سرہانے رکھ دیئے چوڑیاں اتار کر اس کی قبر پر پھیلا دیں اور ہچکیاں لے کر رونے لگی۔
”ہائے لگتا ہے بھری جوانی میں بیوہ ہو گئی ہے اپنی چوڑیاں شوہر کی قبر پر ڈال دیں اللہ اسے صبر دے حوصلہ دے“۔ رشنا کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا دو قبریں چھوڑ کر ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ کھڑی اپنے کسی عزیز کی قبر پر پھول چڑھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر دکھ سے بولی تھی۔
”اللہ نہ کرے کہ مجھے اپنے شوہر کی قبر دیکھنا پڑے میں تو اپنی زندگی کی آخری سانس بھی اپنے شوہر کی پناہوں میں لینے کی دعا مانگتی ہوں“۔ رشنا نے دل میں کہا اور اپنے آنسو پونچھ کر کامران کی قبر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے خدا حافظ کہا اور بے جان قدموں سے چلتی قبرستان سے باہر آ گئی۔
اگلے دن وہ واپس کراچی آ گئی اپنی سہیلیوں اور اساتذہ کے ہمراہ اور پھر پڑھائی میں مصروف ہو گئی چند دن بعد اس کی ڈیٹ شیٹ آ گئی اور پھر وہ تھی اور کتابیں ہر قسم کی تفریح اس نے خود پر حرام کر لی تھی غم اور خوشی کوئی احساس اس کے قریب نہیں بھٹکتا تھا اور امی اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوتیں انہوں نے شہر یار کی امی کو شادی کی تاریخ بھی اسی وجہ سے نہیں دی تھی وہ چاہتی تھیں کہ رشنا کے امتحانات ختم ہو جائیں اور وہ سکون سے شہر یار کے متعلق سوچ کر ان کی خواہش کے مطابق ہاں کر دے وہ اور شہر یار کی ممی شادی کی تیاریاں مکمل کر چکی تھیں اور جس کی شادی تھی وہ مکمل طور پر ان ساری تیاریوں سے لاتعلق بنی ہوئی تھی شہر یار کا نیا گھر شہر یار ولا اب ساز و سامان سے مزین ہو چکا تھا رشنا کی پسند کی اشیا بھی گھر کی سجاوٹ کا حصہ بنائی گئی تھیں شہر یار جو بھی اس سے

اپنے گھر کے متعلق پوچھا کرتا تھا کہ وہ اپنے گھر میں کس قسم کا فرنیچر اور کیا کیا چیزیں دیکھنا چاہتی ہے اور رشنا نے اپنے گھر کا جیسا نقشہ اس کے سامنے کھینچا تھا جیسی چیزوں کے متعلق اس نے اپنی خواہش اور پسند کا ذکر کیا تھا اس نے شہریار ولا میں ہر وہ چیز سجادی تھی۔ شہریار ولا کا ڈیزائن اس کے متوقع بیڈروم کی تعمیر اور سیٹنگ اس کی پسند کے مطابق کرائی تھی رشنا کے امتحانات خدا خدا کر کے ختم ہوئے پرچے بہت اچھے ہو گئے تھے وہ اپنی کامیابی کے لئے پرامید تھی تین چار دن تو اس نے خوب سو کر تھکن اتاری اور پھر شہریار کی ممی ایک دن اچانک چلی آئیں اور اسے شہریار ولا دکھانے لے گئیں رشنا کو اپنی پسند کی ہر چیز اور اسٹائل دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔

''میں جب اپنا گھر بناؤں گا تو تمہاری پسند کے مطابق بناؤں گا دیکھوں گا کہ آخر تمہاری تصورانہ پسند حقیقت میں ڈھل کر کیسی لگتی ہے''۔ رشنا کو شہریار کی بہت پہلے کہی ہوئی بات یہ سب دیکھ کر یاد آئی تو حیرت اور خوشی سے اس کی پلکیں بھیگ گئیں اس نے اس کی پسند کو حقیقت کا روپ دے کر اپنی محبت کی سچائی کا ثبوت پیش کر دیا تھا شہریار کی محبت عزت اور چاہت یکدم سے اس کے دل پر چھا گئی اس نے گھر آ کر شہریار کا خط ڈائری سے نکال کر پڑھا۔

''میں نے اس خط کا جواب نہیں دیا تھا کیا خبر شیری نے اس کا کیا مطلب لیا ہو' کہیں میں نے اپنی بے وقوفی میں شیری کو کھو تو نہیں دیا''۔ رشنا نے بے چین ہو کر سوچا۔ اور رات کو اپنی ڈائری میں سے شہریار کا فون نمبر تلاش کر کے دھڑکتے دل اور لرزتی انگلیوں کے ساتھ اس کا نمبر ڈائل کیا تیسری بیل پر شہریار نے ہی فون ریسیو کیا۔

''ہیلو''۔ شہریار کی آواز بہت مہینوں بعد اس کی سماعت میں اتری تھی وہ ایک لمحے کو سانس لینا ہی بھول گئی شہریار کی دلکش آواز ایئر پیس پر ابھری۔

''ہیلو آئی ایم شیری اسپیکنگ کین آئی ہیلپ یو''۔

''رشنا''۔ صرف اتنا ہی کہہ سکی آگے زبان نے الفاظ کا ساتھ نہ دیا اور دوسری جانب سے شہریار کے طویل اور اطمینان بخش سانس لینے کی آواز اس کے کان میں پڑی تو اس نے تڑپ کر فون بند کر دیا۔

رات بھر وہ بے تابی و بے قراری کے عالم میں کروٹیں بدلتی رہی اور دن بھر روتی رہی شہریار کی محبت تھی کہ اسے فرصت میں دیکھ کر پورے اہتمام کے ساتھ بے قرار کرنے چلی آئی تھی رشنا کو اپنی حالت پر حیرت ہو رہی تھی نجانے وہ کب سے خود پر جبر کر رہی تھی خود کو دھوکا دے رہی تھی حقیقت سے جان بوجھ کر نظریں چراتی رہی تھی اسے آج احساس ہو رہا تھا کہ وہ تو شہریار سے بہت شدید محبت کرتی ہے اور آج سے نہیں بہت پہلے سے اور جس دن اسے اس کے کوئٹہ جانے کا پتا چلا تھا اس دن اسے پہلی بار بے قراری اور جدائی کے احساسات کا ادراک ہوا تھا وہ جسے وہم سمجھتی رہی وہ ٹھوس حقیقت بن کر اس کے سامنے موجود تھا اس کا پیار اس کا عشق اس کی محبت ہر رنگ میں اسے شہریار کا چہرہ یاد آ رہا تھا اور دل گھبرا رہا تھا کہ اس نے اس کے خط کا جواب نہیں دیا تھا کیا وہ اب بھی اس کے جواب کا منتظر ہو گا کیا وہ اب بھی اس کا ہاتھ تھامنے کی تمنا رکھتا ہو گا؟'' اس پرستی اور بے چینی طاری تھی ممی نے بھی اسے کہا کہ اپنی کسی سہیلی کے ہاں ہو آئے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرے سو اس نے خود کو فریش کرنے کے لئے نہا کر کاٹن کا گلابی سوٹ زیب تن کیا بالوں کو سنوارا اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد بھیا اور بھابی کے بچوں کے ساتھ لان میں آ کر کرکٹ کھیلنے لگی بچے بہت خوش ہو رہے تھے پھپھو بہت دنوں بعد ان کے ساتھ کھیل رہی تھیں کھیل کے دوران ہی گیٹ پر ہارن بجا اس کے بھتیجے نومی نے جا کر گیٹ کھولا تو شہریار اپنی گولڈن مرگلہ لئے اندر داخل ہو گیا رشنا کی نظر پڑی تو آنکھیں حیرت سے ساکت ہو گئیں اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ آنے والا شہریار ہی ہے ابھی رات تو اس نے اس سے کوئٹہ بات کرنے کی کوشش کی تھی رات وہ کوئٹہ تھا اور شام کو کراچی

اس کے گھر اس کی آنکھوں کے سامنے مسکراتا ہوا چلا آ رہا تھا سفید پینٹ اور ہلکے گلابی رنگ کی سفید لائنوں والی شرٹ میں وہ بے حد وجیہہ اور نکھرا نکھرا لگ رہا تھا اس کے مخصوص پرفیوم کی خوشبو رشنا کے قریب آتی جا رہی تھی وہ بچوں سے مل کر اس کی طرف مڑا اور سلوٹ مار کر بولا۔

''ہیلو مس رشنا بخاری''۔

''شہریار آپ آ گئے''۔ اس نے پہلی بار اسے اس کے سامنے بھائی نہیں کہا تھا وہ نہال ہو گیا اور مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں بولا۔

''تم نے بلایا تھا تو آتا کیسے نہیں؟''

''مم میں نے''۔ وہ بوکھلا گئی اور شہریار کے دل کو بے طرح بھا گئی۔

''ہاں تم نے کیا نہیں بلایا تھا مجھے؟'' وہ محبت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''نا نہیں''۔ وہ شرمیلی مسکان لبوں پر سجائے بولی۔

''لیکن مجھے پتا چل گیا تھا کہ رات کی تنہائیوں میں مجھے تم نے ہی یاد کیا ہے دیکھ لو صبح ہوتے ہی چلا آیا ہوں اور محترمہ اب میں کیپٹن نہیں میجر شہریار ثاقب ہوں''۔ وہ محبت اور مسرت سے بولا۔

''ریئلی' بہت بہت مبارک ہو شہریار مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کی ترقی سے''۔ اس نے دل سے ایمانداری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو اس خوشی میں یہ پھول قبول کرو'' شہریار نے گلاب کا سرخ تازہ مہکتا پھول اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''شکریہ''۔ رشنا نے مسکراتے ہوئے محبت سے اسے دیکھا اور پھول لے لیا۔

''سنو''۔ وہ محبت اور خوشی سے لبریز لہجے میں بولا۔

''جی''۔ رشنا نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''سنو' اب ہم گلاب دیں گے گلاب لیں گے

محبتوں میں کوئی خسارہ نہیں چلے گا''

شہریار نے بڑے دلکش لہجے میں یہ شعر پڑھا۔

''اچھا''۔ رشنا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ہاں''۔ وہ بھی ہنس پڑا۔

''ایک منٹ''۔ رشنا مسکراتے ہوئے مڑی اور قریبی کیاری میں سے گلاب کا پھول توڑ کر اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

''لیجئے آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کس نفع بخش لڑکی سے واسطہ پڑا ہے۔

''یاد تو تم ان دو سالوں میں بہت آتی رہتی ہو''۔ وہ ہنس کر پھول لے کر بولا۔

''جھوٹے''۔ وہ شرارت سے بولی۔

''کیا؟'' وہ چیخ اٹھا اور اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی وہ محبت سے بولا۔

''بہت آزما چکیں اب بس کرو رحم کرو میری حالت پر''۔

Ridadigest.com

"جو حکم میرے شہریار"۔ اس نے بہت مودب اور شاہانہ انداز میں کہا۔

"رشنا رشنا آئی لو یو"۔ وہ اس کے میرے شہریار کہنے پر خوشی سے بے خود ہوتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولا تو وہ شرما کر مسکراتی ہوئی وہاں سے بھاگنے کو تھی کہ اس نے اس کے دوپٹے کا کونہ پکڑ لیا رشنا کا دل دھک دھک کرنے لگا چہرہ حیاء سے گلاب رنگ ہو رہا تھا۔

"کہاں بھاگ رہی ہو؟ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے"۔

"اسے تھوڑی جاؤں گی"۔ وہ شرمگیں لہجے میں بولی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم مسز شہریار بن کر جاؤ گی ہے نا"۔ وہ شرارت سے بولا۔

"شیری!" وہ حیاء سے آپ ہی آپ سمٹ گئی وہ ہنس پڑا۔

"اتنی بڑی خوشی دی ہے تم نے مجھے آج کیا ایک خوشی اور دو گی؟"

"کیا؟" اس نے لرزتی پلکیں اٹھا کر اس کے خوشی سے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

"میرے ساتھ ایک دو گھنٹے کے لئے باہر چلو گی پلیز"۔

"ممی سے پوچھ لیں"۔ اس نے شرما کر کہا۔

"خالہ جان! سے تو میں پوچھ چکا ہوں انہوں نے مجھے اجازت بھی دے دی تھی"۔

"کب"۔

"یہاں آنے سے پہلے راستے میں ہی میں نے خالہ جان کو فون کیا تھا چاہو تو ان سے پوچھ لو"۔

"میں انہیں بتا تو دوں ناں"۔

"میں بھی ان سے مل تو لوں ناں"۔ وہ بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے ہولیا۔

"ممی نے بخوشی اسے شہریار کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی شہریار کو دیکھ کر تو وہ خوشی سے بے حال ہو گئیں۔ انہیں رشنا کے چہرے پر پھیلے رنگوں نے بھی اس کی دلی خواہش اور مرضی سے آگاہ کر دیا تھا وہ بہت مطمئن ہو گئیں اور اس کی شادی کی تاریخ طے کر دینے کا سوچنے لگیں۔

شہریار کافی دیر تک رشنا کے ساتھ اپنی گاڑی میں لانگ ڈرائیو کرنے کے بعد اسے ریسٹورنٹ لے گیا عمدہ سا کھانا کھلایا آئسکریم کھلائی اس کے بعد شاپنگ کرانے کی بات کی تو رشنا نے منع کر دیا۔

"یار کیا ہے لڑکیوں کو تو شاپنگ کرنے کا بہانہ چاہئے ہوتا ہے اور ایک تم ہو"۔ وہ پیار بھری خفگی سے بولا۔

"میں ایک ہی ہوں اور ایسی ہی ہوں سمجھے آپ"۔

"سمجھ گئے جناب اگر آپ جیسی کوئی اور ہوتی تو ہم اتنے برس آپ کے حصول و قرب کے لئے آپ کے پیار و اقرار کے لئے نہ تڑپتے"۔ وہ شوخی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اب گھر چلیں بہت دیر ہو گئی ہے"۔ وہ شرما کر بولی۔

"او کے لیکن اس طرح نہیں تمہاری یہ خالی کلائیاں مجھے کچھ کرنے پر اکسا رہی ہیں"۔ وہ شرارت سے اس کی کلائیوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا کرنے پر اکسا رہی ہیں؟"

"یہ تو میں مسز رشنا شہریار کو ہی بتاؤں گا"۔ وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا تو حیاء سے اس کی نظریں خود بخود جھک گئیں۔

Ridadigest.com

"شیری پلیز!" اس نے شرما کر ڈیش بورڈ پر رکھا میگزین اٹھایا اور اس کے بازو پر دے مارا وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"میں ابھی آیا"۔ اس نے بینگل اسٹور کے قریب گاڑی روک کر کہا اور اتر کر اسٹور میں چلا گیا باہر کھڑے گجرے والے سے گجرے بھی خرید لئے اور گاڑی میں آ بیٹھا۔

"یہ کس لئے خرید لیں؟" رشنا نے اپنے کپڑوں سے میچ کرتی چوڑیوں کے سیٹ دیکھ کر پوچھا۔

"یہ اس لئے خریدی ہیں"۔ شہریار نے یہ کہہ کر دونوں سیٹ اس کی خالی کلائیوں میں پہنا دیئے چوڑیوں سے بھری کلائیوں پر گجرے بھی باندھ دیئے۔ رشنا کو اس کے قرب اس کے لمس نے روح تک سے اس کی محبت میں رشار کر دیا وہ اس کے لمس کی حدتوں میں جلتی مہکتی مسکراتی رہی۔

"یہ بھی پہنا دوں"۔ شہریار نے اپنی قمیص کی جیب میں سے ہیرے کی دمکتی انگوٹھی نکال کر اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کیا مجھ سے پوچھ کر پہنائی ہیں؟" رشنا نے چوڑیوں سے بھرے ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا تو اس کا شریر قہقہہ رشنا کو شرمانے پر مجبور کر گیا۔

"میں تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
میری سادگی دیکھ میں کیا چاہتا ہوں"

شہریار نے انگوٹھی اس کی مخروطی انگلی میں پہناتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

"علامہ اقبال نے یہ شعر اس موقع کے لئے نہیں کہا تھا"۔ رشنا ہنس کر بولی۔

"لیکن میں نے تو اسی موقع کے لئے کہا ہے میرا عشق بھی تو میرا یار بھی تو' میرا قلب بھی تو جند جاں بھی تو میرا کعبہ قبلہ مسجد......

"بس بس شیری! مجھے یقین آ گیا آپ کے عشق کی انتہا کا اس کلام پر تو یہ ظلم نہ کریں"۔ رشنا نے شرما کر ہنستے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا تو گجروں کی مہک اس کی سانسوں میں تیزی سے اتر گئی۔

"اب تم خود اپنا ہاتھ میرے ہونٹوں تک لے آئی ہو اور اگر مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہو جائے تو"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر شرارت سے بولا۔

"تو یہ ہاتھ کبھی بھی آپ کے ہاتھ نہیں آ سکے گا"۔ اس نے شرما کر بڑی ادا سے اسے دھمکی دی تو اس نے بجلی کی سی تیزی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"اف ظالم! ظلم در ظلم کرتی جاؤ گی چلو جہاں اتنا صبر کیا ہے وہاں تھوڑا اور سہی' بس پوری طرح میرے ہاتھ لگ جاؤ پھر دیکھنا"۔ اس نے شرارت سے پیار بھری خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے شرما کر دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا' شہریار کی شوخ اور زندگی سے بھرپور ہنسی اسے زندگی کا نیا احساس دے گئی اور اس نے دل میں کہا کہ۔

"شہریار! میرا عشق بھی ہیں اور میری مجبوری بھی کہ میں شیری کے بغیر ادھوری ہوں' میں ان کے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتی میری آخری سانس تک شہریار کی پناہوں کی متمنی رہے گی"۔ اس نے مسکراتے ہوئے شہریار کی طرف دیکھا جو محبت بھری نگاہ اس پر ڈال کر گھر کے راستے پر گاڑی دوڑا رہا تھا کہ اسے رشنا کو شہریار ولا لانے کی جلدی بھی تو تھی خوشی اس کے انگ انگ میں دمک رہی تھی۔

☆......☆......☆

Ridadigest.com

حنا کامران

آغازِ محبت

''غلام چاچا! دیکھیں یہ سیاہ پھول کس قدر برے لگ رہے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ موتیا لگا دیں اور گلاب بھی آپ جانتے ہیں موتیے کی خوشبو مجھے بہت پسند ہے اور گلاب، اس میں تو میری جان ہے۔'' چہکتے ہوئے اس نے غلام چاچا سے کہا تھا وہ لان کے ایک کارنر میں لگے ڈھیر سارے سیاہ گلابوں کے جھنڈ کو دیکھ کر گھبرائی تھی۔ بھلا سیاہ گلاب بھی کوئی لگانے والی چیز ہے۔ دادا بھی عجیب انسان ہیں، کیسے کیسے شوق پالے ہوئے ہیں، اتنے لاہور آئے پانچ دن ہی ہوئے تھے اور ان پانچ دنوں میں اس نے گھر کی تقریباً تمام چیزیں بدل دی تھیں۔ اب بھی وہ ایسے ہی لان میں ٹہلنے کو آئی تو بالکل آخر میں ان سیاہ گلابوں کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''نہ بی بی نہ، غلام میں ابھی اتنی جرأت نہیں جو چھوٹے مالک کی کسی چیز کو ہاتھ بھی لگائے۔'' غلام رسول کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا تھا۔

''کیوں تمہارے چھوٹے مالک کیا جن ہیں۔'' غلاموکی حالت سے خط اٹھاتے ہوئے اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

''توبہ کریں بی بی۔'' کانوں کو ہاتھ لگاتا وہ کھسیا سا گیا۔

''تم وہ کرو جو میں نے کہا ہے اگر یہ اس کے دادو کا گھر ہے تو میرے بھی دادا کا گھر ہے میں بھی جو چاہے کر سکتی ہوں۔'' وہ فرضی کالر جھاڑتے ہوئے اکڑ کر بولی اور زبردستی بے چارے غلاموسے موتیے اور سرخ گلاب سیاہ گلابوں کے درمیان لگوا لیے۔

☆.....☆

''کیا دادو آپ تو آسٹریلیا گئے ہیں۔ میں اتنے دنوں سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں مگر آپ ہیں کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہے میرے آتے ہی چلے گئے ہیں۔'' وہ منہ بسورتے ہوئے بولی تھی۔ یوسف صاحب اس کی صورت دیکھ کر قہقہہ مار کر ہنس دیئے۔

''بیٹا بزنس کو ٹائم دینا پڑتا ہے اور تم تو ہو نا ابھی اپنی پڑھائی پر توجہ دو، میں انشاء اللہ اسی ویک آتا ہوں۔'' وہ سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

اتنے بڑے گھر میں وہ اکیلی ہی تھی۔ غلاموہوتا تھا یا دبیتہ (کام کرنے والی)، چوکیدار انکل یا پھر ڈرائیور انکل۔ وہ ماما کی ضد پر منگوہ سے لاہور میڈیکل پڑھنے آ تو گئی تھی لیکن اس کا کب دل کرتا تھا پڑھنے کو، پڑھائی سے جان جاتی تھی اس کی وہ ڈینٹیسٹ تھی اس کے علاوہ ہومیوپیتھک بھی پڑھ رہی تھی۔ اب ریڈیوگرافی کا کورس تھا جو ماما چاہتی تھیں وہ ہر صورت کر لے۔ سلامہ بھی اپنے نام کی پکی تھی عہد لکھوا کر آئی تھی کہ اس کے بعد وہ کوئی بھی کورس نہیں کرے گی۔ بس اب بہت ہو گیا۔ دادا سے اس کی بہت اٹیچمنٹ تھی۔ وہ فون پر گھنٹوں ان سے بات کرتی تھی مگر بچپن کے بعد وہ کبھی ان کے گھر نہیں آئی تھی۔ گنتی کے دو بار وہ ان کے گھر آئی تھی۔ ایک تب جب

وہ دو سال کی تھی اور دوسرا تب جب وہ سکس اسٹینڈرڈ میں تھی۔ تب دادا کا پوتا یہاں نہیں تھا شاید اس لیے اس کی کوئی یاد اس کے دماغ کے کسی بھی گوشے میں محفوظ نہیں تھی۔ بعد میں آنے کے پروگرام وہ اس لیے نہیں بنا سکی کہ دادا اپنے پوتے کے ساتھ سڈنی چلے گئے تھے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ابھی یہ کوئی چند ماہ قبل ہی ان کی واپسی ہوئی تھی۔ ان کا ہونہار پوتا کعب یوسف جس کی تعریف میں انہوں نے زمین آسمان کے قلابے ملا رکھے تھے وہ صاحب چند دن رہ کر واپس چلے گئے تھے۔ وجہ کوئی بزنس میٹر تھا لیکن اب اس کی آمد بہت جلد ہی متوقع تھی۔ دادا سے بات کرنے کے بعد وہ لاؤنج میں آئی تھی لیکن بھاری بھرکم آواز پر اس کے قدم یکدم رک گئے۔

''غلامو ایک کپ کافی۔'' صوفے کی پشت پر اسے کسی کا سر نظر آیا۔

''غلامو کہاں مر گئے ہو تم۔'' وہ خوش اسلوبی سے اس کی طرف بڑھنے والی تھی کہ رک گئی۔ اس انتہائی طرز تخاطب نے اس کے قدم جما دیے۔ کعب کی بے ہودہ گالی اس نے باقاعدہ سنی تھی تو یہ تھا دادا کا فرمانبردار، لاڈلا، تمیز دار پوتا۔ سلامہ کی مسکراہٹ سمٹی اور چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے۔

''اب تم یونہی کھڑی مجھے گھورتی رہو گی یا پھر سامنے بھی آؤ گی کیا یہاں کھڑے ہونے کے تمہیں پیسے ملتے ہیں۔'' وہ اس خشک آواز پر سٹپٹا گئی۔

''اس شخص کی حسیں بہت تیز ہیں۔'' اسے ماننا پڑا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سامنے آ کر بیٹھی البتہ منہ کے زاویے ویسے ہی بگڑے ہوئے تھے، اس دوران غلامو کافی رکھ گیا تھا، کعب اسے عمیق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیڈیز پرفیومز غالباً لیڈیز ہی لگا سکتی ہیں کوئی مرد نہیں یوں بھی میں تمہاری آمد سے آگاہ تھا دادا نے مجھے بتا دیا تھا اور دیکھو تبھی میں دوڑا دوڑا چلا آیا۔'' شریر مسکراہٹ کو لبوں پر سجائے وہ مسلسل اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ناگواریت پوری طرح سلامہ کے بدن میں اتر تی چلی گئی اس کے ماتھے پر کافی سارے بل پڑے۔ اس کا دل کر رہا تھا مقابل کی آنکھیں نوچ لے نظریں ہی انسان کی شخصیت بتاتی ہیں اور نظریں ہی شخصیت کو بگاڑتی ہیں، اس وقت کعب یوسف سلامہ ابراہیم کے سامنے اپنی بے باک نظروں سے خود کو گرا رہا تھا، پہلا تعارف پہلا سامنا اور اس قدر برا۔

''دادو نے مجھے بھی بتایا تھا کہ کعب بھائی آنے والے ہیں۔'' وہ فل کانفیڈنس کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھائی پر زور دیتے ہوئے بولی تھی۔

کعب نے اچانک سے کافی کا کپ لبوں پر سے ہٹایا اسے زور کا اچھو لگا تھا۔ زور زور سے ہنستے ہوئے وہ گھٹنے پر ہاتھ مار کر بولا تھا۔

''تم سے اسی ری ایکشن کی توقع تھی مجھے۔ تمہارے چہرے کے زاویے بتا رہے تھے کہ اسی طرح کا کچھ بولو گی تم بائی داوے۔'' وہ انگلی سے گال کھجاتے ہوئے یکدم سے خطرناک حد تک سنجیدہ ہوا۔

''جب کوئی لڑکی مجھے بھائی کہتی ہے تو میں اس کا قتل کر دیتا ہوں اگر......'' اس نے زور سے کافی کا مگ ٹیبل پر رکھا۔ سلامہ تھوڑا سا ہی

''تم نے پھر بلایا بلاتی رہیں تو مجھے یہ ثابت کرنے میں قطعی دشواری نہیں ہو گی کہ تم گیس پھٹنے سے مری ہو، گاڑی کے بریک فیل ہونے یا پھر چھت پر سے پاؤں پھسلنے سے۔'' دھمکی دے کر وہ کھڑا ہو گیا۔

''سو نیکسٹ ٹائم کے لیے بی کیئر فل۔'' آنکھ مارتے ہوئے وہ اس کے پاس سے نکلا تھا۔ سلامہ شاکڈ تھی، کوئی اس قدر بھی بد لحاظ اور بے ہودہ ہو سکتا تھا جسے اپنے امیج کی بھی کوئی پرواہ نہ ہو۔ جو یہ بھی نہ سوچے کہ اگلا بندہ اس کے لیے کیسی رائے قائم کرے

ہے اسے یہاں رہنا دشوار لگنے لگا اور وہ اپنی اس دشواریت کو ختم کرنا چاہتی تھی ہاں اسے ہر حال میں یہاں سے جانا ہو گا۔

☆......☆

''خبردار! جو تم نے ہاسٹل کا نام بھی لیا، میں اسی ہفتے آ رہا ہوں تم یہیں رہو گی میرے گھر میں میرے ساتھ، کیا کہے گا ابراہیم کہ میں اپنی پوتی کو بھی نہیں رکھ سکتا۔'' دادا اس کی بات پر شدید برہم تھے۔ یہ بھلا کیسا مطالبہ تھا کہ وہ ہاسٹل میں رہنا چاہتی ہے۔

''دادا!'' وہ کچھ کہنے لگی تھی جب کعب جھٹ سے اس کے پاس آ کر بیٹھا۔

''دادا سے بات کر رہی ہو۔'' اس نے تھوڑا سا لیپ ٹاپ اپنی طرف کھسکایا۔

''کیا ہوا لگتا ہے سنگین معاملہ ہے دادا اور پوتی کی شکلیں بنی ہوئی ہیں۔'' اس نے شوخی سے کہا تھا۔

''یہ تمہاری کزن ہے نا۔'' دادا کی آواز پر اس نے سلامہ کی طرف دیکھا۔

''ہاسٹل رہنے کا کہہ رہی ہے۔ ان کمفرٹیبل ہے یہاں پر۔'' کعب یکدم ہنسا۔ واقعی وہ جتنی حیرت دکھا سکتا تھا دکھا رہا تھا۔

''اب یہ کیا بات ہوئی کیا مسئلہ ہے تمہیں کیوں ان کمفرٹیبل ہو۔'' وہ حد درجہ استعجاب سے پوچھ رہا تھا، کعب کی نظریں سلامہ پر تھیں جب کہ سلامہ دادا کو دیکھ رہی تھی اور دادا ان دونوں کو پرسوچ انداز میں دیکھتے ہوئے۔

''نہیں ایسا تو کوئی مسئلہ نہیں۔''

''تو بس ڈن ہے تم یہیں رہو گی اور دادا آپ کا ڈونٹ ڈاؤن اسٹارٹ اسی ہفتے پہنچیں او کے ٹاٹا بائے۔'' ایک ہی سانس میں کہتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے مجھے دادا سے اور بات کرنی تھی۔'' سلامہ نے اس سے لیپ ٹاپ چھیننا چاہا لیکن ناکام رہی۔

''بدتمیزی کی بچی، ڈر گئی مجھ سے۔'' وہ مزے سے صوفے پر پھیل کر بیٹھا۔

''اتنی جلدی میدان چھوڑ جاؤ گی اس بات کی مجھے امید نہیں تھی ڈیئر سلامہ۔'' آنکھوں میں بھرپور شوخی لیے زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے بولا۔

''میں خود ساختہ میدان نہیں بناتی اور آئندہ مجھے ڈیئر مت کہیے گا آئی ہیٹ اٹ۔'' وہ غصے سے کہتی ہوئی اٹھ گئی۔

''تو پھر جانو کہہ دوں یا پھر میری جان۔'' وہ مڑ کر انتہائی بے ہودگی سے اونچی آواز سے بولا تھا سلامہ کے تو پیر پر لگی اور سر پر بجھی، وہ تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کعب نے بہت انجوائے کیا۔

''انٹرسٹنگ مزا آئے گا۔'' اس نے خود کلامی کی۔ عرصہ دراز بعد تو وہ اس لطف سے فیض یاب ہو رہا تھا اور یہ تو گولڈن چانس تھا پھر وہ اس چانس کو کیسے گنوا سکتا تھا خود پر مر مٹنے جان چھڑکنے کیریکٹر لیس تو اسے ہزاروں ملی تھیں جن میں مشرقی بھی تھیں اور مغربی بھی یہ دوسری بار تھا جب کوئی لڑکی اس سے کٹ رہی تھی اور یہ ہی کترانا گریز کرنا مرد کو عورت کے مزید قریب کرتا ہے اپیل کرتا ہے اور مرد دیوانہ ہی تو ہو جاتا ہے اس قسم کی عورتوں کے۔ زارا علی ہو بہو سلامہ کی کاپی تھی وہی گریز وہی جھجکنا لیکن سامنے بھی پھر کعب یوسف تھا اپنی زینت بنا کر ہی چھوڑا۔ تو اب یہ سلامہ کس کھیت کی مولی تھی اس طرح کے شکار تو نفس کو مزید بہکاتے ہیں چوہا بلی کے کھیل کی طرح تو پھر وہ کیسے ہاتھ دھو سکتا تھا اس دلچسپ کھیل سے جب کہ وہ تو اسپورٹس کا بہت دلدادہ تھا۔

☆......☆

دادا کے آنے سے گھر میں رونق آ گئی تھی۔ ہر چیز سوائے کعب کے پہلے سے اچھی معلوم ہوتی تھی۔ یہ شاید ان کی شخصیت کا اثر تھا وہ تھے ہی اتنی زبردست

پرسنالٹی کے مالک، ان کی شان وعزت ہر کسی پر حاوی تھی سوائے کعب کے دادا یوسف تو جیسے اس کے بہترین دوست تھے وہ جتنی ان سے محبت کرتا تھا اتنی ہی بدتمیزی بھی، بقول اس کے بدتمیزی اور تنگ ان لوگوں کو کیا جاتا ہے جن سے محبت ہو۔ محبت احترام دیتی ہے جیسی باتیں کہیں بھی کعب یوسف کی زندگی میں نہیں تھیں۔ اس کی کل کائنات دادا تھے اور بس۔ وہ ان کے نام کے ساتھ اپنا نام لگاتا تھا اور بڑے مزے کے ساتھ ہر کسی کو بتاتا تھا کہ وہ کعب یوسف ہے کعب مصطفیٰ نہیں، وہ تو شاید کب کا ختم ہو چکا ہے۔ وہ سب انجان لوگوں کے سامنے دادا کو ہی اپنا ڈیڈ کہتا تھا۔ لوگوں کے عجیب وغریب سوالات پر کہ اس کے والد اتنے ایجڈ کیوں ہیں، وہ بڑے تحمل سے کہا کرتا تھا کہ وہ ایجڈ نہیں ہیں، بس ذرا جلدی بوڑھے دکھنے لگے ہیں، یا پھر یہ کہ انہوں نے بہت لیٹ شادی کی تھی وغیرہ وغیرہ۔

''آپ کو پتا ہے میں نے آپ کو کتنا مس کیا آپ کا پوتا انتہا سے زیادہ بدتمیز ہے آپ نے اسے تمیز نہیں سکھائی۔'' وہ منہ بسورتی ہوئی گلہ کر رہی تھی کسی بھی لگی لپٹی کے بغیر اس نے کعب کی ساری حرکتیں سیدھی سیدھی دادا کے گوش گزار کر دیں کہ کیسے اس نے اسے زچ کیا، فضول فضول القابات سے بلایا آنکھ بھی ماری بنا پوچھے حق سے میری بنائی ہوئی آملیٹ کھا گیا اسٹوپڈ سی بے معنی پوئٹری کی اور کیسے اس نے لان میں لگے سرخ اور موتیے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور اپنے سیاہ گلاب بھی اکھیڑ دیئے کہ ان کے ساتھ موتیے اور گلاب زہر لگ رہے تھے اس کی ہمت کیسے ہوئی ان ہر دلعزیز پھولوں کے ساتھ یہ بے وقوفانہ پھول لگاتے ہوئے یہ اس کا گھر ہے وہ رہتا ہے اس گھر میں چند دن پہلے آئی مہمان کو کوئی حق نہیں کہ وہ اس کا نقشہ بگاڑے وغیرہ وغیرہ۔ دادا خاموشی سے اس کی باتیں سن رہے تھے وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ ری ایکٹ نہ کرو اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ ری ایکٹ کرو کہ بقول کعب کہ جو میری حرکتوں پر ری ایکٹ کرتا ہے میں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور جو ری ایکٹ نہیں کرتا میں اس کا جینا حرام کر دیتا ہوں۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس گھر سے چلی جائے اس میں ہی اس کی عافیت ہے وہ کعب کی نظر میں آ گئی ہے کعب کی نظر جس سے کسی کا بچ جانا ناممکنات میں سے تھا وہ جمیلہ کو کیا جواب دیں گے ابراہیم کو کیا کہیں گے۔ کتنے مان سے انہوں نے کہا تھا سلامہ کو میرے ہاں بھیج دو، میں اس کا خیال رکھوں گا اب کیا کہوں، یہی کہ میرے جان سے عزیز پوتے کی بری نظر سلامہ پر ٹک گئی ہے۔ وہ دہری مشکل میں پھنس گئے تھے اور اس مشکل نے ان سے ان کی مسکراہٹ چھین لی۔ انہیں بہت سنجیدہ و پرسوچ بنا ڈالا۔ جسے کعب نے بھی محسوس کیا۔

''کیا ہوا دادا کوئی پریشانی ہے۔'' وہ جتنا لاابالی سہی، دادا کی سنجیدگی اسے بھی سنجیدہ کر دیتی تھی۔

''سلامہ کے لیے پریشان ہوں۔'' دادا کے لفظوں پر وہ ہنسا تھا۔

''کیوں پھر کوئی نیا مطالبہ ہو گیا ہے اس کا۔''

''کعب میری تم تربیت پر واقعی محنت لگاؤ۔ سلامہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے بیٹا وہ میری گارنٹی پر ادھر آئی ہے میرا مان رکھ لو۔'' خاندان کی گنتی لڑکیاں تھیں جو اس کا شکار ہو چکی تھیں جنہوں نے خود کو بڑے شوق سے شکار بنایا تھا، دادا کا التجائی لہجہ اس کی پیشانی شکن آلود کر گیا۔ واضح الفاظ میں تمام بات ہو چکی تھی۔ وضاحت کا جواز باقی نہیں بچا تھا۔ وہ پرسوچ نظروں سے انہیں دیکھے گیا جن کی آنکھیں آس والتجا لیے اس پر جمی تھیں۔

☆.....☆

وہ پوری رات اس نے سوچ کر گزاری تھی، اس لیے نہیں کہ اس پر دادا کی بات کا اثر ہوا تھا یا سلامہ کی عزت بہت پیاری تھی نہیں۔ وہ ان میں سے کسی بھی

بات کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اگر اسے کسی چیز کی طلب ہو جاتی تھی تو اسے حاصل کرنا اس کے لیے ایسا ہو جاتا جیسے جینے کے لیے سانس بہت سوچ و بچار کے بعد اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اسے سلامہ ابراہیم تو چاہیے ہی چاہیے تھی اب اگر دوسرے طریقے سے وہ اس کی نہیں ہو سکتی تھی تو کوئی بات نہیں، وہ اس سے نکاح کر لے گا۔ شادی تو بہر صورت اسے کرنی ہی تھی دادا بھی کب سے پیچھے پڑے تھے تو یہ سنہری موقع کیوں گنوایا جائے، اس سوچ کے پیش نظر اس نے دادا کے سامنے سوال کیا تھا اور وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئے۔

''میں کیسے مان لوں تم اسے خوش رکھو گے اور کیا گارنٹی ہے کہ اس کے والدین مان جائیں گے۔'' دادا کے خدشات نے زبان اوڑھی تھی۔

''کیوں ایسی کیا برائی ہے مجھ میں جو وہ نہیں مانیں گے۔'' کعب کا موڈ یکدم آف ہوا تھا۔ اس کے چرچے پورے خاندان میں تھے۔ یہ بات وہ بھی جانتا تھا پھر ہوا وہی جو دادا نے کہا تھا۔ سلامہ کے سخت انکار کے باوجود دادا نے جمیلہ کو فون کیا تھا۔

''ابا جی آپ کس بات کی دشمنی نکال رہے ہیں ہم سے ایم سوری پر آپ جانتے ہیں کعب کے بارے میں پھر بھی۔'' جمیلہ کو شدید غصہ آ رہا تھا، اب اس نفس کے غلام بے راہ روی کے شکار کے لیے ان کی پاکباز بیٹی ہی رہ گئی تھی۔ انہیں ماننا پڑا کہ ان سے غلطی ہو گئی۔ سلامہ کو ادھر بھیجنے کی وارث (سلامہ کا بھائی) کو جیسے ہی معاملے کا پتا چلا وہ چھٹیاں لے کر فوراً سے جمیلہ کے ساتھ لاہور آن پہنچا۔ آخر کو بہن کا معاملہ تھا خاموش کیسے بیٹھتا ابراہیم کینیڈا میں تھے اس لیے آ نہیں سکتے تھے۔ سو انہوں نے ایک منٹ کی تاخیر کو بھی فضول جانا۔

''تم لوگ آ رہے ہو مجھے بتا دیتے میں تم لوگوں کو ریسیو کروا لیتا۔'' دادا نے ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔ سلامہ بھی حارث اور جمیلہ کو دیکھ کر از حد خوش ہوئی تھی۔ چائے کے دور کے بعد حارث نے بات کا آغاز کیا تھا۔ جس کے سبب سلامہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

''میں آپ کی عزت کرتا ہوں دادا! آپ پر خود سے زیادہ بھروسا ہے لیکن مجھے اب نہیں لگتا کہ سلامہ کو یہاں رہنا چاہیے۔ میں اسے آج ہی یہاں سے لے کر جانا چاہتا ہوں پلیز۔'' بہت ہی مودب انداز میں اس نے کہا تھا۔

''وارث میری بات کا یقین کرو کعب اس تمام واقعے سے بے خبر ہے۔'' رشتے ہمیں کتنے مجبور کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کعب کو بچانے کے لیے سہولت سے جھوٹ بول دیا تھا اور بولے جا رہے تھے۔

''وہ تو سلامہ کی طرف دیکھتا بھی نہیں کجا کہ اس کے بارے میں اس طرح سے سوچتا یہ سراسر میرا فیصلہ ہے مجھے وہ بچی عزیز ہے اس لیے میں نے سوال کیا۔'' وارث سر جھکائے دادا کی بات سن رہا تھا جمیلہ کے لبوں پر بھی قفل لگا تھا۔ دادا ان دونوں کو التجائی نظروں سے دیکھنے لگے۔

''تم نے لے کر جانا ہے سلامہ کو میں نہیں روکتا، مجھ سے زیادہ تمہارا حق ہے اس پر بہن ہے تمہاری لیکن چند دن رک کر جاؤ کتنے سالوں بعد آئے ہو۔'' دادا کی بات پر وہ جی بھر کر شرمندہ ہوا تھا۔

''ایسا مت کہیں دادا میرے سے زیادہ آپ کا حق ہے اس پر لیکن جاب کا مسئلہ نہ ہوتا تو ضرور رکتا۔'' نہایت سعادت مندی سے کہا تھا۔

''ارے جاب کی فکر نہ کرو تمہارا باس امجد میرا جگری یار ہے۔ مہینہ بھی رہو گے ایک لفظ نہیں کہے گا۔'' دادا نے ہنستے ہوئے کہا تھا وہ ماحول میں پھیلی بدمزگی کو ختم کرنے کے لیے ہنسے تھے وارث اور جمیلہ نیم رضامند ہو گئے۔

☆.....☆

''تیار ہو جاؤ میری غلامی کے لیے اندر ہمارے رشتے کی باتیں چل رہی ہیں۔'' کعب کچن میں پانی کے لیے آیا تھا۔ سلامہ کو کھڑا دیکھ کر ہمیشہ کی طرح اس کی شرارت کی رگ پھڑکی تھی۔

''بھول ہے آپ کی۔'' اس نے پین میں انڈا توڑ کر ڈالا کعب شیلف پر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور تھوڑا سا آگے کو جھک کر انڈے کو دیکھا۔

''بھول کیوں بھئی اس میں بھول والی کیا بات ہے تم بہت جلد میری بیوی بننے والی ہو مسز سلامہ کعب یوسف۔'' بہت ہی فلمی اسٹائل میں کہہ کر وہ مسکرایا تھا۔ سلامہ کی خشمگیں نظروں نے ایک لمحہ اس کا چہرے کا احاطہ کیا اور کعب مصنوعی انداز میں ڈرا۔

''مجھے میری ماں اور بھائی پر آنکھ بند کر کے یقین ہے وہ میرے لیے جہنم کا انتخاب کبھی بھی نہیں کریں گے۔'' اس نے ان ڈائریکٹ اس پر چوٹ کی تھی کعب کے ماتھے پر غصے کی لکیر نمودار ہوئی وہ شیلف سے اترا اور اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا تھا۔

''جہنم تو تمہارے نصیب میں لکھی جا چکی ہے بس ملنی باقی ہے سلامہ ابراہیم۔'' وہ جھٹکے سے گیا تھا۔ سلامہ نے غصے میں برنر آف کیا۔

''سمجھتا کیا ہے خود کو ابھی میری قسمت اتنی بھی بری نہیں ہوئی کہ اس میں تم شامل ہو۔'' اس کا اچھا خاصا موڈ غارت ہو چکا تھا۔

اپنے بھائی، ماما اور دادا کے ساتھ اس نے پورا لاہور گھوما تھا اور کیا خوب انجوائے کیا تھا ہاں انجوائے منٹ کے رنگ میں بھنگ کعب کی آمد نے ضرور ڈالا تھا لیکن ایک عجیب بات ہوئی تھی وہ سلامہ کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا، کمنٹ بھی پاس نہیں کر رہا تھا اور چھپ چھپا کر آنکھ بھی نہیں مار رہا تھا اور یہ سب سلامہ کے لیے بہت اچھا تھا اس نے عرصہ دراز بعد اتنا انجوائے کیا تھا وہ دن اس کے لیے یادگار دن تھے۔

''دادا آج میں آپ کے آفس چلی جاؤں۔''

اسے دادا کے آفس کو دیکھنے کا بہت شوق تھا وہ چھ مہینے کے لیے یہاں آئی تھی اس لیے سوچے بیٹھی تھی کہ کبھی نہ کبھی تو وہ دادا کے آفس جائے گی ہی لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ وہ کل ہی واپس جا رہی تھی اس لیے چاہتی تھی کہ دادا کا آفس دیکھ آئے۔ آج دادا نہیں آئے تھے صرف وہ اور کعب تھے وہ دادا کے آفس میں ان کی کرسی پر بیٹھی تھی کام وام اس نے کچھ نہیں کیا تھا آتا ہی نہیں تھا کرتی کہاں سے جو کام دیکھنا تھا وہ دادا کے سیکریٹری ریاض انکل ہی دیکھ رہے تھے۔ لنچ اس نے آفس میں ہی کیا تھا کعب تو اس سے پوچھنے بھی نہیں آیا تھا ایک طرح سے یہ بھی اچھا ہی تھا آفس ٹائم پانچ بجے ختم ہوتا تھا وہ اپنا بیگ اٹھا رہی تھی جب کعب اندر آیا۔

''چلنا نہیں ہے۔'' روکھے انداز میں پوچھا گیا تھا ساتھ ہی ریسٹ واچ پر بھی نظر ڈالی گئی تھی وہ سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی ڈرائیور انکل اب تک نہیں آئے تھے یعنی اسے کعب کے ساتھ گھر جانا تھا۔

''بری قسمت۔'' سلامہ کا منہ بگڑ گیا۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے گاڑی تک آئے ڈرائیونگ سیٹ کا ڈور کھولتے ہوئے کعب یکدم رک گیا۔

''وہ بزدانی والی فائل اٹھائی ہے تم نے؟ دادا نے کہا تھا نا لینے کو۔'' وہ ہی روکھا پھیکا سا انداز سلامہ نے دیکھا وہ فائل اٹھانا بھول گئی ہے سر کو جھٹکا کر اس نے واپس گاڑی کا دروازہ بند کیا تھا اور خود اندر آفس میں چلا گیا۔ پانچ منٹ تک وہ وہیں کھڑی رہی لیکن کعب نہیں آیا ٹھیک پانچ منٹ بعد اس کی کال سلامہ کے موبائل پر تھی۔

''مجھے فائل نہیں مل رہی کہاں رکھی ہے تم نے۔'' اکھڑ مزاجی سے پوچھا گیا۔

''یہ بندہ تو حد سے زیادہ بدتمیز ہے۔'' وہ اپنے آنے کا کہہ کر فوراً اندر کو دوڑی تھی دادا کے کیبن میں داخل ہوئی بہت ڈھونڈنے کے بعد فائل نہیں ملی تھی۔

''میرے کیبن میں چل کر دیکھتے ہیں۔'' کعب کی تقلید میں وہ اس کے آفس گئی تھی اور یہیں سلامہ سے غلطی ہوئی تھی۔ اپنے آفس میں آ کر وہ بڑے مزے سے ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا۔ سلامہ حیرت کا مجسمہ بنی اسے دیکھنے لگی۔ فائل ڈھونڈنے کے بجائے وہ اس طرح کیوں بیٹھ گیا۔ سلامہ کے دماغ میں سوال گڈمڈ ہونے لگے۔

''بیٹھو پانی وانی پیو۔'' دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ کہے گئے اس جملے پر سلامہ کے اندر خطرے کی گھنٹیاں بج گئیں۔ بنا کچھ کہے وہ دروازے کی جانب پلٹی تھی لیکن یہ کیا دروازہ تو بند تھا۔ اس نے ایک بار جھٹکا دیا دو بار تین بار لیکن بے سود بات تھوڑی تھوڑی اس کی سمجھ آنے لگی وہ غصے سے کعب کی سمت مڑی جو محظوظ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے دروازہ کھولو ورنہ میں چیخ چیخ کر سب کو بلاؤں گی۔'' اس کی دھمکی پر فلک شگاف قہقہہ اس کے لبوں سے پھوٹا تھا۔

''وہ کیا ہے نا کہ سلامہ بی بی یہ وائس پروف والز ہیں سو چیخنا چلانا بے سود ہے۔ رہی دروازہ کھولنے کی بات تو اب تو یہ صبح ہی کھلے گا۔'' اس کی آنکھوں میں ڈر ہلکورے لینے لگا وہ دروازے سے چپکی سخت خشمگیں نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

یہ شخص اس قدر گر جائے گا اس نے سوچا نہ تھا۔ آنکھوں سے آنسو آپ ہی آپ گرنے لگے۔ وہ اپنی کرسی سے کھڑا ہوا اور اس کے قریب آیا۔ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر زوردار انداز میں ہنسا ٹک ٹک وہ گھڑی کی طرف دیکھ کر شیطانی انداز میں بولا۔ ''اب تو گھر میں کہرام مچ گیا ہوگا اوہ نو سلامہ نہیں ہے، پاک بی بی اور وہ ناہنجار شیطان کا وارث بھی اس کے ساتھ اب کیا ہوگا کیا کر رہے ہوں گے وہ دونوں، آفس میں بھی نہیں کہیں بھی نہیں اوگاڈ۔'' وہ ڈرامائی انداز میں کہتا ہوا مزید اس کے قریب آیا۔

''لیکن سلامہ بی بی آپ پریشان نہ ہوں کچھ ایسا ویسا نہیں ہوگا۔ دادا کی قسم۔'' اس نے کچھ کو اچھا خاصا کھینچا تھا۔

وہ لب بھینچے اپنی قسمت پر ماتم کناں تھی۔ جانتی تھی اب کعب یوسف اس کی زندگی میں لکھ دیا گیا ہے اور ویسا ہی ہوا اس کے لاکھ قسمیں کھانے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس کی ایک نہ چلی۔ چلی تو اس کی جو قصور وار تھا اسے کعب یوسف کے ساتھ بیاہ دیا گیا وہ بھی ایک ہفتے کے اندر اندر۔

☆.....☆

اس نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا چونک گیا۔ کمرے کی حالت ابتر تھی ساری پھول کی لڑیاں ٹوٹی بکھری پڑی تھیں۔ بیڈ سے چادر غائب تھی جتنا بھی نازک سامان کمرے میں موجود تھا سب زمین بوس تھا۔ یہاں تک کہ دادی کے زیور جو بطور خاص سلامہ کو پہنائے گئے تھے وہ بھی نیچے پڑے تھے یعنی کمرے کے ساتھ خوب دشمنی نکالی گئی، اس نے شیروانی کے بٹن کھول کر اسے صوفے پر اچھال دیا۔ نیچے اس نے پولو کی نئی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

''سلامہ!'' اس نے واش روم کے دروازے پر دستک دی۔

''اوئے نکلو واش روم سے جلدی نہیں تو۔'' اس سے پہلے وہ کچھ کہتا سلامہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ کعب کو بری طرح جھٹکا لگا۔ بڑی دقت سے اس نے اپنی ہنسی کو روکا سلامہ کا حلیہ جو ایسا تھا بکھرے بال آنکھوں کے گرد پھیلا بہت سارا کاجل سرخ آنکھیں ٹھوڑی تک پھیلی لپ اسٹک یعنی کہ خوب اپنی قسمت پر رویا دھویا گیا تھا۔

''نہیں تو کیا۔'' اس نے غصے سے کعب کو کالر سے پکڑا۔

''کیا کر لو گے تم بولو۔'' وہ ہیجانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ کعب نے آہستہ سے جینز کی پاکٹ سے

فون نکال کر اس کی تصویر لی۔

''بہت مزا آرہا ہے نا تمہیں کعب یوسف بہت ہنسی چھوٹ رہی ہے ایک دن آئے گا ایسا جب تم مجھ جیسے درد سے ہی گزر رہے ہو گے اور میں ہنس رہی ہوں گی تب پوچھوں گی تم سے کیسا لگتا ہے جب کوئی آپ کے درد پر ہنستا ہے۔'' اس نے جھٹکے سے اس کا کالر چھوڑا تھا اور کعب محظوظ نظروں سے فتح کے نشے میں چور اسے مسکراتے ہوئے دیکھے گیا۔

☆.....☆

دن ایسے ہی خاموشی سے بیتتے چلے گئے اس کی ماما اور بھائی اس سے سخت خفا تھے، ہوتے بھی کیوں ناں، کعب نے جو انہیں بھرپور یقین دلایا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور اس رات سلامہ کی خواہش پر ہی وہ دونوں گھومنے نکلے تھے۔

''یہ کیسی زندگی ہے جس میں کوئی رنگ نہیں۔'' وہ لان میں رکھے بینچ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''ایک طرف نہایت بدکردار شخص میری زندگی کا حصہ ہے تو دوسری طرف میں ہی بدکردار ٹھہرا دی گئی ہوں۔'' آسمان بہت ملگجا سا معلوم ہوتا تھا معلوم ہوتا تھا بارش ہو گی، وہ آسمان پر اڑتے بارش کے منتظر پرندوں کو دیکھنے لگی۔ عورت واقعی مچھلی کی طرح ہے اپنی عزت میں رہے تو زندہ رہتی ہے باہر نکل دی جائے تو واقعی مر جاتی ہے۔ وہ واقعی مر گئی تھی کعب یوسف نے اسے اس کے عزت کے آب سے نکال دیا تھا۔ اس کی عزت کا خول اس پر سے ہٹا دیا تھا اور خوب ہٹایا تھا۔ اب وہ سلامہ ابراہیم نہیں سلامہ کعب تھی، کعب کی بیوی جو اس کے لیے پکاتی تھی، صفائی کرتی تھی، کپڑے دھوتی تھی، بنتی سنورتی تھی، اس لیے نہیں کہ اس کے دل میں کعب کے نکاح کے بولوں کا اثر ہوا تھا بلکہ اس لیے وہ دادا کو خوش دیکھنا چاہتی تھی تبھی کعب کو برداشت کر رہی تھی۔ لان سے اٹھ کر وہ کمرے میں آئی تھی جہاں کعب نے تباہی مچا رکھی تھی۔

''اوئے میری وائٹ شرٹ نہیں مل رہی پتا ہے کہاں ہے۔'' اس نے سارا وارڈ روب اتھل پتھل کر دیا تھا، کہیں جانے کی زبردست تیاری ہو رہی تھی سلامہ نے اٹھ کر اسے شرٹ نکال دی اور خود واپس جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کوئی انگلش سونگ کی دھن تھی جو اس کے ہونٹوں سے نکل رہی تھی۔ دادا نے ناک کر کے کمرے کے اندر جھانکا۔ کعب بڑے مزے سے خود پر پرفیوم چھڑک رہا تھا اور سلامہ بیڈ کے کنارے ٹکی کتاب پڑھ رہی تھی۔

''تم ذرا آنا۔'' دادا کا مخاطب کعب تھا۔ ان کے بلانے پر وہ فوراً ہی باہر آ گیا تھا۔

''کہاں جانے کی تیاریاں ہیں۔'' دادا کی سخت باز پرس پر وہ گڑبڑا گیا۔

''ایک دوست کے گھر جا رہا ہوں۔'' دادا نے بڑا تفصیلی اس کا جائزہ لیا۔

''سلامہ کو ساتھ لے کر جاؤ۔''

''لیکن دادا میں دوست کے گھر جا رہا ہوں۔'' اس نے زچ سے انداز میں کہا۔

''سلامہ کو ساتھ لے کر جاؤ ورنہ نہیں جانا۔'' دادا جانتے تھے کہ وہ کس دوست کے گھر جا رہا ہے اس لیے وارننگ دیتے ہوئے کہا۔ کعب شدید غصے کی حالت میں کمرے میں داخل ہوا، سلامہ اس وقت بک پڑھ رہی تھی۔ دس منٹ تک اس نے انتظار کیا پھر اس کا پارہ ہائی ہو گیا۔

''مجھے یہ چپڑ چپڑ کرتی لڑکیاں انتہا سے زیادہ بری لگتی ہیں اگر تم نے اس گھر میں رہنا ہے تو اپنی یہ سوفٹ کی زبان باہر پھینک کر آؤ۔'' وہ آدھے گھنٹے سے اس کا یہ رشتہ برداشت کر رہا تھا۔

''مطلب حد ہوتی ہے اگر تم نے پڑھنا ہی ہے تو سمجھ کر پڑھو یہ کیا ایک ہی سانس میں جاہلوں کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر بولے جا رہی ہو۔'' وہ کشن پھینک کر

اٹھا تھا۔

''کیا میں واقعی اتنا برا پڑھتی ہوں۔'' سلامہ نے اپنی کتاب کی طرف دیکھا۔

☆.....☆

اس کے غصے کی انتہا نہیں رہی تھی، کعب یوسف نے شادی کی رات اس کی ابتر حالت میں کھینچی گئی تصویر بڑے سائز میں کمرے کی دیوار پر لگا دی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کعب یوسف کا گلا گھونٹ دے مزے سے وہ یہ تصویر لگا کر اسے ڈائن کا خطاب دے رہا تھا۔

''کوئی نہیں کعب یوسف یہ تمہارا دور ہے ایک وقت میرا بھی آئے گا۔'' وہ دادا کی وجہ سے اس کی باتیں مان مان کر تنگ آ گئی تھی لیکن اب نہیں اب بہت ہو گیا۔ ایک ماہ تابعدار رہنے کے بعد وہ واپس اپنے اصل خول میں آئی تھی۔ جب مقابل کو کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تو فائدہ اس تابعداری کا۔

''سلامہ میرے لیے اسٹرونگ سی کافی بناؤ۔'' وہ ٹی وی کا ریموٹ پکڑے صوفے پر بیٹھا۔

''خود بنا لو یا پھر ملازمہ کو کہہ دو وہ بھی تو ہے۔''

کعب نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''ارے واہ بغاوت کی بو میں بھی کہوں شیرنی اتنے عرصے سے چپ کیوں ہے ویسے وہ کیا ہے نا۔'' وہ صوفے پر تھوڑا آگے کو جھک کر بیٹھا۔

''آئی لائک اٹ مشکل چیزیں مجھے ویسے ہی پسند ہیں۔ چلو تھوڑا شغل ہو جائے گا۔'' وہ سلامہ کی بات کو ہلکا لے رہا تھا سمجھ رہا تھا تھوڑا ڈرائے گا، دھمکائے گا تو وہ پھر سے ستی ساوتری بن جائے گی لیکن یہ کعب یوسف کی خام خیالی تھی۔ سلامہ مکمل طور پر اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اس کا کوئی کام کرنا تو دور اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھی ایک ماہ میں وہ مکمل طور پر اس پر منحصر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لیے اب مشکل ہو رہی تھی جس شخص کی ہزاروں لڑکیاں دوست ہوں جو ہر وقت ہر طرح سے اسے میسر ہوں اس کے لیے بیوی کی کیا اہمیت، کیا حیثیت ایک نوکرانی نہیں سلامہ ابراہیم ایک مرد کی نوکرانی ہرگز نہیں بنے گی۔ وہ اتنا اس لیے پڑھی، ڈاکٹر اس لیے بنی کہ ایک مرد کی غلامی کرتی پھرے اس کی جی حضوری کرے ہرگز نہیں۔

''دادا آپ کی پوتی میری برداشت سے اب باہر ہے آپ اسے کہیں سدھر جائے ورنہ میں کوئی اور انتظام کرتا ہوں۔'' وہ شدید غصے میں تھا اس نے سلامہ کو کپڑے پریس کرنے کو کہا تھا جو اس نے بڑی سہولت سے ملازمہ کو دے دیے۔ میں اس کے لیے کچھ بھی لاتا ہوں تو آگے سے فرماتی ہے جاؤ جا کر اپنی گرل فرینڈ کو دے آؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' اس نے سلامہ کے الفاظ دھرائے تھے۔

''دادا اب یہ سب میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔'' وہ غصے سے اپنی کنپٹیاں سہلانے لگا۔

''وہ اگر یہ سب کر رہی ہے تو اس سب میں تمہارا زیادہ قصور ہے تم اگر اپنے فضول مشاغل کو ترک کر دو تو وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گی۔'' دادا نے دوٹوک انداز میں کہا تھا کعب کو تو گویا پتنگے لگ گئے وہ پھڑ پھڑا گیا۔

''آپ بھی مجھے غلط کہہ رہے ہیں نا کیسے شوق سے کہیے جتنا جی چاہتا ہے اتنا کہیے اب میں غلط کر کے دکھاؤں گا۔'' وہ غصے سے پھٹ پڑا۔

''بڑا ناز ہے نا آپ کو اپنی اس بی بی پر تو رکھیے گا اسے اپنے ہی ساتھ چھوڑ دوں گا میں اسے سمجھے آپ مجھ سے نہیں برداشت ہوتی یہ چک چک۔'' وہ اسی طرح آگ بگولہ ہو کر گھر سے نکل گیا تھا۔ دادا اسے آوازیں دیتے رہے لیکن ان کی آواز کا کعب پر رتی برابر اثر نہیں ہوا تھا۔

☆.....☆

وہ ہزاروں بار کعب کو فون ملا چکی تھی لیکن اس کا فون سوئچ آف جا رہا تھا۔ دادا دل کے مریض تھے پتا

نہیں کعب اور ان کے درمیان ایسی کیا بات ہوئی تھی کہ انہیں ہارٹ اٹیک آگیا اور یہ ہی اٹیک ان کی جان لے گیا۔

''چلو اندر چلو۔'' وہ پچھلے دو گھنٹے سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا آسمان کو تکے جا رہا تھا سلامہ کی آواز پر چونک گیا۔ ایسے ہی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اور اسی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ دادا کو گئے ہوئے کئی ماہ بیت چکے تھے اور ان کئی ماہ نے کعب یوسف کو بہت بدل دیا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر اس کے ساتھ اندر آیا تھا۔

''کافی بنا دوں؟'' وہ پورا بھرپور مرد کس طرح ٹوٹا بکھرا تھا یہ سلامہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ راتوں کو چھپ چھپ کر رونا اور دادا کو یاد کرنا وہ سب جانتی تھی لیکن چپ تھی کعب نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔

''ایسا کب تک چلے گا کعب کب تک پتھر کی مورت بنے پھرتے رہو گے آخر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو دادا سے پیار صرف تمہیں ہی تھا۔'' وہ جان بوجھ کر اس پر چوٹ کر رہی تھی مگر کوئی فائدہ نہیں۔

''تم جا کب رہی ہو؟'' اس نے ہولے سے سر اٹھا کر پوچھا تھا۔ سلامہ اسے دیکھتی رہی۔

''تمہیں پتا ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے کعب یوسف تمہارا سب سے بڑا مسئلہ تمہاری ''میں'' ہے تم چاہتے ہو تم رہو جو تم نے کہہ دیا سو کہہ دیا۔ باقی سب جائیں بھاڑ میں۔'' وہ غصے میں آگئی تھی اس کا غصے میں آنا بنتا بھی تھا جس دن کعب کی دادا سے لڑائی ہوئی تھی وہ اسے کہہ کر گیا تھا کہ وہ اس کے گھر سے نکل جائے اس گھر میں اس کی کوئی جگہ نہیں وہ اس سے تنگ آگیا ہے اور اسے مزید اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔ سلامہ نے بھی خوب اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ دادا یہ سب ہی تو نہیں سہہ پائے تھے اور اس دنیا سے چلے گئے۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو میرا مسئلہ یہی ہے یقین کرو اس سب میں میرا کوئی قصور نہیں بہت تھا جب ممی پاپا چھوڑ گئے، نہ کوئی بہن تھی نہ بھا رشتوں کی قدر کہاں سے سیکھتا، بورڈن میں پڑ بڑھا ہوا بچہ کہاں سے رشتوں کی قدر سیکھتا ہے، یور کی اقدار اور روایات میں عورتوں کی عزت تھی بھی کہاں دادا نظر رکھتے تھے لیکن کب تک چوبیس گھنٹے تو نہیں دیکھ سکتے تھے ناں بگڑ گیا اور یہ سب جان بوجھ کر نہیں کرتا تھا میں بس ہوتا گیا، ویسے بھی رشتوں سے محرو انسان جلد بے راہ روی کا شکار ہوتا ہے۔'' اس نے سر جھکا دیا آواز میں نمی کی جھلک تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے دکھ اندر سے نکل رہا ہو وہ ابھی رو پڑے گا سلامہ کو اس پر ترس آیا۔

''سب چلے جاتے ہیں مجھے چھوڑ کر تم بھی چلی جاؤ۔'' وہ دونوں ہاتھ منہ پر رگڑ کر اٹھا تھا سلامہ نے مڑ کر اس بے حس انسان کو دیکھا۔

''جب پچھتاوے انسان کو ڈستے ہیں نا تو انسان اسی طرح شکست پا ہو جاتا ہے۔'' سلامہ کی آواز اس کے باہر کو اٹھتے قدم تھمے تھے۔

''میں تمہیں چھوڑ نا چاہتی ہوں بلکہ چھوڑ کر بھی جاؤں گی تا کہ تم خود احتسابی سے شناسا ہو سکو۔ دعا کر اللہ سے خوب جم کر معافی مانگو ہو سکتا ہے کوئی سبیل نکل آئے جو مجھے تم سے جوڑے رکھے اور میں تمہیں چھوڑ کر نہ جاؤں۔'' کعب نے نم زدہ آنکھوں سے حیرت سے اسے دیکھا جو بہت دلفریب سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہارے لیے سب سے بڑی سزا یہی ہے کہ میں تمہارے ساتھ رہوں۔'' وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آکر گزر گئی کعب مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔ باہر مدھم مدھم بارش ہو رہی تھی جس میں دونوں نے ساتھ بھیگنا تھا۔

☆......☆

سعدیہ اقبال

بنا آہٹ واپسی

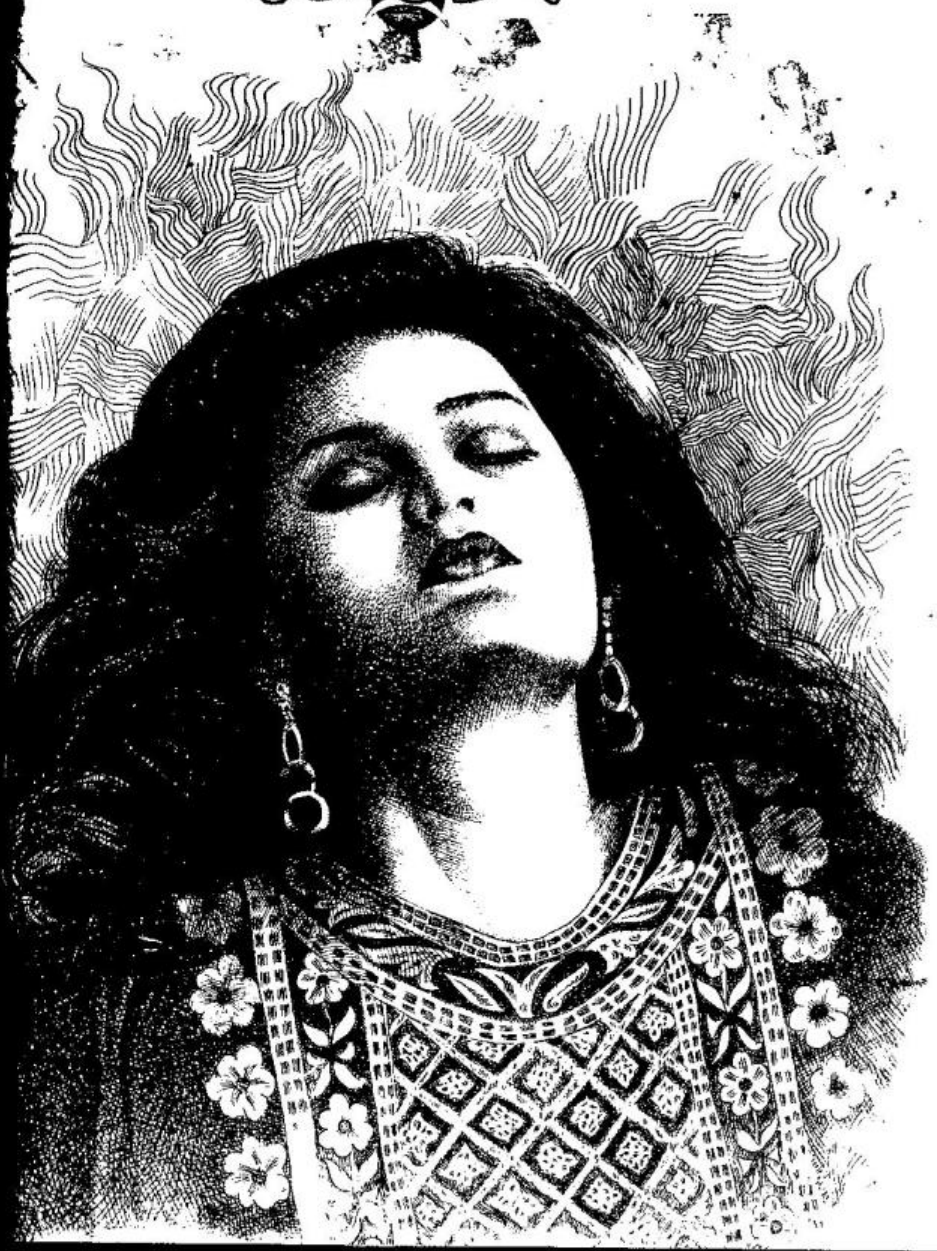

گھر میں قدم رکھتے ہی صحن کے بیچوں بیچ پریشان کھڑی امی پر اس کی نظر پڑی اور ساتھ ہی ابو بھی کھڑے تھے، کڑے تیوروں سے اسے گھورتے ہوئے جیسے کوئی بہت بڑا گناہ کر آئی ہو۔

"کہاں سے آرہی ہو؟" ملک جبار دھاڑے، فروا کی سانس اٹک گئی۔

"میں نے آپ کو بتایا تو تھا بشریٰ کی طرف گئی ہے میں نے ہی بھیجا تھا۔" رضیہ بیگم منمنائیں۔

"اگر کوئی خاص کام آن پڑا تھا تو فرقان کو بھیج دیتیں۔" ابو نے چھوٹے بھائی کا کہا۔

"سب جانتا ہوں میں تمہیں اور تمہاری بیٹی کو، باہر گھومنے کا شوق پال رکھا ہے۔ تمہارا شوق تو پورا ہوا، نہیں بیٹی کو چھوٹ دے رکھی ہے۔ کیا کمی ہے اس گھر میں اچھا کھانا، پہننا، بڑا گھر سب کچھ تو ہے مگر آوارہ پھرنے کا شوق ماند نہیں پڑا اس لڑکی کا۔" غصے میں اتنا کہہ کر ملک جبار اندر بڑھ گئے۔

اور وہ جو اتنے دنوں بعد اپنی اکلوتی سہیلی سے ملنے گئی تھی۔ اپنی اور اپنی ماں کی اتنی ہتک آمیزی پر کڑھ کر رہ گئی، کبھی کبھی وہ سوچتی کیا لڑکی ہونا اتنا بڑا گناہ ہے، کیا بڑا گھر، کپڑا، کھانا یہی عورت کے لیے کافی ہے؟ کیا اس کا کوئی مقام احترام نہیں اس گھر میں۔ حلق تک کڑواہٹ پھیل گئی سوچ کر۔

"فروا! جاؤ اندر جا کر بھائیوں کے کپڑے پریس کردو۔" امی کی آواز پر وہ اندر بڑھ گئی۔

☆.....☆

کہنے کو تو سب کچھ تھا اس گھر میں مگر وہ نہیں تھا جو فروا چاہتی تھی۔ وہ عزت، وہ مقام، احترام نہیں تھا اس گھرانے میں عورتوں کے لیے جو ان کا جائز حق ہے، خواہ وہ بیوی ہو، بیٹی ہو، یا بہن۔

ملک جبار کے خاندان میں شروع سے یہ رواج تھا کہ عورتیں بس ان کے ہاتھوں کی کٹ پتلی بنی رہیں، نہ کوئی سوال نہ جواب، اپنے خاندان کے اس ماحول سے فروا سخت نالاں تھی، ہوش سنبھالتے ہی جب اس کے چھوٹے بھائیوں کو اس پر ترجیح دی جانے لگی تو دل ہی دل میں وہ اس چیز کے سخت خلاف تھی مگر خاندانی روایت اور مردوں کے فیصلوں کے آگے وہ اکیلی ایک ننھی کلی، ثابت ہوتی جسے ہوا کی بے رحمیاں زمین بوس کر دیتیں۔

فروا نے بچپن سے اپنی ماں کو اپنے باپ کی مرضی کے آگے سر جھکاتے دیکھا کیونکہ انہیں کوئی حق نہیں دیا گیا تھا، نہ اپنی زندگی کا۔ نہ اپنی اولاد کا، زندگی کے چھوٹے بڑے فیصلوں میں ان کی مرضی غیر ضروری تھی چاہے وہ فیصلہ غلط بھی ہو، ایک اس کی ماں تھی اور گہری چپ تھی، نہ کوئی احتجاج نہ سوال بس صبر تھا اور وہ تھیں فروا کو بھی کبھی اپنی ماں کی جی حضوری کو فت میں مبتلا کر دیتی وہ جھنجھلا جاتی تھی۔

فطرتاً فروا ایک جذباتی اور حساس لڑکی تھی، تبھی اس کی سوچ دل دماغ اس بات کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ وہ چاہتی تھی کوئی تو اسے بھی اہمیت دے اس کی ماں کو بھی عزت ملے، آگے بڑھنے کی اجازت صرف خاندان کے مردوں کو ہی کیوں؟

آج بھی اسے یاد تھا بمشکل اسے انٹر کرنے دیا گیا تھا اور پھر ابو کی نہ کبھی ہاں میں نہیں بدلی، فروا نے جل کڑھ کے اپنی جذباتی طبیعت کو سنبھالا کر اپنا یہ خواب بھی ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی، سہنا اسے آتا تھا مگر دل میں کہیں اس گھٹن زدہ ماحول سے نکلنے کا ارمان بھی تھا۔ ننھی منی آرزوئیں تھیں، کھلکھلا کر ہنسنا چاہتی تھی، خود کو ذہنی آزادی دینا چاہتی تھی مگر یہاں تو اس کے ذہن و دل پر بھی بیڑیاں پڑی تھیں، جس کا وزن ڈھوتے ڈھوتے وہ تھک چکی تھی، سوچوں کا رواں دواں دھارا خشک ہو گیا۔

باہر سے ابو کی گرج دار آواز آرہی تھی، وہ امی کو ڈانٹ رہے تھے کسی معمولی بات پر اور وہ چپ چاپ سننے میں مشغول تھیں۔ فروا نے سر جھٹک کر کروٹ بدل لی۔

☆.....☆

"امی!" کمرے سے باہر نکل کر فروا نے رضیہ بیگم کو پکارا۔
"جی بیٹا!" امی نرمی سے بولیں۔
"ابو کہاں ہیں؟" اس کے منہ سے فوراً نکلا۔
"وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے گاؤں گئے ہیں۔ تمہارے تایا ابو کی طبیعت ذرہ خراب تھی، وہاں بھی جانا تھا۔" تایا کی طبیعت کا بتاتے ہوئے وہ فکر مند تھیں۔

اور فروا کو ناگواری نے اپنے گھیرے میں لے لیا، گاؤں میں ان کا پورا خاندان آباد تھا، اس کے غیرت مند تایا، کزنز، جو عورتوں پر اپنی مردانہ انا کا خوب مظاہرہ کرتے تھے اور پھر اپنے عزت دار ہونے کا ڈنکا بجاتے تھے اور ایک اس کی امی تھیں ان کے جبر برداشت کر کر کے فکر مند بیٹھیں تھیں، کتنی سادہ دل تھیں وہ فروا کو یکدم ان پر پیار آ گیا۔ رضیہ بیگم کے گلے میں بازو ڈال کر ان کا گال چوم لیا۔

"امی! میں بشریٰ کی طرف جاؤں بہت بے چینی ہو رہی ہے۔"
"اچھا تبھی میں کہوں مکھن کیوں لگایا جا رہا ہے مجھے، ہاں جاؤ مگر جلدی آ جانا۔" وہ مسکرائیں۔ فروا جانتی تھی ابو گاؤں سے جلدی نہیں آنے والے، تبھی بشریٰ کی طرف جانے کے لیے تیار ہوئی، بھاگ کر اندر سے چادر لے کر باہر آ گئی۔

باہر آتے ہی پڑوس کے گھر کے سامنے بنے بینچ پر علی رضا بیٹھا تھا کسی کتاب میں گم، فروا کی نظر اس پر پڑی، تبھی علی نے بھی اس کی جانب دیکھا فروا نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

فروا کو دیکھتے ہی علی رضا کی نگاہوں میں پاکیزہ محبت کے جذبے محورقص تھے اور فروا بھی ان جذبوں سے آشنا تھی، اس کا دل بھی وہی چاہتا تھا جو علی رضا کی آنکھوں میں تھا۔

علی رضا ان کا پڑوسی تھا کافی عرصے سے۔
بچپن سے لے کر ہوش سنبھالنے تک فروا نے مردوں کا جو روپ دیکھا تھا علی رضا اس سے بہت مختلف تھا، یہی کشش فروا کو علی کے قریب لے آئی۔ مگر کبھی دونوں نے بے باک اظہار نہیں کیے تھے، علی فروا کی ہر سوچ سے واقف تھا اور وہ اس کی سوچ کی عزت کرتا تھا، علی رضا اور فروا کے گھروں کی دیواریں ساتھ تھیں اور چھتیں بھی ملتی تھیں۔ تاہم آج تک نہ کبھی علی نے اسے چھت پر بلایا تھا اور نہ کبھی فروا نے دیوار سے جھانکا تھا، وہ دنیا کی نظر میں آ کر اپنی محبت کو داغ دار نہیں کرنا چاہتی تھی، اسے اپنی عزت کا پاس رکھنا آتا تھا، بھلے وہ اپنے گھر کے مردوں کے خلاف تھی مگر ان کی عزت نیلام کر کے اس پر اپنے خوابوں کا گھر نہیں بنانا چاہتی تھی اور علی رضا نہیں چاہتا تھا کہ فروا اپنی محبت کی کھلے عام پذیرائی کرے، ایک دفع علی رضا نے فروا سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا بس، ایک خوب صورت غزل کے ساتھ اور وہ لفظ فروا کی زندگی بن گئے۔

بشریٰ کے گھر داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر خوشی اور زماہٹ کے رنگ واضح تھے، بشریٰ اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی یہ علی رضا کی چاہت کے رنگ ہیں، کیونکہ اس سے پہلے بھی بشریٰ نے فروا کے چہرے پر وہ چاہت نہیں دیکھی نہ باپ کے لیے محبت اور نہ خاندان کے مردوں کے لیے۔

"کیا بات ہے جناب بڑی خوش دکھائی دے رہی ہو۔" بشریٰ مسکرائی۔
"نہیں تو کچھ بھی نہیں۔" فروا نے نظریں جھکا لیں۔
"مجھے پتا ہے جناب عالیہ باہر تمہارے خوابوں کے شہزادے علی رضا صاحب براجمان ہیں۔" بشریٰ نے جھٹ اسے پکڑا کیونکہ اس کا گھر بھی پاس تھا وہ جانتی تھی اس وقت علی رضا گھر کے باہر بنے بینچ پر بیٹھا کتابیں پڑھنے میں مصروف ہوتا تھا۔
"ہاں وہی تھے۔" فروا مان گئی۔
تھوڑی دیر فروا کو چھیڑنے کے بعد بشریٰ نے ایک خدشہ ظاہر کیا۔

"کیا تمہارے ابو مان جائیں گے فروا؟" بشریٰ بھی ان کے گھر کے سخت ماحول سے واقف تھی۔ اسے یاد ہے اسکول پکنک پر یا کبھی فرینڈ کے گھر جاتے وقت وہ جبار انکل سے اجازت لینے جاتی فروا کے لیے تو وہ صاف لفظوں میں کہہ دیتے۔
"اسکول جاتی ہے یہ بھی بڑی بات ہے، ان فضولیات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بشریٰ کی بات پر ایک تاریک سایہ لہرایا فروا کے چہرے پر، ابھی تھوڑی دیر والی خوشی بھک سے اڑ گئی۔
"کیوں نہیں مانیں گے، میں منا لوں گی منت سماجت کر لوں گی۔ جو ساری عمر انہوں نے میری ماں کے ساتھ کیا وہ اپنے ساتھ نہیں ہونے دوں گی اپنی محبت کے مزار پر ان کی مرضی کی چادر نہیں چڑھانے دوں گی۔ میں اس بار اپنے ارمانوں کی قربانی نہیں دوں گی۔" یکدم وہ جذباتی ہو گئی۔
"اپنے خاندان کی اس فرسودہ سوچ کا حصہ نہیں بننا مجھے میری بھی کوئی خواہش ہے خواب ہیں، میں اپنی بیٹیوں کو اپنی طرح گھٹ گھٹ کر باپ بھائیوں کی مار کھا کر نہیں جینے دے سکتی، نہیں ہوتا مجھ سے برداشت اب۔" فروا پھٹ پڑی اور رونے لگی اس کا ضبط جواب دے گیا۔

ماحول یکدم سنجیدہ ہو گیا، بشریٰ نے اسے دلاسہ دیا۔ گلے لگا کر اور اسے اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگانے لگی اور کافی حد تک وہ بہل گئی۔

☆......☆

دن اپنی رفتار سے گزر رہے تھے، فروا اسے مزید اکیلے یہ بوجھ سہنا مشکل ہو گیا اور اس نے رضیہ بیگم سے ساری بات کہہ دی اور ان سے مدد چاہی کہ وہ ابو سے بات کریں کہ فروا خاندان میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔
"یہ کیسے سوچ لیا فروا تم نے۔ تمہیں اچھی طرح اندازہ ہے اس گھر کے اصولوں کا پھر تمہارے قدم کیوں لڑکھڑا گئے۔" وہ پریشان تھیں۔
"قدم لڑکھڑاتے نہیں امی! میں نے خود قدم رکھے ہیں اس راستے پر اور آپ کو اب چپ نہیں رہنا، بولنا ہو گا آپ کو میرے حق میں ورنہ میرا فیصلہ اٹل ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

اور رضیہ بیگم بیٹی کی بات سن کے حیران ہو گئیں، وہ جانتی تھیں فروا کی سوچ کیسی ہے، دل ہی دل میں وہ بھی ان سب کے خلاف تھیں مگر تمام عمر خود میں حوصلہ نہ پیدا کر سکیں اور آج فروا کے فیصلے نے انہیں مشکل میں ڈال دیا، کیا ہو گا جب ملک جبار کو اپنے خون کی بغاوت کا پتا لگے گا؟ وہ طوفان لے آئیں گے جب ان کے اصولوں کے خلاف کوئی جائے گا مگر بات تو انہیں کرنی تھی جلد یا دیر سے اور آخر رضیہ بیگم نے اپنی ہمت جمع کرنا شروع کر دی کہ کب موقع دیکھ کر وہ بات کریں گی۔

اپنی بات کہہ کر فروا لان میں آ کر بیٹھ گئی اور زمین پر گرے ننھے موتیے کے پھول چننے لگی، نہ جانے کیوں اسے ان پھولوں پر ترس آ رہا تھا یا اپنی بے بسی کا خوف تھا اس کی آنکھیں برسنے کو تیار تھیں۔ دل صدائیں لگا رہا تھا کہ کب اس تپتے صحرا سے نجات حاصل ہو گی، کب کسی خوب صورت وادی میں پناہ ملے گی اور فروا کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔

☆......☆

"ابو ہم دونوں بھائیوں نے فیصلہ کیا ہے گھر اور فیکٹری میں سے ہم علی رضا کو حصہ نہیں دیں گے۔" عامر نے فیصلہ سنایا۔
"تم کون ہوتے ہو فیصلہ کرنے والے؟ جیسے تم میرے بیٹے ہو علی بھی میرا بیٹا ہے حصہ تو اسے ملے گا۔" شبیر صاحب ناراض ہوئے۔
"واہ خوب کہی ابو آپ نے، یہ غیر خون ہمارا اپنا ہے؟ نہیں ہے یہ ہمارا سگا ہم نہیں مانتے، جا کر وہیں سے حصہ لے جو اس کا خون ہے۔" کاشف کیوں پیچھے رہتا فوراً بولا۔
آمنہ بیگم جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں، علی رضا تب چار

سال کا تھا، سسرال نے آمنہ بیگم کو قبول نہ کیا اور وہ علی کو لے کر میکے آگئیں، شبیر صاحب ایک نیک اور صالح انسان تھے انہوں نے آمنہ بیگم کو علی سمیت اپنا لیا تھا اور پھر شبیر صاحب کے گھر دو بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں، علی رضا بہت خوش اور مطمئن تھا اپنی فیملی میں وہ پڑھائی میں اول تھا مگر عامر اور کاشف نے کبھی بھی ماں کی تربیت کو کسی خاطر میں نہ لایا اور پڑھائی میں بھی ناکام رہے اور اب صرف باپ کی جائیداد پر عیش کرنا چاہتے تھے، علی ایم بی اے کر چکا تھا اور اب جاب بھی تھی بہت کم اس نے شبیر صاحب پر انحصار کیا تھا، پڑھائی کے لیے بھی ٹیوشن پڑھاتا تھا۔ دن رات اور علی شبیر صاحب کو منع کر چکا تھا کہ اسے جائیداد نہیں چاہیے مگر ان کا کہنا تھا۔

"میں نہیں چاہتا دنیا کہے کہ میں نے سگے اور سوتیلے میں فرق کیا ہے۔" اپنے بیٹوں کی اپنے دوسرے بیٹے کے لیے سوچ دیکھ کر آمنہ بیگم پریشان سی بیٹھی تھیں کہ کہاں وہ چوک گئیں ان کی تربیت میں مگر کچھ لوگوں پر شاید ماں باپ کی نصیحتیں بھی اثر نہیں کرتیں۔

"بس بات صاف اور اٹل ہے حصے تین ہوں گے جائیداد میں۔" شبیر صاحب غصے میں دھاڑے۔

"تو آپ بھی سن لیں اگر ایسا ہے تو پھر علی اس گھر میں رہے گا یا ہم دونوں، افسوس ہے آپ ہمارے سگے ہو کر بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔" عامر نے تمام حدیں پار کردیں۔

"بند کرو اپنی یہ بکواس، نکل جاؤ تم دونوں اس گھر سے۔" شبیر صاحب کی آواز غصے سے کانپ گئی وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

علی نے آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا اور روتی ہوئیں آمنہ بیگم کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چومتے ہوئے کہا۔

"امی! آپ فکر نہ کریں وہ جذباتی ہو گئے ہیں میں انہیں سمجھا کر لے آؤں گا، میں نہیں لوں گا حصہ اپنا بس آپ روئیں مت۔" وہ فکر مند ہوا۔

"ابو آپ بھی پریشان نہ ہوں حصہ نہیں چاہیے مجھے آپ کا پیار ہی میری جائیداد ہے۔" وہ مسکرایا۔

"نہ جانے کس نیکی کے عوض مجھے تم جیسا بیٹا ملا، سدا خوش رہو۔" شبیر صاحب آبدیدہ ہوگئے۔

عامر اور کاشف غصے میں تلملاتے ہوئے گھر سے جا چکے تھے۔ علی رضا بھی آفس جانے کے لیے گھر سے نکل آیا۔ آوازیں اتنی اونچی تھیں کہ لان میں بیٹھی فروا نے با آسانی سن لیں اور وہ بے حد متفکر ہوگئی۔ گیٹ سے نکلتے وقت علی رضا کی نظریں اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی پریشان سی فروا پر پڑی، زرد لباس میں اپنی موٹی موٹی سیاہ آنکھوں میں اداسی لیے وہ بہت اپنی لگی علی کو اور جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں علی نے اس سے کہا ہو۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا تم پریشان نہ ہو، ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔" بائیک اسٹارٹ کر کے وہ آگے بڑھ گیا اور فروا کی بے قرار نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔

☆......☆

اس دن کے جھگڑے کے بعد علی رضا گھر نہیں لوٹا تھا، سارا دن اور پھر دوسرا دن بھی گزر گیا۔ فروا کو جب پتا چلا تو اس کی جان پر بن گئی بمشکل تو خود کو قابو کیے ہوئے تھی، اب یہ نئی آزمائش، فروا نے فوراً بشریٰ کو بلوا لیا، بشریٰ نے بھی یقین کروا دیا کہ واقعی علی گھر نہیں لوٹا اور عامر، کاشف کا بھی کچھ پتا نہیں تھا، بشریٰ یہ سب اس وجہ سے جانتی تھی کیونکہ علی رضا کی بہنیں یونیورسٹی میں اسی کے ساتھ تھیں۔

"کہاں چلا گیا وہ؟ اتنا بزدل تو نہیں تھا کہ بغیر بتائے کہیں چھپ جائے اپنی ماں کو چھوڑ کر۔" فروا کی سانسیں رکی ہوئی تھیں، دل پھٹنے کو تیار تھا، رو رو کر بے حال ہو گئی۔ بشریٰ نے اسے حوصلہ دیا کہ آجائے گا وہ مگر اب حوصلہ کہاں تھا اسے دل و دماغ انجانے خوف میں مبتلا تھے۔

یکدم خوابوں اور ارمانوں کی وادی دھندلانے لگی تھی، اتنی لمبی مسافت ریگستان میں طے کرنے کے بعد اب ہمت جواب دینے کو تیار تھی، ایک ہی تو آسرا تھا اس کا، علی رضا اس کی محبت وہ بھی ادھورا نہ رہ جائے؟ سوچ سوچ کر

شام تک تیز بخار میں پھنکنے لگی، ریگستان ہی تو تھا کہ جس ماحول میں رہنے کی آپ کا دل و دماغ اجازت نہ دے پھر انسان وہاں سے فرار کی راہیں تلاشنا شروع کر دیتا ہے۔

رضیہ بیگم اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر سب سمجھ چکی تھیں مگر وہ بھی مجبور تھیں، پریشان بھی تھیں کہ علی رضا کہاں گیا آمنہ بیگم کے آنسو ان سے برداشت نہ ہوتے تھے مگر کون جانے تقدیر میں کیا چھپا ہے؟

جب ہم انسان جانتے ہیں کہ کاتب تقدیر، تقدیر لکھتے وقت ہم سے پوچھتا ہے کہ بندے بتا کیا لکھوں تیرے نصیب میں، ہوتا اکثر وہی ہے جو لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر ہم اتنے بے چین کیوں ہو جاتے ہیں؟ اتنی بے قراری کیوں، بہت کم خوش قسمت ہوتے ہیں تقدیر جن کے تابع ہوتی ہے مگر فروا ان خوش قسمتوں میں سے نہیں تھی۔

☆......☆

گرمی کے طویل دنوں کے بعد آج سورج چھٹی پر تھا اور اس کی جگہ ڈیوٹی بادلوں نے سنبھال رکھی تھی، اچانک آسمان سے ننھی ننھی بوندیں ہر چیز کو چھو کر زمین کے گرم سینے میں سمانے لگیں۔ فروا بھی اپنے جلتے وجود کو گھسیٹ کر باہر لے آئی اور بارش کی بوندیں اپنے جلتے وجود کے آر پار کرنے لگی۔

مگر اب یہ جلن کہاں کم ہونی تھی یہ گھٹن تو مزید بڑھنی تھی اس کے دل کے اندر گہرا سناٹا تھا دکھوں کا، کرب کا، وہ بے قرار تھی کب اس کی سماعتیں علی رضا کی آہٹ سنیں گی؟ اور یہ سناٹا ختم ہوگا، وہ چلتی ہوئی صحن میں بنی سیڑھیوں پر آبیٹھی، سفید سوٹ میں بے ترتیب کھلے بال، ویران آنکھیں، رضیہ بیگم کو وہ عجیب دیوانی سی لگی۔ وہ شکر کر رہی تھیں آج ملک جبار گاؤں گئے تھے، ورنہ وہ ضرور طنز اور شک کے تیر چلاتے فروا پر۔ علی رضا کو گئے ہفتہ بھر ہو چلا تھا اور فروا کی مسکراہٹ بھی وہ لے گیا تھا۔

"جی......!" فرقان باہر سے بھاگتا ہوا آیا۔

"اللہ خیر کرے۔" رضیہ بیگم اس کے چلانے پر دہل گئیں۔

"امی وہ علی رضا بھائی کے گھر پولیس آئی ہے۔" فرقان کے منہ سے سنتے ہی فروا کو لگا شاید علی رضا کا کچھ پتا چلا ہو، اب اس کے صبر کے تمام پل ٹوٹ چکے تھے۔ ضبط جواب دے گیا تھا اس نے علی کے گھر کی طرف دوڑ لگا دی اور وہاں جو اس کے کانوں نے سنا کاش نہ سنتی، کاش وہ بہری ہوتی کاش اس کی سماعتیں بے کار ہو جاتیں مگر اب وہ ہو گیا جس خوفناک خبر کا طوفان فروا کا سب کچھ بہا لے گیا تھا۔

"جائیداد اور اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کی خاطر عامر اور کاشف نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر علی رضا کو موت کی ابدی نیند سلا کر ایک نالے کے سپرد کر دیا تھا اور اب خود بھی پولیس کی گرفت میں آچکے تھے۔ آمنہ بیگم کی سسکیاں آہیں فروا کے دل میں کیل کی مانند کھب گئی تھیں۔

اپنے چٹختے اعصاب کو لے کر شکستہ قدموں سے وہ [illegible] باہر نے بینچ پر اس کی محبت، آرزوئیں، خواب، [illegible] بے دردی سے دم توڑ رہے تھے۔

ابھی تو اس نے [illegible] باپ سے علی رضا کے ساتھ کی بھیک مانگی تھی۔ ابھی تو ملک جبار کے خاندانی اصولوں کو بھنک بھی نہ ہوئی تھی کہ کوئی اپنی [illegible] ناکام کوشش میں مگن ہے کہ تقدیر نے فروا کو الٹے قدموں واپس لوٹا دیا تھا۔ اسے بھی اپنی ماں کی طرح صبر کے لیے چنا گیا تھا۔ اللہ کی آزمائش تھی اس پر بے شک اللہ اپنے پیاروں کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔

اپنے گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس نے پہلے اپنے گھر کی چار دیواری اور پھر اپنی ماں کے بے بسی سے رقم چہرے پر نظر ڈالی جیسے پوچھ رہی ہو۔ "میں بھی آپ کی طرح صبر کر پاؤں گی؟"

اور وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی آج آسمان بھی اس کی قسمت پر زور و شور سے رو رہا تھا۔

......☆......

Ridadigest.com

شازیہ مصطفیٰ عمران

زندگی پھول، محبت خوشبو

"آپ امی یہ سوچیں نیل فرآپی نے تو خود سمجھ داری کا ثبوت دیا ہے کچھ بھی نہ بتا کے اور آپ سب پر... کر کے فہد بھائی کو سب کی نظروں میں گرا دیں گی جب ایک شخص اپنے کئے پر نادم ہے تو بار بار ٹارچر کرنا تو...

...ہے۔" رحمان علی نے بھی جیسے اس کی بات پر تائیدی سر ہلایا۔

"آپ تو شکر ادا کریں بھائی کو ماموں جان کی بیٹی پسند آئی اگر کوئی اور ہوتی تو وہ تو کیا سے کیا کر دیتیں نیل آپی ایک سمجھ دار اور حساس لڑکی ہیں وہ ہر بات کا منفی اور مثبت پہلو سمجھتی ہیں جب ہی تو انہوں نے یہاں رہ کر آپ پر بھی کبھی ظاہر نہیں کیا۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں ہی زیادہ جذباتی ہوگئی تھی۔" وہ لب کچل رہی تھیں۔

"اور ابو آپ بھی بھائی کو سنانے لگے اس طرح تو وہ اور ڈس ہارٹ ہوں گے ان کے ماں باپ ہی ان کے خلاف ہوگئے آپ نے دیکھا وہ نیل فرآپی پر لعنت بھیج گئے ہیں اور آپ لوگوں کی خاطر دست بردار ہو گئے ہیں صرف اس لیے ان کی ماں ان سے دور جو ہوگئیں۔" مہاداتنی کم عمری میں اتنی مدبرانہ گفتگو کر رہا تھا رحمان علی نے

قسط نمبر 25

مسکرا کے اسے گلے سے لگا لیا۔

''بیٹا! تم نے مجھے احساس دلا دیا میرے بیٹے قابل فخر ہیں جو ماں و باپ کو بھی سمجھتے ہیں۔''

''بلکہ مجھے یہ فخر ہے آپ نے ہماری تربیت اچھے طریقے سے کی ہے صحیح غلط کی پہچان دی ہے اور اپنی غلطی ماننا سکھایا دیکھیں بھائی بار بار اپنی غلطی مان رہے ہیں۔''

''ہوں۔'' وہ سر ہلانے لگے۔

''یہ معاملہ بھائی اور نیل فر آپی میں رہنے دیتے شادی کے بعد دنوں خود ہی سلجھا لیتے اور ٹھیک ہو جاتے اس طرح تو اور دوریاں بڑھیں گی آپ سوچیں نیل فر آپی کو اگر پتہ چلے گا تو وہ تو اور پریشان ہوں گی کیونکہ بھائی شادی سے منع کریں گے وہاں سب کو تشویش ہوگی۔''

''نہیں، نہیں میں فہر کو ایسی کوئی ضد نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ سوچ کے ہی گھبرانے لگی تھیں۔

''زہرہ یہاں آج جو کچھ ہوا ہے سب بھول جاؤ فہر کو تم ریلیکس کرو بلکہ دونوں ہی کریں گے۔'' رحمان علی گویا ہوئے۔

''وہاں شکیل بھائی کے ... کی شادی کا سلسلہ چل رہا ہے خواہ مخواہ بدمزگی ہوگی۔''

''ہوں۔'' زہرہ نے اپنے آنسو پونچھے۔

''میں بھائی کو لینے جا رہا ہوں ... امی آپ اپنے آپ کو فریش کریں اور ابو آپ بھی۔''

''ہاں ٹھیک ہے تم اسے لے کے آؤ۔'' وہ کچھ افسردہ ہی ہو گئے تھے فہران کا لائق فائق ہونہار بیٹا تھا اس نے کبھی ان کے حکم عدولی نہیں کی تھی دونوں ماں و باپ کا خیال رکھتا تھا۔

''جاؤ زہرہ تم منہ ہاتھ دھوا پنا۔'' انہوں نے کہا زہرہ ... گئی تھیں۔

رحمان علی کو مہاد کی باتوں نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا ورنہ ... کوئی فائدہ ہی نہیں تھا الٹا اس کا اثر ہوا فہر بدک گیا تھا اور ایسا ملول اور رنجور ہو کے نکلا تھا وہ بے چین ہو گئے تھے ... کے لیے اسے جرمنی چلے تھا وہ ایسے ناراض ہو کے تو اسے جانے ہی نہیں دیں گے۔

☆......☆

وہ دراز سے البم نکال کے آج پھر ساری تصویریں دیکھ رہی تھی امی اسے تو ہر وقت ... وہ ایک ایک تصویر غور سے دیکھ رہی تھی۔

''امی! آپ کی خواہش پوری ہو گئی۔ ابو مجھے اپنے پاس لے آئے اور ان کی بیگم نے مجھے دل سے لگا کے ... ہوا ہے آپ چلی گئیں اور آپ جیسی ماں مجھے مل گئی پیار و محبت کے ساتھ۔'' دروازے پر ناک ہوئی نیل فر سوچوں کا تسلسل اور خود کلامی کا سلسلہ ٹوٹ گیا جھٹ البم دراز میں رکھی مڑ کے دیکھا شکیل احمد مسکراتے ہوئے اندر داخل ہو رہے تھے۔

''کیا کر رہا ہے میرا بیٹا۔''

''کچھ نہیں امی کی البم دیکھ رہی تھی۔'' اس نے بتایا۔

''ہوں اچھا مجھے بھی دکھاؤ۔'' وہ گویا ہوئے۔

''رکھ دی میں نے دراز میں آپ بتایئے کوئی کام تھا۔'' وہ ان کا دھیان بٹانے کو گویا ہوئی وہ البم دکھا کے یادوں کو دوبارہ سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''کام تو نہیں دل کر رہا تھا اپنی بیٹی سے باتیں کرنے کا۔'' وہ بڑے صوفے پر بیٹھ گئے اور نیل فر بھی ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

وسیع و عریض کشادہ فرنشڈ بیڈ روم تھا ہر سہولت تھی کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔

''نیل فر! آپ نے فہر کا رشتہ دل سے قبول کیا ہے۔'' قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''جی۔'' اس نے حیاء کے حصار میں مبتلا ہو کے کہا۔

''کہیں ایسا تو نہیں ثریا نے زبردستی تم سے ہاں کروالی ہو۔''

''نہیں ابو! ایسا کچھ نہیں ہے آپ دونوں کی پسند میری پسند مجھے کوئی اعتراض نہیں اور آپ دونوں میرا اچھا ہی سوچیں گے۔'' وہ جھٹ گویا ہوئی۔

''پھر بھی بیٹا میں نہیں چاہتا مجھ سے تمہارے معاملے میں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے کیونکہ تمہاری ماں کو میں کوئی خوشی نہ دے سکا کم از کم اپنی بیٹی کو تو دے دوں۔'' انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

''آپ سب کے درمیان ہوں اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے میرے لیے۔'' وہ مسکرائی۔

''مجھے ماں مل گئی جو مجھ سے اتنا پیار کرتی ہیں مجھے تو یقین نہیں آتا میں بھی کسی کے لیے اہمیت رکھتی ہوں۔''

''میری بیٹی ہے ہی اتنی اچھی ہر کوئی پیار کرنے لگتا ہے۔'' نیل فر تو جھینپ ہی گئی ذہن میں یکدم فہر کا خیال آ گیا۔

''نیل فر! پتہ ہے ہماری خواہش تھی فہر سے تمہاری شادی ہو وہ بہت لائق فائق بچہ ہے سلجھا، سمجھدار ہر ایک کی عزت کرتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر ہمارا اپنا بچہ تم ہمارے اپنوں میں جاؤ گی تو ہم بے دھڑک اپنی بیٹی سے ملنے آ جایا کریں گے۔'' وہ بول رہے تھے۔ اور نیل فر سر جھکائے صرف سن رہی تھی۔ فہر کے نام پر تو دل کی دھڑکنیں شور کرنے لگتی تھیں۔

''آپ نے جو سوچا اچھا سوچا آپ اب پریشان کیوں ہیں؟''

''مجھے ایسا لگتا ہے مجھ سے کہیں جلد بازی میں غلط فیصلہ نہ ہو جائے۔'' ان کا دل نیل فر کے معاملے میں بہت ڈر گیا تھا جب سے اس کا ایکسیڈنٹ ہوا اس کے لیے بہت زیادہ حساس بھی ہو گئے تھے۔

''ماں باپ ہر فیصلہ سوچ سمجھ کے کرتے ہیں اولاد کی بہتری کے لیے وہ جلد بازی تو کر ہی نہیں کر سکتے۔'' اس نے مسکرا کے تسلی دی۔

''واقعی تم خوش ہو۔'' اس نے پھر سر ہلایا شرم و حجاب میں مبتلا ہو کے۔

''ضیاء اور حمزہ تو کہہ رہے ہیں فہر کے جرمنی سے آنے کے بعد ہی تمہاری شادی کی جائے تمہیں اتنی جلدی وہ رخصت کرنا نہیں چاہتے اور سچ پوچھو تو میرا بھی دل یہ ہی کرتا ہے اپنی بیٹی کو ہر وقت اپنے سامنے رکھوں مگر یہ دستور زمانہ ہے بیٹیوں کو ایک دن رخصت ہو کے سسرال جانا ہوتا ہے۔'' وہ کچھ افسردہ بھی ہو رہے تھے آنسو تو نیل فر کی آنکھوں میں آ گئے وہ بے اختیار ان کے سینے سے لگ گئی۔

''لو بھئی یہاں تو باپ بیٹی کا ٹریجڈی سین چل رہا ہے۔'' ثریا شکیل احمد کو ڈھونڈتی ہوئی یہاں آ گئی تھیں۔ نیل فر رو رہی تھی۔

''یہ کیا تم رو رہی ہو آپ نے رلا دیا ہوگا۔'' انہوں نے نیل فر کے آنسو دیکھے۔

''بیٹی رخصت جو ہوگی۔'' وہ گویا ہوئے۔

’’بیٹی کو رخصت بھی تو دیکھیں ہم اپنوں میں کر رہے ہیں تا کہ ہماری بیٹی ہمارے سامنے رہے۔‘‘ انہوں نے نیل فر کے آنسو پونچھے۔

’’آپ تو خود کو سنبھالیے۔‘‘ شکیل احمد نے اپنے آنسوؤں کو ٹشو میں جذب کیا۔

’’سنو لڑکی جلدی سے تیار ہو جاؤ درشہوار کی اور تمہاری شاپنگ کرنی ہے۔‘‘

’’امی آج نہیں۔‘‘ وہ منع کرنے لگی۔

’’آج ہی ہوگی کیونکہ میں نے کنول کو کال کی ہے وہ تم دونوں کو لے کے چلی جائے گی۔‘‘ وہ بتانے لگیں۔

’’سلام کے ساتھ بھیج دینا۔‘‘ شکیل احمد نے کہا۔

’’سلام سے ہی کہا ہے مگر میں نے ضیاء کو بھی کہا ہے وہ بھی اپنی پسند سے درشہوار کی شاپنگ کرے۔‘‘

’’زبیدہ بہن کو کہتیں وہ بھی چلی جائیں۔‘‘ شکیل احمد کو خیال آیا۔

’’میں جب جیولری لینے جاؤں گی انہیں اور زہرہ کو ساتھ لے کے جاؤں گی ابھی ان لڑکیوں کی شاپنگ ہونے دیں آپ جانتے ہی ہیں لڑکیوں کی شاپنگ ایک مسئلہ ہوتی ہے اتنی آسانی سے کچھ پسند تھوڑی آتا ہے۔‘‘ وہ بول رہی تھیں۔ اور نیل فر کو جانے کی تیاری تو کرنی تھی کیونکہ اشاروں سے اسے اٹھنے کا کہہ رہی تھیں۔

’’آپ کرلیں شاپنگ کنول آپی کے ساتھ۔‘‘

’’لڑکی تم تو بالکل ہی بے زار ہو رہی ہو میں نہ تو سنوں گی نہیں درشہوار کو بھی میں نے کہہ دیا ہے کنول بھی آتی ہوگی۔‘‘ وہ اس کی تو سن ہی نہیں رہی تھیں۔

’’پلیز امی! آپ خود اپنی پسند سے کرلیں۔‘‘ وہ ان کے شانوں پر جھول گئی۔

’’قطعی نہیں جب شادی تمہاری ہے تو اپنی پسند سے چیزوں کو تم ہی خریدو گی درشہوار کو بھی میں نے ڈانٹ ڈپٹ کے تیار کیا ہے وہ بھی منع کیے جا رہی تھی۔‘‘ انہوں نے نیل فر کے ہاتھوں کو اپنے شانوں سے ہٹایا۔

’’آپ کچھ کیش دے دیں باقی ضیاء کریڈٹ کارڈ یوز کرے گا اتنی رقم بھر کے بازار میں لے جانا ٹھیک بھی نہیں ہے۔‘‘

’’آپ کے اکاؤنٹ میں ہے رقم تو باقی ضیاء سے کہیں ATM سے نکال لے گا۔‘‘ شکیل احمد نے کہا۔

’’نیل فر بیٹا! تم جلدی سے تیاری کرو اور آجاؤ ضیاء اپنی گاڑی میں جائے گا تم لوگ سلام کے ساتھ گھر کی گاڑی میں جانا۔‘‘ وہ اسے ہدایت دیتی ہوئی اٹھیں۔

’’زہرہ بھی کچھ شاپنگ نیل فر کی پسند سے کرنے کو کہہ رہی ہیں میں نے کہہ دیا ہے کسی دن لے جانا نیل فر کو۔‘‘

’’کیا پھپھو بھی۔‘‘ وہ تو سن کے گھبرائی۔

’’ارے لڑکیوں تم کس مزاج کی ہو شاپنگ اور گھومنے پھرنے کا ذرا شوق نہیں ہے۔ شکیل صاحب آپ نے تو نیل فر کو لگتا ہے گھر میں قید کر کے ہی رکھا ہے۔‘‘ وہ اب شکیل احمد کو سنانے لگیں۔

’’میں زبردستی بھیجتا تھا زبیدہ بہن کے ساتھ یہ تو بس یونیورسٹی کے علاوہ کہیں نہیں جاتی تھی۔‘‘

’’او مجھے یاد آیا نیل فر حمزہ تمہارے رزلٹ کا بتا رہا تھا نکل آیا ہے۔‘‘

’’کیا واقعی......‘‘ وہ تو سن کے خوش ہوگئی۔

’’ابھی تو تم بازار جاؤ رزلٹ آ کے دیکھنا۔‘‘ انہوں نے پھر حکم دیا۔ اور نیل فر کو تو اپنے رزلٹ کی بے چینی لگ

گئی شکیل احمد ثریا کی جلد بازی پر مسکرانے ہی لگے۔

’’بیٹا! تمہاری ماں کو اس وقت شادی کی تیاری کی فکر ہے تم اس پر توجہ دو۔‘‘ وہ اس کا شانہ تھپتھپا کے بولے۔

’’نیل فر! جلدی میں درشہوار کو دیکھتی ہوں تیار ہوئی یا زبیدہ کا سر کھا رہی ہے۔‘‘ وہ کہتی ہوئی چلی گئی تھیں۔

اور نیل فر کو نا چاہتے ہوئے بھی جانے کی تیاری کرنی پڑی کنول بھی آگئی تھیں وہ لوگ پھر چلے گئے تھے ضیاء نے درشہوار کی ساری شاپنگ اپنی پسند سے کی درشہوار تو شرم سے کچھ بول ہی نہیں رہی تھی نیل فر کی بھی کنول نے اچھی خاصی شاپنگ کروا دی تھی مگر واپسی میں جو انہوں نے بتایا فہد شادی سے انکار کر رہا تھا اور سارا معاملہ بھی بتا دیا، اسے سن کے فکر ہوگئی تھی۔

☆......☆

ثمرہ کا رشتہ طے ہوگیا خالہ کے دیور کے بیٹے سے لڑکے والے رسم کرنے آئے تھے آریکہ سارا دن سے وہیں تھی اور آج دوسرا دن ہوگیا تھا وہ ابھی تک نہیں آئی تھی حسنین کو غصہ آئے جا رہا تھا مسلسل وہ اوپر بھی دیکھ رہا تھا ایک دفعہ تو چکر بھی لگا کے آیا تھا تب وہ یہ ہی کہہ رہی تھی۔

’’ابھی آ رہی ہوں۔‘‘ اور وہ کچھ بولے بغیر پھر آگیا تھا۔

’’حسنین کچھ کھانا ہے تو لاؤں؟‘‘ امی اس سے پوچھنے چلی آئی تھیں جو نہا کے ڈرائنگ روم میں آگیا تھا اور وہاں کا ٹی وی آن کر کے بیٹھا تھا۔

’’ابھی بھوک نہیں ہے اور پھر آریکہ کی امی نے چائے کے ساتھ کافی کچھ کھلا دیا تھا۔‘‘ وہ بتانے لگا۔

’’اچھا، اچھا۔‘‘ وہ بولیں۔

’’آپ کی بہو کا لگتا ہے آنے کا دل نہیں کر رہا ہے۔‘‘

’’ارے بہن کی منگنی ہوئی ہے ابھی مہمان ہوں گے ظاہر ہے آنے کا دل نہیں کر رہا ہوگا۔‘‘ وہ مسکرانے لگیں۔

’’اتنی خوشی ہے انہیں کے وہاں ہی قیام کرلیا ہے۔‘‘ وہ چڑا ہوا تھا اور کھسیانا ہوا تو پہلے ہی تھا۔

’’آجائے گی پھر جانی بھی تو اتنا کم ہے۔‘‘ وہ آریکہ کی حمایت میں بولے جا رہی تھیں حسنین لب بھینچ کے رہ گیا۔

’’زیادہ پابندیاں نہیں لگایا کرو لڑکی شادی ہو کے جب سسرال آتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کی مرضی سب ختم ہو جاتی ہے اپنا میکہ چھوڑ کے آتی ہے سسرال والوں کا فرض ہوتا ہے اس کا خیال رکھیں اور سب سے زیادہ تو شوہر کی ذمے داری ہوتی ہے اس کا پورا پورا خیال رکھے۔‘‘ وہ اسے موقع دیکھ کر اسے سمجھانے لگیں۔

’’میں نے بہت خیال رکھا ہوا ہے پوچھیے گا آپ اپنی بہو سے۔‘‘ اس کی نگاہ ٹی وی کی اسکرین پر تھی جہاں نیوز چینل لگا ہوا تھا۔

’’بیٹا! تم برا نہیں مانو میں تو تمہیں سمجھا رہی ہوں۔‘‘

’’امی! میں آپ کی کسی بھی بات کا کبھی برا نہیں مانتا اور نہ ہی مان سکتا ہوں کیونکہ آپ میری امی ہیں۔‘‘ اس نے مسکرا کے ان کے ہاتھوں کو پکڑ کے چوما۔

’’مجھے ایسا لگ رہا ہے تمہیں آریکہ پر غصہ آ رہا ہے۔‘‘

’’ظاہر ہے امی دو دن سے گئی ہوئی ہے غصہ تو آئے گا۔‘‘ اس نے اظہار کر ہی دیا۔

''بیٹا! آ جائے گی تم غصہ نہیں کرو خیر سے بہن کا رشتہ ہوا ہے خوشی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''
''جی بالکل انہیں کچھ زیادہ ہی خوشی ہے اپنی بہن سے زیادہ۔'' وہ آریکہ پر طنز کرنے لگا۔ امی کو ہنسی آ گئی وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی تھیں۔

''میں حسن کو دیکھوں کچن میں جانے کیا پکا رہا ہے اتنا پھیلاوا کرے گا پھر حرا میں اور اس میں جھگڑا ہوگا۔''
''ہاں دیکھ کے آیا ہوں چکن کی کوئی ڈش بنا رہا ہے۔ کہہ رہا ہے نیٹ پر دیکھی ہے۔'' وہ بتانے لگا۔
''آریکہ کے آنے سے اس کے کچن کے پھیلاوے کم ہوئے ہیں دو دن سے وہ نہیں ہے تو اسے موقع مل گیا۔'' وہ بولتی ہوئی چلی گئیں تھیں۔

حنین بڑے صوفے پر کشنز رکھ کے لیٹ گیا تھا نگاہ اس کی نیوز پر تھی کافی دیر تک وہ وہیں ڈرائنگ روم میں لیٹا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اسے آریکہ کی آواز آئی جو حسن کی بنائی ہوئی ڈش کو سراہ رہی تھی۔
''ہوں تو محترمہ آ گئی ہیں۔'' اس نے ناراضی اور خفگی ہنوز رکھی ہوئی تھی سوچ لیا تھا اٹھ کے تو نہیں جائے گا۔
''بھائی آجائیں میری بنائی ہوئی ڈش ٹیسٹ کریں۔'' حسن اسے بلانے آ گیا تھا۔
''نہیں یار! بھوک نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔
''بھائی ٹیسٹ تو کریں۔'' وہ اسے زبردستی اٹھا کے لے آیا۔
ڈائننگ ٹیبل پر سب کچھ لگا ہوا تھا اور آریکہ شائد کچن میں تھی اس کی متلاشی نگاہیں گھوم رہی تھیں۔
''کچن میں ہیں بھابھی۔'' حرا نے ہنس کے اسے چھیڑا۔ وہ جھینپ گیا۔
''اتنی گند مچائی ہے حسن بھائی نے بھابھی وہی صاف کر رہی ہیں۔''
''اتنے دن بعد تو کوکنگ کا موقع ملا ہے۔'' حسن کھانے میں لگ گیا تھا۔
حنین نے بھی اس کی بنائی ہوئی ڈش چکھی مزے دار چکن کا کوئی سالن تھا جو اس نے کیا بنایا تھا۔
''تم کھانا تو کھا لو آتے ہی لگ گئیں۔'' امی نے کہا جو ٹیبل پر پانی کا جگ اور گلاس رکھ رہی تھیں حنین کی نگاہ اٹھی تو جم گئی شاکنگ پنک اور اورنج کنٹراسٹ کا اسٹائلش ڈریس اور لائٹ میک اپ میں حسین ترین لگ رہی تھی۔
حسن نے کھانسنا شروع کر دیا اس کا سکتہ ٹوٹا اور جواب میں حسن کی گدی پر ایک چپت رسید کی سب ہی ہنسنے لگے۔
آریکہ نے اسے دیکھا جو ناراض لگ رہا تھا۔
''ابھی بھی کہیں جانے کا ارادہ ہے۔'' آریکہ جز بز ہوگئی وہ تیار اسی کے لیے ہو کے آئی تھی۔
''جی نہیں میں اپنے گھر آئی ہوں اسی لیے آپ کو لگ رہا ہے میں کہیں جانے کے لیے اتنی تیاری کر کے آئی ہوں۔'' اس نے تپ کے ہی جواب دیا۔
حسن اور حرا کی ہنسی چھوٹ گئی کیونکہ جواب جو حنین کو ایسا ملا تھا۔
''بھائی آپ تو بھابھی کو شرمندہ کر رہے ہیں اتنی پیاری لگ رہی ہیں۔'' حرا نے جھٹ آریکہ کی حمایت میں کہا وہ ان دونوں کو ہی بغور دیکھنے لگا جب کہ آریکہ کا تو خفگی والا منہ بن گیا۔
''میں سمجھا کہ اپنی بہن کی شادی بھی نمٹا رہی ہیں اس لیے اتنا تیار ہیں۔'' وہ پھر طنز سے باز نہ آیا۔
''شادی میں ابھی سال پڑا ہے زیادہ فضول نہیں بولا کرو تم۔'' امی نے تو حنین کو سرزنش کر دی۔

''بھابھی آج یہ جب سے آفس سے آئے ہیں چڑے ہوئے ہیں بات بات پر الٹا جواب۔''
''تم چپ کر کے اپنا کھانا کھاؤ۔'' اس نے بھی حسن کو جھڑکا۔
آریکہ اسے کن انکھیوں سے بیٹھی ہوئی دیکھنے لگی وہ کھانے کی ٹیبل پر مزید کوئی تلخ اور طنزیہ جملہ تو بولنا نہیں چاہتی تھی حنین کی ناراضی غصہ اس کے لیے تھا جو اسے ہی ختم کرنا تھا کافی عرصے سے دونوں ایک دوسرے کو بس حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے جب کہ حنین نے تو اپنی خواہش تک کا اظہار کر دیا تھا اور وہ اگنور ہی کر رہی تھی وہ آج سوچ کے آئی تھی ناراضی ختم کر دے گی۔
آئی بھی بہت خوشی خوشی تھی کچھ دیر امی کے کمرے میں ان کے پاس بیٹھی رہی اور ثمرہ کے سسرال کے بارے میں ہی باتیں کرتی رہی وہ تو امی کو وقت گزرنے کا احساس ہوا تو وہ آریکہ سے گویا ہوئیں۔
''تم جاؤ وہ حنین پھر غصے کرے گا۔''
''جی جی۔'' وہ بھی شائد باتوں میں مشغول ہو کے بھول گئی تھی فوراً اٹھی۔
''شام میں بھی وہ بہت غصہ کر رہا تھا بیوی گھر میں نہ ہو تو شوہر کو غصہ آنے ہی لگتا ہے۔'' وہ مسکرا کے بولیں۔
آریکہ بھی مسکرا دی تھی۔
''حنین کے ابو بھی ایسے ہی تھے کہتے تھے تمہیں دن میں کہیں جانا ہو چلی جایا کرو مگر میرے گھر آنے سے پہلے میرے سامنے ہوا کرو۔'' انہیں اپنے شوہر کی یاد آ گئی۔
''جی، جی میں آپ کی بات سمجھ گئی ہوں میں تو کل ہی آ جاتی وہ ثمرہ نے زبردستی روک لیا شادی کے بعد سے تو رکنے تک نہیں آئی ہوں۔''
''چھوٹی بہن ہے تم دونوں میں محبت اور پیار بھی بہت ہے۔'' آریکہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ گئی اسے حنین کی فکر ہوئی گیارہ بج رہے تھے کمرے میں آئی تو وہ تو نہیں تھا البتہ حرا سے پوچھا، باتھ روم میں بھی نہیں تھا۔
''لگتا ہے روٹھ کے کہیں بیٹھ گئے ہیں۔'' وہ سوچتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر ڈرائنگ روم کا خیال آیا وہاں کی لائٹ آن تھی ڈرتے جھجکتے ہوئے ادھ کھلے دروازے کو وا کر کے ہوئی اندر جھانکا وہ بڑے صوفے پر کشنز سر کے نیچے رکھے ماتھے پر بازو دھرا تھا شاید سو رہا تھا سبک خرامی سے چلتی ہوئی اندر آئی ڈرائنگ روم میں خاموشی تھی ٹی وی آف تھا وہ بڑے صوفے کے سائیڈ پر رکھے سنگل صوفے پر اس کے سر کے پاس ہی بیٹھی وہ اس کی آہٹ پر بھی نہیں اٹھا تھا آریکہ نے اپنی نرم نرم مومی انگلیاں اس کے گھنے بالوں میں چلانا شروع کر دی تھیں۔ کچھ ہی لمحوں میں حنین کی پٹ سے آنکھیں کھلی اور حیرانگی سے مڑ کے اسے دیکھا وہ نروس ہی ہو گئی۔
''آ گیا خیال۔'' طنز سے باز نہ آیا۔
''خیال تو ہر وقت رہتا ہے۔'' نگاہ نیچی کیے وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔
حنین ہنوز چہرے پر خفگی سجائے لیٹا ہوا تھا آریکہ نے جو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے اس کے سر میں اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا اسے کتنا اچھا لگا تھا۔
''مجھے تو ایسا نہیں لگتا تمہیں خیال رہتا ہو۔''
''آپ بھی میری جانب متوجہ ہو کے دیکھتے ہی نہیں ہیں ہر وقت غصہ اتنی خوب صورت بیوی کے ہوتے ہوئے تو غصہ ختم ہو جانا چاہیے۔''

Ridadigest.com

''کیا؟'' حنین تو چونک کے حیرانگی سے اٹھ کے ہی بیٹھ گیا آریکہ نے کبھی ایسا کہا جو نہیں تھا سماعتیں تو چکرا رہی تھیں۔

وہ بھی سنوری اس کے سامنے تھی اور وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''یہ خوش فہمی تمہیں کب سے ہوگئی کہ تم خوب صورت ہو۔'' وہ تو چڑا ہوا پہلے سے ہی تھا۔

''ظاہر ہے شروع سے مجھے پسند کرتے تھے اور محبت کرتے تھے تو میں خوب صورت ہوگئی آپ کی محبت سے۔'' اعتراف کرنا کتنا روس کر رہا تھا۔

اور حنین تو ہونقوں کی طرح ہوگیا تھا آج اس کا روپ تو نرالہ تھا ایسا کچھ اس نے پہلے کبھی کہا جو نہیں تھا۔

''ایسے کیا گھور رہے ہیں۔''

''وہ اس لیے گھور رہا ہوں تمہیں تو واقعی غلط فہمی ہوگئی ہے کہ تم خوب صورت ہو۔''

''جو شوہر اپنی بیوی کو اہمیت دے چاہت دے پیار دے اور محبت کرے وہ بیوی تو خود ہی خوب صورت ہوجاتی ہے۔ میں اپنے سراپے کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں کوئی اپنے آپ کو خوب صورت نہیں کہہ رہی ہوں بس مجھے یہ احساس ہے جس سے میری شادی ہوئی ہے اس نے میری زندگی کو خوب صورت بنا دیا ہے۔''

''آریکہ یہ تم کہہ رہی ہو۔'' حنین تو اچھل ہی گیا۔ وہ خوشی سے مسکرا رہا تھا۔

''مجھے احساس ہے میں نے آپ کے ساتھ زیادہ ہی برا کیا ہے وہ بھی اس لیے کہ اگر آپ مجھے اپنی چاہت اور محبت کا احساس دے دیتے تو شاید ایسا نہ کرتی۔'' شرمگیں لہجے میں بول رہی تھی۔

''اگر چاہت اور محبت کا احساس پہلے دیتا تم پھر بھی یقین نہیں کرتیں اور تمہیں شادی سے پہلے دیتے تو آیا تھا تم نے کب یقین کیا۔'' حنین شادی سے چند دن پہلے اسے ملنے گیا تھا اس کی غلط فہمی دور کرنے مگر وہ تو اس سے بدظن اور بدگمان تھی۔

''کیسے یقین کرتی مجھے تنگ کرتے تھے چڑاتے تھے میں تو یہ بھی سمجھی آپ کو صرف کام کرنے والی چاہیے۔'' اسے شرمندگی بھی تھی جو ایسا سوچتی تھی۔

''اس نے امی نے تم سے کلئیر کر دیا تھا امی کو تمہاری سادگی نے متاثر کیا تھا اور پھر تم مجھے متاثر کرتی گئیں تھیں۔''

''جی مجھے احساس ہوگیا ہے آپ سب مجھے کتنا پسند کرتے ہیں۔''

''شکر تمہیں احساس ہوگیا ورنہ تو میں سوچ رہا تھا ساری زندگی میں تمہاری پہل کے انتظار میں رہوں گا۔''

اس نے تشکر بھرا سانس لیا وہ جھینپ گئی۔

''ادھر آ کے کیوں لیٹ گئے۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''تمہیں غصہ اور ناراضی بھی تو دکھانی تھی دو دن سے تم میکے میں جمی ہوئی تھیں۔''

''ثمرہ نے روک لیا تھا اس لیے رکی تھی مگر میں مسلسل آپ کو بھی نیچے جھانک کے دیکھ رہی تھی آپ بھنائے ہوئے لگ رہے تھے۔'' وہ بولی۔

''بیوی نظروں کے سامنے نہ ہو بھناؤں گا نہیں۔'' وہ الٹا پھر گھورنے لگا۔

''سوری آئندہ شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔'' وہ ہنسنے لگی۔

''سوری تو میں ایسے قبول نہیں کروں گا تم جانتی ہو۔'' وہ اس کے خوب صورت سے سنورے روپ کو تکے جا رہا تھا اور نچ اور شاکنگ پنک کنٹراسٹ کے ڈریس میں کھل رہی تھی۔

''کیا مطلب ہے ابھی بھی سوری کی ضرورت ہے۔'' اس کی تو حیرانگی سے آنکھیں پھیل گئیں۔

''میری شادی کی پہلی رات تم نے برباد کی میرے سارے ارمانوں پر تم نے بالٹی بھر کے پانی ڈال دیا۔ اس کا ازالہ کیسے ہوگا۔'' آنکھوں میں پیار شرارت اور لہجے کی ترنگ ہونٹوں کی معنی خیز مسکراہٹ آریکہ کو شرم و حیا کے حصار میں لے گئی۔

''میں کک کیا کروں ہوگئی تو ہوگئی۔'' گھبرائی بھی اور پھر صوفے سے کھڑی ہونے لگی۔

حنین نے ہاتھ گھسیٹ کے اپنے پاس ہی بٹھالیا وہ اچانک افتاد پر حواس باختہ ہوگئی اور گرتے گرتے بچی تھی نگاہوں کے تصادم میں بہت کچھ تھا۔

''مجھ سے پیار تو کر سکتی ہو۔''

''اتنی دیر سے پیار کا اظہار ہی کر رہی ہوں۔'' جھینپی ہوئی بیٹھی تھی۔

حنین نے اس کے نرم نرم ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں بڑے پریم سے تھاما ہوا تھا۔

''زبانی کلامی پیار کچھ عملی پیار بھی ہو۔''

''کیا ہوگیا ہے کوئی آجائے گا۔'' اس نے حنین کو دور کیا اور بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئی۔

وہ تو ایسا بے باک ہو رہا تھا آریکہ کے ہاتھوں پیروں میں کپکپاہٹ ہونے لگی۔

''اٹھیے اور عشاء کی نماز پڑھیں۔'' کچھ تو اسے حنین کو قابو کرنے کے لیے بولنا ہی تھا۔

''ساری نمازیں مسجد میں پڑھی ہیں جماعت کے ساتھ۔'' وہ اسے برا مان کے یقین دلانے لگا۔

آریکہ کو اس کا چہرہ دیکھ کے ہنسی آنے لگی۔ وہ لگ ہوگیا صوفے پر لیٹے رہنے سے کمر اکڑ سی گئی تھی۔

''چلو۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا آریکہ نے مسکرا کے اسے تھام لیا۔

''آپ بہت اچھے ہیں۔'' وہ اس کے کان میں سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''تم مجھ سے بھی زیادہ اچھی ہو اس گھر میں آ کے تم نے ہم سب کی زندگی میں رنگ بھر دیے ہیں امی دیکھو کتنی خوش رہنے لگی ہیں ان کی طبیعت بھی ٹھیک رہتی ہے۔''

''ہوں۔'' اس نے تائیدی سر ہلایا۔

''مزید خوش وہ اس وقت ہوں گی جب دادی بنیں گی۔'' آریکہ کے تو غازوں پر شرم ہی دوڑ گئی۔ اور پھر اس نے حنین کے سینے پر سر رکھ دیا حنین نے اسے متاع جاں کی طرح اپنے اندر سمو لیا۔

آریکہ نے اپنے محبوب کا دل جیت لیا تھا وہ اوپر والے کا شکر ادا کرنے لگی جس نے اسے ایسا محبت بھرا گھرانہ دیا تھا جہاں سب اسے دل سے چاہتے تھے۔

☆.....☆

منیب احمد اور بشریٰ نے شادی کی ڈیٹ فکس کر دی تھی۔ دونوں گھروں میں تیاریاں ہو رہی تھیں، اسجد نے اور ثمرہ نے اس کے روم میں فرنیچر تک سیٹ کروا دیا تھا مگر شہزیل کو ماہا کی فکر تھی جو راضی نہیں تھی مگر اس نے سوچ لیا تھا پہلے ماہا کی غلط فہمی دور کرے تاکہ رخصتی تک اس کا موڈ ٹھیک ہوجائے۔

''شہزیل! تم تو تیاری میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔'' نگہت نے اسے پاس بلا کے کہا۔

Urdu Gem
UG
The online library

UrduGem.com
URDU KA KHAZAANA

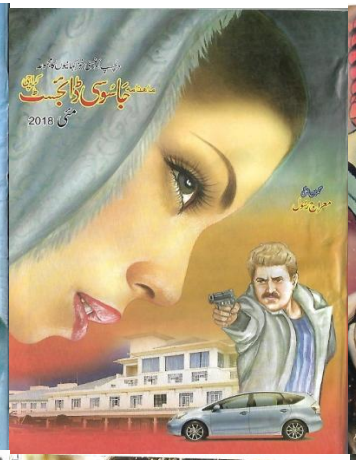

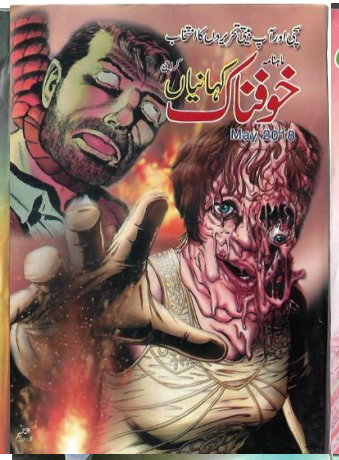

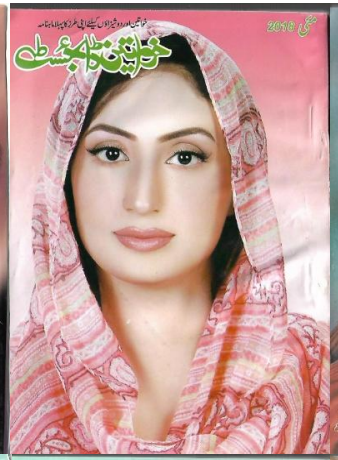

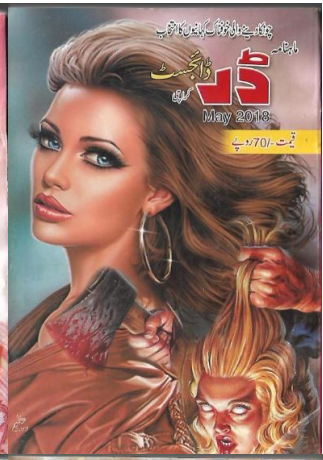

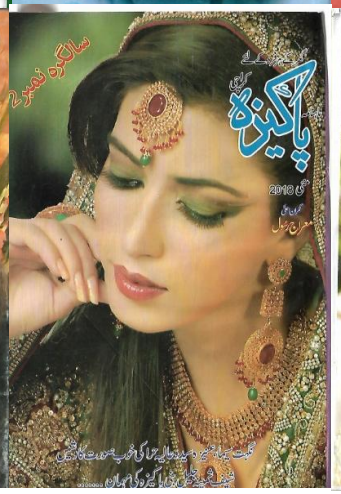

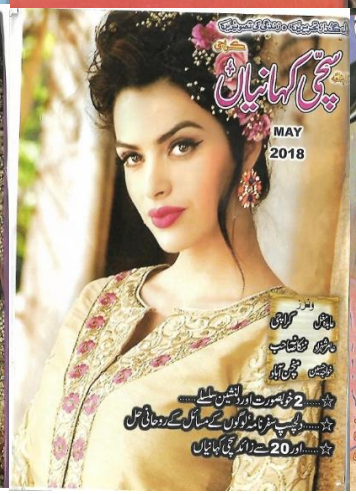

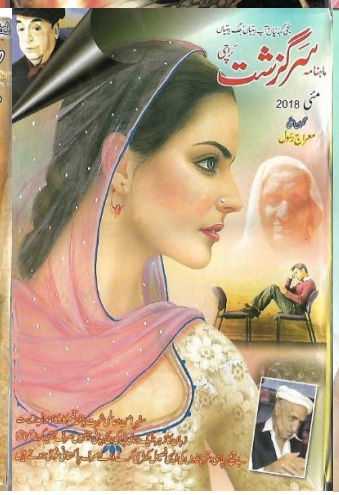

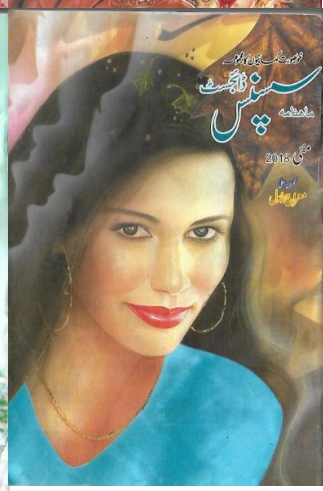

''امی یہ تیاری شاپنگ تو آپ خواتین کا ڈیپارٹمنٹ ہے، آپ لوگ کرتو رہی ہیں مجھے بس پیسوں کا بتاتی رہا کریں کتنے چاہیے۔'' اس نے مسکرا کے کہا۔

''بھائی جان! آپ کے پاس اتنے سارے پیسے جمع کیسے ہوئے۔'' نمرہ کو تو یہی حیرانگی تھی۔

''میں تعلیم ختم کرتے ہی منیب انکل کے ساتھ ان کے بزنس میں لگ گیا تھا، وہ کثیر رقم میری جو تنخواہ تھی وہ دیتے تھے۔ مگر میں نے کبھی ہاتھ میں لی ہی نہیں کیونکہ مجھے ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی پیسوں کی ہر چیز کا میرا خیال رکھا جاتا تھا بشریٰ آنٹی کو میں دیتا تھا وہ پیسے وہ اکاؤنٹ میں جمع کر دیتی تھیں یہی کہتی تھیں ہمیشہ یہ تمہاری امانت ہیں تمہاری فیملی جب بھی ملے گی تمہارے حوالے تمہاری رقم کر دوں گی۔'' اس نے بتایا۔

''بہت بھلے لوگ ہیں منیب بھائی اور بشریٰ بھابی۔'' نگہت گویا ہوئیں۔

''میں نے بھی اپنا بزنس اسٹارٹ کیا ہوا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''مگر منیب انکل کہتے ہیں میرے ساتھ، تمہیں کام کرنا ہے۔''

''آپ ان کے داماد جو ہیں۔'' نمرہ بولی۔

''لو بھئی چائے آگئی۔'' رمضہ سب کے لیے چائے بنا کے لائی تھی وہ سب لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔

''یہ اسجد کہاں ہے۔'' شہریل نے اس کی بابت پوچھا۔

''ٹیوشن پڑھانے گیا ہے۔'' نگہت نے بتایا۔

''میں نے کہا تھا کوئی جاب کوئی ٹیوشن نہیں پڑھانا، صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دے۔'' وہ ناراض ہونے لگا۔

''کہہ رہا تھا ایگزام ہونے والے ہیں درمیان میں چھوڑ نہیں سکتا ساری محنت اس نے کروائی پھر ان بچوں کے والدین بھی کہنے لگے ایگزام کے بعد چھوڑ دے۔'' رمضہ نے بھی کہا۔

''اس کی پڑھائی جو ڈسٹرب ہو رہی ہے۔''

''بھائی جان وہ اپنے ایگزام کے دوران بھی پڑھاتا تھا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' نمرہ نے اسے چائے کا مگ اٹھا کے دیا اور اطمینان بھی دلایا۔

''پہلے کی بات اور تھی اس سے کہو اپنی پڑھائی پر توجہ دے صرف۔''

''آپ ناراض نہ ہوں کہہ دیں گے۔'' رمضہ نے فخریہ انداز میں شہریل کی طرف دیکھا جس کے آتے ہی ساری فکریں پریشانیاں جیسے ختم ہو گئی تھیں۔

''ارے یہ کیسا شور ہے۔'' نوید احمد بھی اپنی اسٹک کے سہارے وہیں آگئے۔

''ابو میں شور کر رہا تھا اسجد کے ٹیوشن پڑھانے پر۔'' شہریل نے انہیں پکڑ کے سنگل صوفے پر بٹھایا۔

''اچھا۔''

''ابو چائے لیں گے۔'' رمضہ نے پوچھا جو عموماً منع ہی کر دیتے تھے دوائیاں کھا کھا کے چائے پینے کا دل نہیں چاہتا تھا۔

''نہیں بیٹا چائے کا دل نہیں کرتا۔'' وہ بولے۔

''اچھا میں چلوں گا فیکٹری بھی جانا ہے اور منیب انکل کے آفس بھی بہت دن سے چکر نہیں لگایا۔'' وہ چائے ختم کر کے کھڑا ہو گیا۔

''بیٹا وہ تم ولیمہ گھر پر کرو گے۔'' نگہت نے پوچھا۔

''ارے امی آپ پریشان نہ ہوں میں نے بینکوئٹ کی بکنگ کروالی ہے۔'' اس نے مسکرا کے بتایا۔

''بھائی جان! کون سا کروایا ہے۔'' نمرہ تو خوش ہو گئی۔

''لے چلوں گا دیکھانے۔'' وہ نمرہ کے سر پر چپت لگاتے بولا۔

''کتنا مزا آئے گا، یاد ہے آپی صنوبر آپی کی شادی کتنے زبردست سے ہوٹل میں ہوئی تھی۔''

''وہ بھی میں نے بک کروایا تھا۔'' شہریل بولا۔

''ہوں، وہ نہیں ہو سکتا بک؟'' نمرہ نے منمناتے پوچھا۔

''وہ منیب انکل نے پہلے ہی بک کروالیا ہے۔'' وہ ہنسا تھا۔

''یہ لڑکی تو بالکل ہی باؤلی ہو گئی ہے اپنی اوقات میں رہو پہلے کن حالوں میں تھی۔''

''امی آپ بھی حد کرتی ہیں اوقات ہے اس کے بھائی کی جب ہی وہ خواہش کا اظہار کر رہی ہے، نمرہ تم فکر نہ کرو رمضہ کی شادی کے لیے وہی ہوٹل بک کریں گے۔'' اس نے اطمینان دلایا۔

رمضہ تو جھینپ ہی گئی۔

''واہ واہ آپی آپ کی قسمت۔'' وہ رشک کرنے لگی۔

نوید احمد مسکرا رہے تھے، ان کے بچوں نے جتنی پریشانیاں سمیٹی تھیں وہ جانتے تھے اب تو آسودگی کے دن شروع ہوئے تھے۔

شہریل ان سب سے اجازت لے کے نکل گیا تھا۔

ماہا کو شہریل کی کال آئی تھی، وہ اس لڑکی سے ملوانے لے جانا چاہتا تھا وہ رضامند ہو گئی تھی مگر دل میں ٹوٹ پھوٹ مچی ہوئی تھی۔ اس لڑکی سے ملنے کے بعد شہریل پاپا سے بات کرے گا اور یہ رشتہ وہ توڑ دے گا۔

''نہیں، نہیں مجھے رشتہ نہیں توڑنا۔'' وہ گھبرا کے کھڑی ہوئی۔ اندر سے کوئی رو رہا تھا۔

کتنا مشکل ہو رہا تھا اپنی محبت کو کسی کے حوالے کرنا مگر یہ تو اس نے خود سے وعدہ کیا ہے شہریل کو اس کی محبت دلا کے رہے گی۔

''ہاں شہریل! میں تمہیں تمہاری محبت کے حوالے کر دوں گی سارا الزام خود پر لوں گی تم پر کوئی الزام نہیں آنے دوں گی تم نے ٹھیک ہی کہا ہے کچھ قربانیاں دوسروں کی خوشی کے لیے بھی دی جاتی ہیں ہاں میں تمہیں تمہاری خوشی دوں گی۔'' اس نے خود سے عہد کیا۔

تیار ہو گئی تھی۔ پرنٹڈ سی گرین شرٹ جس کے گلے اور آستینوں پر ایمبرائیڈری تھی، بلیک ٹراؤزر اور میچنگ دوپٹہ اپنے آپ کو اس نے فریش ہی ظاہر کرنا تھا اور اس لیے وہ ڈریس اپ ہو کے جا رہی تھی۔

ٹائم دیکھا چھ تو بج ہی گئے۔ وہ آنے والا تھا شہریل نے کہا تھا وہ گھر والوں سے بات خود ہی کر لے گا۔

''ماہا آپی آپی۔'' ثناء کی زوردار دستک تھی اس کا تصوراتی عمل رک گیا۔

''کیا وحشت ہے۔'' اس نے دروازہ کھولا۔

''شہریل بھائی آئے ہیں چچی جان آپ کو بلا رہی ہیں۔''

''اچھا آتی ہوں۔'' دل کی دھک دھک بڑھ گئی تھی۔

Riadigest.com

''آپ تو پہلے سے تیار ہیں کہیں ان کے ساتھ کمٹمنٹ ہے۔'' وہ چھیڑنے لگی۔

''ہے تو پھر۔'' اس نے ڈانٹ دیا۔

''اچھا اچھا آجائیے۔'' وہ اس کے چڑنے کھسیانے پر ہنسنے ہی لگی۔

ماہا جلدی سے نیچے آگئی شہریل نے اسے اتنے نک سک سے تیار دیکھا تو حیران ہی رہ گیا لیکن چہرے اور آنکھوں میں اداسی تھی۔

''تمہاری کال آئی تھی میں نے اسے تیار ہونے کا کہہ دیا تھا۔'' بشریٰ بتانے لگیں۔

''امی اور رمضہ کہہ رہی تھیں شاپنگ کے لیے۔'' اس نے دوبارہ کہا۔

''ہاں مجھے پتا ہے۔'' وہ مسکرائیں اس کی وضاحت پر شہریل فوراً ہی کھڑا ہوگیا اور ماہا بھی اس کی تقلید میں چل پڑی تھی، بشریٰ نے تشکر بھرا سانس لیا تھا ماہا نے کوئی بحث نہیں کی تھی جانے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

شہریل نے فرنٹ ڈور کھولا وہ خاموشی سے بیٹھ گئی اور وہ بلیک پینٹ پر لائٹ گرے شرٹ میں آستینوں کو فولڈ کیے اپنی تمام تر وجاہت لیے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ماہا نے ہونٹوں پر چپ کی مہر ثبت کی ہوئی تھی نگاہ تو باہر کے مناظر پر تھی مگر ذہن تو الجھا ہوا اور پریشان تھا ماتھے پر سوچوں کے جالی بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ شہریل کے عنابی ہونٹ گھنی مونچھوں تلے مسکرا رہے تھے وہ ماہا کی سوچوں کو جانتا اور سمجھتا تھا۔

''ویسے آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔'' اس نے پہلی بات اس سے یہی کی۔

ماہا جھینپ گئی اور لب بھینچ لیے۔

''آں ہاں اپنے ہونٹ کیوں بھینچ رہی ہیں پنک لپ اسٹک اچھی لگ رہی ہے خراب ہوجائے گی۔''

''تم جہاں مجھے لے جانا چاہتے ہو وہاں کی بات کرو فضول گفتگو کس لیے۔'' وہ جیسے چڑ گئی۔

''وہاں کی بات بھی کریں گے لیکن شرعاً اور قانوناً تو آپ میری بیوی ہیں میں آپ کی تعریف میں کچھ کہنے کا حق تو رکھتا ہوں۔'' وہ پھر معنی خیزی سے بولا۔

''جس سے پیار و محبت کی اور عشق کی پینگیں لڑائیں ہیں اس کی تعریفوں کے لیے الفاظ رکھ لو تو بہتر ہے۔'' ایک سلگتا ہوا طنز کیا۔

شہریل کا جاندار قہقہہ اسے تو اور ہی آگ لگا گیا۔

''یہ جتاتی قہقہہ کس لیے۔'' دل تو یہ کر رہا تھا شہریل کا منہ نوچ لے جو اس کی کیفیت سے مزے لے رہا تھا۔

''آپ اتنا غصہ کیوں ہو رہی ہیں۔'' وہ گاڑی سامنے دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔

اور ماہا انجانے راستوں کو دیکھے جا رہی تھی کافی دیر سے وہ دونوں گاڑی میں تھے۔

''مجھ سے یہ پوچھ رہے ہو غصہ کیوں ہو رہی ہوں اتنی دیر ہوگئی ہے کب اس لڑکی سے ملواؤ گے۔''

''اوہ اچھا اس لیے غصہ ہے ویسے اگر آپ مجھ سے پیچ اپ کر لیں تو اچھا ہے۔''

''واٹ تم سے پیچ اپ کس لیے جب کہ تم اپنی محبوبہ سے ملوانے جا رہے ہو۔'' وہ دانت پیسنے لگی۔ دل شدت سے بھر آیا تھا اور پھر ضبط کا یارا نہ رہا۔ ماہا نے تو رونا شروع کر دیا۔

شہریل نے گھبرا کے پریشان ہو کے گاڑی ایک سائیڈ پر روکی۔

''ماہا، ماہا کیا ہوگیا ہے آپ کو۔'' اس نے پہلی بار ماہا کے شانوں پر ہاتھ رکھا جو سوں سوں کرتے رو رہی تھی۔

''تم بے حس انسان ہو کبھی میری آنکھوں میں تمہیں نہ محبت نظر آئی اور نہ ہی پیار ہر وقت مجھے جھڑکا اور یہی کہا مجھ میں بچپنا ہے پتا نہیں کیوں تم ایسا کیوں سمجھتے ہو مگر میں تمہاری طرح نہیں ہوں، تمہیں تمہاری محبت دلوا کر رہوں گی جو بھی لڑکی ہے میں اس سے تمہارے لیے بات کروں گی غلط فہمی میں دور کروں گی۔'' وہ اسے روتی ہوئی اور بولتے ہوئے دیکھے جا رہا تھا اس وقت بھی ماہا معصوم سی چھوٹی سی بچی ہی لگ رہی تھی مگر شہریل کے ایوانوں میں تو وہ پہلے سے تھی وہ اپنی نگاہ چرائے ہوئے تھا اور دل کی نفی کرتا رہتا تھا، آج وہ اس کی بنا دی گئی تھی کیسے استحقاق سے وہ اسے تکے جا رہا تھا جائز اختیارات رکھ کے وہ اس کے قریب تھا پر ماہا کو شاید احساس نہیں تھا۔

''میں نے تمہیں چاہا یہ میرا جرم ہے اور تم نے مجھے اگنور کیا یہ تمہاری بدنصیبی ہے۔'' وہ اسے پیچھے دھکیل کے بولی۔

''زیادہ اپنے رشتے کا بھرم نہیں دکھاؤ جو میرے قریب آگئے جس رشتے کو تم مانتے نہیں تو کیوں ڈرامے کر رہے ہو۔''

''واقعی آپ میں بچپنا تو ابھی گیا ہی نہیں پتا نہیں بعد میں میرا کیا ہوگا دو تین بچے اگر ہو گئے تو آپ تو خود بچی بنی رہیں گی ان کے ساتھ۔''

''شٹ اپ فضول نہیں ہانکو۔'' وہ تپ ہی گئی۔

''تم سے رشتہ کر کون رہا ہے۔''

''رشتہ تو ہمارا بن گیا ماہا شہریل اس سے نہ آپ انکاری ہیں اور نہ میں انکاری ہوں۔'' اس کا لہجہ شرارتی ہو گیا۔

''دیکھو تم جس مقصد کے لیے مجھے گھر سے لے کے نکلے ہو وہ کام کرو مجھ سے دل لگی کرنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے جھٹ شہریل کو جھاڑ دیا۔

''او کے چلتے ہیں۔'' اس نے گاڑی پھر ڈرائیو کی۔ اور واپس انہی راستوں پر آگیا جہاں سے گزر کے وہ آئے تھے۔

''تم تو واپس گھر کی طرف جا رہے ہو، کیوں؟'' اس نے استفہامیہ انداز میں حیرانگی سے پوچھا۔

''واپس اس لیے جا رہا ہوں میرے راستے تو کہیں اور ہیں۔'' وہ معنی خیزی سے بولا۔

''تمہارے بے سروپا جملوں کا میں تو مطلب نہیں سمجھتی کیا ہے سیدھے اور آسان الفاظ میں بولو کیا کہنا چاہتے ہو۔'' اس نے اپنی آنکھیں غصے سے اس کی جانب کی تھیں۔

''سیدھے اور آسان الفاظ یہ ہیں کہ میں نے اس لڑکی کو اس ریسٹورنٹ میں بلوایا ہے میں آپ سے باتوں میں آگے نکل گیا تھا۔'' گاڑی اس نے ایک مشہور ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں پارک کی۔

ماہا نے بغیر چوں چرا کے اس کی سنی اور پھر دونوں اتر گئے۔

''آیئے۔'' اس نے اندر کی سمت قدم بڑھائے وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

شہریل نے ریسپشن پر کچھ بات کی اور پھر لفٹ کے ذریعے وہ سیکنڈ فلور پر آگئے وہ کوریڈور سے گزر رہے تھے پھر روم کے دروازے کے لاک میں اس نے چابی لگائی اور دروازہ کھل گیا۔

''آیئے یہاں میری زندگی اور میری پسند موجود ہے۔'' دروازہ بند ہوا تو ماہا نے روم کے خوابناک ماحول کو

Riadigest.com

حیرانگی سے دیکھا۔ روم میں دوسرا نفوس تو نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

شہزیل نے ساری لائٹس آن کر دی تھیں وسیع و عریض فرنشڈ روم تھا۔

شہزیل نے مسکرا کے پیار بھری نگاہوں میں اسے سمویا جو خواب کی سی کیفیت میں تھی۔

''ادھر آیئے ملواتا ہوں اپنی پسند اور متاع جاں سے جس سے میں شروع سے محبت کرتا تھا مگر کچھ حالات اور تقاضے ایسے تھے اظہار کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ آج موقع ملا ہے اور آپ کے سامنے اقرار کروں گا بلکہ یقین بھی دوں گا میں تم سے غافل نہیں تھا۔''

ماہا کا دل تو کٹ کے رہ گیا۔ شہزیل نے اسے قد آدم آئینے کے سامنے کر دیا۔

''یہ ہے وہ لڑکی جس سے میں پیار کرتا ہوں۔'' اس نے شہادت کی انگلی مرر کی جانب کی۔

ماہا نے اپنا عکس دیکھا اور پھر وہ شہزیل کو وارفتگی سے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

''شہزیل کیوں کر رہے ہو مذاق میرے ساتھ ایسا اذیت ناک۔'' وہ تو شدت غم سے رونے لگی۔

''ماہا! یہ سچ ہے وہ سب صرف مذاق تھا کیونکہ آپ مجھ سے اتنی بدگمان ہو گئی تھیں مجھے اس وقت آپ کو سنبھالنے کے لیے یہ سب کرنا پڑا۔'' اس نے ماہا کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔

''یہ سچ ہے ماہا! جس لڑکی کو میں نے دل میں چھپا کے رکھا تھا وہ آپ ہیں میری زندگی میں کبھی کوئی لڑکی آئی ہی نہیں اور نہ کبھی آئے گی کیونکہ اس لڑکی نے تو مجھے پہلے ہی کہیں کا نہ رکھا ہے۔'' اس نے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

ماہا پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ایسے انکشاف اور اعتراف وہ بھی شہزیل کے منہ سے، یقین نہیں آ رہا تھا۔

''سچ کہہ رہا ہوں آپ ہیں وہ۔''

''جھوٹ۔'' وہ رونے لگی۔

''سچ بالکل سچ آپ کے ہنگامے وہ بھی میرے لیے بھی کبھی ماما میں گھبرا جاتا تھا، کہیں میری وجہ سے آپ کے لیے مشکل نہ ہو جائے مگر یہ میری سوچ تھی منیب انکل نے میرا انتخاب کیا صرف اس لیے ماہا کے میں ہی آپ کو سمیٹ سکتا ہوں کسی اور سے تو آپ کبھی بھی شادی نہیں کریں گی صرف انکل تھے شاید انہوں نے بھی میرے دل تک رسائی کر لی تھی جو آپ کو اور مجھے اس رشتے میں باندھ دیا، میں آپ کے جذبوں کی نفی تو کرتا تھا مگر دل میرا آپ کو ہی پکار رہا تھا۔'' وہ بول رہا تھا اور ماہا کے آنسو وہ بھی خوشی سے نکلے جا رہے تھے۔

''آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا اس کا تو میں احسان مند رہوں گا ساری زندگی آپ نے کتنی کوششوں سے میرے گھر والوں کو مجھ سے ملا دیا ورنہ شاید میں کبھی نہیں ملتا۔''

''تم کیا سمجھتے تھے میں صرف جذباتی ہوں تمہیں نہیں جانتی نہیں سمجھتی۔'' وہ بولی۔

''آپ جانتی اور سمجھتی ہی تو تھیں اسی لیے تو میرے گھر والوں کو ڈھونڈ لیا کیونکہ آپ نے پہلے مجھے جو ڈھونڈ لیا تھا۔'' اس نے ماہا کے رخساروں سے آنسو صاف کیے۔

''تم نے مجھے اتنا تنگ کیا ہے کہ میں تم سے بدظن ہو گئی تھی۔ ہر وقت مجھے بچپنے کا طعنہ دیتے تھے جو ان کے مجھے اور غصہ آتا تھا۔''

''آپ نے میرے لیے ہاتھوں کی نسیں کاٹیں ہاسپٹل پہنچ گئیں یہ سب اس وقت تو مجھے برا لگا تھا مگر جب احساس ہوا کہ میں آپ کے ساتھ زیادہ ہی روڈ ہو جاتا ہوں یہ آپ کے ساتھ ظلم کرتا تھا۔''

''شکر ہے تمہیں احساس تو ہوا۔'' وہ چلتی ہوئی صوفے تک آئی اور بیٹھ گئی۔

''یہ سب کیا تھا نکاح اچانک سے۔''

''انکل نے کہا کہ نکاح کر لو کیونکہ ماہا کہیں الٹا سیدھا کچھ نہ کر لے اور تم سے بہت ناراض ہے۔ بس پھر آپ سے سب چھپا کے اچانک سے نکاح کا بول دیا تاکہ انکار کی گنجائش ہی نہ رہے۔'' وہ مسکراتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''سیدھے طریقے سے اعتراف نہیں کر سکتے تھے دوسری لڑکی کا شوشا چھوڑ کے میرے دل کے تو تم نے ٹکڑے ہی کر دیئے تھے کیسے مشکل سے خود کو سنبھالا تھا۔''

''اندازہ کر لیا تھا کیسے سنبھالا تھا میری محبت کے حوالے کرنے چلی تھیں۔'' اس نے ہنس کے کہا۔

ماہا کو بھی ہنسی آ گئی۔

''ادھر کیوں لائے تھے۔'' اس نے روم کی طرف اشارہ کیا۔

''ظاہر ہے گھر میں تو اتنی تفصیلی آپ سے بات ہو نہیں سکتی تھی، اس لیے ہوٹل میں روم چند گھنٹوں کے لیے بک کروالیا۔'' اس نے ماہا کے سراپے کو دیکھا جو رونے سے ڈھل ہی گیا تھا۔

''اچھا یہ بتایئے رخصتی کی تاریخ تو رکھی جا چکی ہے۔''

''واٹ! مجھے تو امی نے نہیں بتایا۔'' وہ حیرانگی سے بولی۔

''اس لیے نہیں بتایا ہوگا آپ کہیں دوسرا ڈرامہ شروع نہ کر دیں اور میں نے یہی سب سوچ کے ہی ڈراپ سین کرنا ضروری سمجھا۔''

ماہا نے لبوں کو بھینچا تھا نگاہ میں حجاب آ گیا تھا۔ جانے کیوں شہزیل سے ایک دم ہی جھجک سی آ گئی تھی جو اتنے پراعتماد اور نڈر لب و لہجے میں تم تم کر کے بولتی تھی وہ چپ چپ ہو گئی۔

''اس کا مطلب ہے تم ڈر گئے تھے۔''

''ڈرا میں اس لیے کہ اب میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا تھا اور اپنے آپ دور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اب تو موقع آ گیا تھا آپ سے کھل کے اظہار محبت کرنے کا ورنہ آپ کو ساری زندگی مجھ سے شکایت رہتی اور فاصلوں پر رہتیں۔'' اس نے ماہا کی گھنیری پلکوں کا اٹھتے، گرتے، رقص دیکھا جو اس کی آنکھوں تک میں دیکھنے سے گریز کر رہی تھی وہ مسکرانے لگا۔

''تم نے کبھی میرے جذبوں کی تسکین کی ہی نہیں۔'' پھر لبوں پر شکایت در آئی اور اٹھ کے ریک میں رکھے ڈیکوریشن پیس کو دیکھنے لگی۔

شہزیل نے اسے بازوؤں سے تھاما اور اپنے سامنے کیا وہ تو سہم سی گئی آنکھوں میں وحشت در آئی۔

''کہیں تو آج کا پورا دن آپ کے جذبوں کو تسکین دے دوں۔'' لہجہ معنی خیز شرارتی اور بے باک ہی ہو گیا۔

''کیا مطلب ہے؟'' گھبرا کے وہ اس سے دور ہونے لگی۔ مگر شہزیل کی گرفت مضبوط تھی وہ اس کے پورے حصار میں ہی آ گئی، نکاح کے چند بول سے ہی شہزیل میں جھجک ختم ہو گئی، ماہا کے کانوں کی لوؤں کو لبوں سے چھوا۔

وہ تو چھوئی موئی سی کرنٹ کھا کے بدک کے اسے پیچھے دھکیل کے حصار سے نکلی۔

Ridadigest.com

''کک کیا بدتمیزی ہے۔'' آواز بھی رک رک کے گھبرا کے نکلی۔ شہزیل کا فلک شگاف قہقہہ اسے پزل ہی کر گیا۔

''یہ کوئی بدتمیزی نہیں ہے میں نے ہر وقت آپ کے غصے کو دیکھتے صرف یہی سوچا ماہا وقت آنے پر آپ کو جائز اختیارات رکھ کے چھوؤں گا۔ آپ کی شکایت دور کردوں گا، وہ وقت آ گیا ہے اپنا جائز استحقاق استعمال کر رہا ہوں۔''

''تم تو بہت ہی بے باک اور بے شرم ہو، فوراً مجھے تنہا دیکھ کے اپنی اصلیت پر آ گئے۔''

''غلط بات نہیں کریں یاد کریں کئی بار ہم دونوں تنہا ملے ہیں میرے روم میں آپ کے روم میں کبھی میں نے آپ کو نظر بھر کے دیکھا تک نہیں۔ چھونا تو دور کی بات۔''

ماہا خفیف ہوگئی وہ کہہ تو ٹھیک ہی رہا تھا وہ ہی کئی بار اسے آزمانے کو اس کے سامنے تک آ گئی مگر اس نے کبھی بھی غلط نگاہوں تک سے نہیں دیکھا۔

''مجھے گھر چھوڑ دو۔''

''کیوں اتنی جلدی آج تو موقع ہے آپ کی بھی خواہش تھی اتنی جلدی گھبرا گئیں۔'' وہ اس کی کیفیت سے مزے لینے لگا۔

''تم کیا چاہتے ہو آج سارا وقت یہیں گزار دوں۔'' وہ لاجواب تو ہوگئی تھی۔

''کوئی ہرج بھی نہیں ہے نکاح تو ہو گیا ہے اگر کچھ الٹا سیدھا ہو بھی جائے تو گناہ تھوڑی ملے گا۔'' وہ نگاہوں میں معنی خیزی شوخی لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''مجھ سے فضول نہیں بولو۔'' وہ واقعی اس کی شوخی سے ڈر گئی وہ نڈر تھی پر اعتماد تھی مگر بے شرم تو قطعی نہیں تھی۔ سماج کے تقاضوں اور خاندان کا بھی خیال تھا جنہوں نے یہ رشتہ بہت خوشی سے جوڑا تھا۔

''فضول کہاں ہے آپ کی خواہشیں پوری کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ اسے ڈرا رہا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ روکی ہوئی تھی۔ ماہا نے اس کے ہاتھوں کو پیچھے کیا۔

''پلیز شہزیل! نہیں کریں ایسا میں مرجاؤں گی بولڈ ضرور ہوں مگر ایسی نہیں ہوں۔'' وہ روہانسی ہوگئی

''ارے بھئی آپ نے تو آج بڑی عزت و احترام سے پکارا۔'' وہ تو جھوم سا گیا۔

وہ جھینپ گئی جانے شہزیل کو ایسے مخاطب کیسے کرگئی شاید رشتے کی وجہ سے۔

''ارے میں مذاق کر رہا تھا آپ تو رونے لگیں اتنا تو حق رکھتا ہوں اپنی بیوی کو تنگ کرنے کا آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی اجازت اور رضامندی کے بغیر تو میں ایسا کبھی کروں گا بھی نہیں۔'' وہ اس کے رونے پر جھٹ بولا۔

''اچھا سب کچھ چھوڑیں ایک بات کہوں۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہی ہوگیا۔

ماہا نے چونک کے سر اٹھایا۔

''آپ یہ لیکچرار شپ جو کر رہی ہیں اسے سب سے پہلے چھوڑیں۔''

''چھوڑ دوں گی۔'' اس نے مسکرا کے کہا۔

''میں بھی ایک بات بولوں۔'' وہ بھی قدرے توقف سے گویا ہوئی۔

''جی کہیے۔'' وہ سینے پر بازو لپیٹے اسے دلچسپ نگاہوں سے تکے جا رہا تھا۔

''مجھے آپ، آپ کرنا بند کرو کیونکہ یہ شعبہ میرا ہے میں تمہیں تم سے نہیں آپ سے مخاطب کروں گی۔''

''رئیلی۔'' اس نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔ وہ جھینپ گئی اور اثبات میں سر ہلایا۔

''ویسے گریڈ بڑھانے کا شکریہ۔'' وہ سرگوشی میں بولا۔

''ماہا شہزیل صاحبہ میری امی اور بہنوں کو ایسا لگتا ہے آپ اس رشتے سے خوش نہیں ہیں کیونکہ جب بھی میری فیملی آئی آپ نے ان سے رخ دے کے بات ہی نہیں کی۔'' یکدم پھر اسے یاد آیا۔

''تمہاری وجہ نہیں آپ کی وجہ سے ایسا کرتی ہوں۔'' جھٹ تمہاری سے آپ پر آئی تو شہزیل کے دل کو ہی چھوگئی وہ ہنسنے لگا اور وہ حیا میں مبتلا ہوگئی۔

''آئندہ انہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''گڈ۔'' اس نے ماہا کے ہاتھوں کو تھاما۔

''پلیز گھر چلیں بہت دیر ہوگئی ہے۔'' اسے وقت گزرنے کا احساس ہو رہا تھا۔ روم کے پرفسوں اور خوابناک ماحول نے سحر ساطاری کر دیا تھا جذبوں کی لگام ڈھیلی نہ ہو جائے، وہ بول رہی تھی۔

''ویسے ہمارے ملن میں صرف ایک ماہ ہے کیسے گزرے گا یہ وقت ایسا نہ کریں کل ہی کی رخصتی کی ڈیٹ فکس کروالوں کیونکہ تم تو ہنگامے کرنے میں ماہر ہو، میرا بھلا ہی ہو جائے گا۔'' وہ اسے چھیڑنے ہی لگا۔

''ہاں دادی جان کو تا کہ شک ہو جائے کچھ الٹا سیدھا کر آئی ہوگی۔''

''اچھا صرف دادی جان کا ڈر ہے ورنہ ایسی کوئی کہانی نہیں ہے۔'' جانے کیوں وہ لمحوں کو طویل سے طویل کر رہا تھا۔ اس لیے وہ ماہا کو خود سے دور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''جی نہیں اعتماد بھی کوئی چیز ہے امی نے مجھے آپ کے ساتھ بھیجا ہے کچھ سوچ کے۔''

''ارے ہاں یاد آیا تم کچھ شاپنگ کرلو تا کہ آنٹی کو اور سب گھر والوں کو یقین ہو جائے میں شاپنگ پر لے کے گیا تھا۔'' ماہا کو ہنسی آ گئی۔

شہزیل نے اسے چلنے کا اشارہ کیا اس نے چند گھنٹوں کے لیے روم بک کروایا تھا اور ماہا کو یہ خوشی تھی شہزیل کو اس کی پرواہ تھی ورنہ تو وہ اسی دکھ میں مرجاتی وہ کسی دوسری لڑکی کو پسند کرتا ہے مگر وہ تو اسے چاہتا تھا وہ نازاں اس کی ہمراہی میں اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

''تھینک یو شہزیل تم نے میرا ہمیشہ خیال رکھا۔''

''اوں ہوں تم نہیں آپ نے۔'' وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھی مسکرا کے تصحیح کر رہا تھا۔

واپسی میں اس نے ماہا کو ڈھیروں شاپنگ کروادی تھی اور وہ نہ نہ ہی کرتی رہی تھی زندگی اس کی اتنی سہل اور حسین ہوگئی تھی دلوں کی بدگمانی دور ہوگئی تھی۔

☆......☆

زہرہ اور رحمٰن علی نے اسے اپنے گلے لگالیا تھا جو رو دیا تھا مگر فہر کو ضد ہی لگ گئی تھی۔ وہ نیل فر سے شادی نہیں کرے گا۔ زہرہ کو اندازہ تھا وہ بہت افسردہ اور ٹوٹا ہوا ہو گیا تھا زہرہ اور رحمٰن علی اسے سمجھا سمجھا کے تھک گئے تھے مگر اس کی تان، ہاں میں نہیں بدل رہی تھی اور یہ پریشان کن فکر انگیز فہر کی حالت تھی رحمٰن علی نے ہی کہا کنول کو وہ فہر کو آ کے سمجھائے۔

فہر اپنی جاب سے آ کے سیدھا اپنے روم میں ہی مقید ہو گیا تھا، کنول نے اس کی سنجیدہ صورت دیکھ لی تھی۔

''کنول! آج شعیب کو بھی کال کر کے کہہ دو رات میں کھانا یہیں کھائیں وہ تو اتنے مصروف ہوگئے ہیں ہم

ان کی صورت تک سے محروم رہ جاتے ہیں۔'' زہرہ نے کہا۔

''امی وہ آفس سے آ کے اتنے تھک جاتے ہیں کہ آتے ہی نہا کے کھانا کھا کے سو جاتے ہیں، بچے بھی کہتے ہیں پاپا سے تو ہم کوئی بات کر ہی نہیں سکتے۔'' کنول نے کہا۔

''اچھا تم پھر بھی کال کرو، میں نے بریانی اور کوفتے بنائے ہیں۔'' انہوں نے ساتھ ہی مینو بھی بتایا۔ کنول، شعیب کو کال کرنے لگی تھیں۔

زہرہ کچن میں صابرہ سے بریانی کے لوازمات کی کٹنگ کروا رہی تھیں کوفتے تو وہ بنا کے فریز کر لیتی تھیں صرف اس کا سالن بنانا ہوتا تھا۔

''میں نے کہہ دیا ہے کہہ رہے تھے کوشش پوری کروں گا۔'' کنول نے انہیں کچن میں ہی آ کے بتایا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ صابرہ کو ہدایت دے رہی تھیں۔

''امی بریانی میں بنا لوں گی۔''

''ارے نہیں بیٹا میں بنا لوں گی گھڑی دو گھڑی کو آتی ہو تمہارے دونوں بھائی کچن میں لگا دیتے ہیں۔'' انہوں نے منع کیا۔

''لیکن امی مجھے تو آپی کے ہاتھ کی بریانی کھانی ہے۔ بہت دن سے کھائی نہیں ہے۔'' مہاد کو پتا چلا کہ کنول آئی ہیں وہ کچن میں ہی آ گیا۔

''وہ اتنی سی دیر کے لیے آتی ہے تم اسے کاموں میں لگا دیتے ہو میں بریانی بنا رہی ہوں۔'' انہوں نے مہاد کو سرزنش کی۔

''ارے آپ ہٹیے میں بناؤں گی صابرہ تم سارے لوازمات ایک طرف کرو۔'' کنول پھر خود ہی لگ گئیں زہرہ نے بہت منع بھی کیا۔

جب وہ بریانی بنا کے فارغ ہو گئی تھیں انہیں فہر سے بھی بات کرنی تھی وہ گوشہ نشین ہوئے بیٹھا تھا۔

''امی! شعیب دس بجے تک آئیں گے۔'' انہوں نے کال کی تھی شعیب کو۔

''آپی آپ کے سپوت دونوں کہاں ہیں۔''

''فہر کے روم میں ہیں۔'' انہوں نے بتایا۔

''کنول! فہر کو بلاؤ اور شعیب کے آنے سے پہلے بات کر لو اچھا نہیں لگتا داماد کے سامنے ایسے مسئلے ڈسکس کیے جائیں۔'' زہرہ کو یہ بھی فکر تھی۔

''شعیب بھی سب جانتے ہیں اس گھر کے فرد ہی ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

''بیٹا! مجھے تو سب کی فکر رہتی ہے تم اپنے گھر میں اللہ کا شکر ہے سکھ سے ہو۔ داماد بھی بیٹوں کی طرح ہی ملا ہے تمہاری ساس بہت اچھی خاتون تھیں انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تربیت بہت اچھی کی ہے اللہ ان کی مغفرت کرے۔'' انہوں نے کنول کی ساس کی تعریف کی جو عفان کی پیدائش سے چند ماہ قبل وفات پا گئی تھیں۔

''اچھا آپ اتنی اداس نہ ہوں۔'' کنول نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹا! تم فہر کو دیکھو کتنے دن ہو گئے ہیں وہ اپنی ضد سے نہیں ہٹ رہا بھائی جان پوچھ رہے تھے فہر نے آنا کیوں چھوڑ دیا ہے ضیاء بھی بلا رہا تھا اس کی شادی میں بھی دیکھو چند دن ہیں۔ یہ وہاں جاتا تک نہیں ہے بھابی کیا سوچیں گی۔''

''ہوں میں فہر کے کان کھینچتی ہوں کیوں پریشان کیا ہوا ہے۔'' اس نے انہیں تسلی دی۔

''مہاد فہر کو بلاؤ کیا کمرے میں گھسا ہوا ہے۔'' مہاد ہال کمرے میں ایل ای ڈی پر اسپورٹس کا چینل لگائے بیٹھا تھا۔

''اپنے سپوتوں کو آواز دیں۔''

''مہاد فضول نہیں بولو جاؤ فہر کو بلاؤ بہن جو کہہ رہی ہے وہ کرو۔'' زہرہ نے بھی اسے ڈانٹ ہی پلائی وہ جھٹ ان کے حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ کے زینے کی سمت دوڑا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ ریان اور عفان کے ہمراہ ستے ہوئے منہ کے ساتھ نیچے آ گیا۔

''چلو بچوں تم لوگ تو یہاں سے بھاگو۔'' کنول نے دونوں کو اشارے سے جانے کو کہا۔

''مما! اتنی زبردست مووی دیکھ رہے تھے۔ آپ نے ماموں کو بلا لیا۔'' ریان منہ بنانے لگا۔

''یار جاؤ! تم لوگ دیکھو میں آتا ہوں۔'' فہر نے ان دونوں کو واپس اپنے روم میں بھیجا جہاں وہ لوگ کارٹون مووی دیکھ رہے تھے۔

''جی فرمائیے کیوں بلایا ہے۔'' اس نے کہا۔

زہرہ اور رحمن علی دونوں اسے ہی بغور دیکھ رہے تھے جو بہت فارمل ہو گیا تھا۔

''یہ کیا تماشا لگا کے رکھا ہوا ہے۔'' کنول تو تیز لہجے میں شروع ہو گئی تھیں۔

''کیسا تماشا؟'' وہ جان کے بھی انجان ہی بنا۔

''فہر تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو میں کیا پوچھ رہی ہوں۔'' وہ غصے میں آ گئیں۔

''پلیز آپی! آپ جو پوچھنا چاہتی ہیں اس کا جواب میں نے امی اور ابو کو دے دیا ہے میں نیل فر سے شادی نہیں کروں گا جس کی وجہ سے میرے ماں باپ مجھ سے دور ہو گئے، میں اسے دور کر رہا ہوں۔ میرا دل خراب ہو گیا ہے۔'' وہ جھنجھلایا کھسیایا ہوا بے زار گی سے بولا۔

''فہر! یہ تم کہہ رہے ہو جس کے لیے تم ضدی بن گئے تھے اب جب کہ سارے راستے سہل ہو گئے تو تم اسے چھوڑ رہے ہو۔''

''اس لیے کہ جو چیز آسانی سے مل رہی ہو انسان شاید ناشکرا بن جاتا ہے اس وقت کیوں نہ ملی اس وقت کیوں مل رہی ہے۔'' وہ بات کو اڑانے ہی لگا۔

''فہر! وہ چیز نہیں جیتی جاگتی لڑکی ہے جسے تم نے چاہا ہے۔''

''پلیز آپی۔'' وہ چڑ گیا۔

''کنول یہ نہیں مانے گا یہ صرف مجھے دکھ دے رہا ہے میں نے اور اس کے ابو نے اس کے ساتھ بہت برا رویہ جو رکھا۔'' زہرہ تو مغموم اور دگرگفتہ لہجے میں بولی تھیں۔

فہر نے انہیں سر اٹھا کے دیکھا چند دن میں وہ کتنا مرجھا گیا تھا اس کے سارے ارمان ختم ہو گئے تھے صرف ایک لڑکی کی خاطر اس کے ماں باپ اس سے ناراض ہو گئے تھے۔ وہ اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑ سکتا تھا اس لڑکی کو چھوڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

اس لڑکی کو جس کے پیچھے وہ دیوانوں کی طرح بھاگا اب جب کہ وہ اسے ملنے والی تھی تو یہ ضد پر آ گیا۔

(جاری ہے)

نظیر فاطمہ

زمانہ بدل گیا

انسانیت کسے کہتے ہیں؟ دوسروں کا خیال کرنے کو..... کسی کا دکھ سمیٹ لینے کو..... محبت اور آسانیاں بانٹنے کو..... کسی کو تکلیف سے بچانے کو..... کسی کے عیب ڈھانپ لینے کو..... اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق کسی کی مدد کرنے کو..... مگر..... کسی کو جان بوجھ کر دکھ پہنچانا اور کسی کے عیب کو یوں اچھالنا کہ وہ اس کے لیے دائمی تکلیف کا باعث بن جائے..... اس کو کیا کہیں گے؟ حیوانیت؟ نہیں، بلکہ حیوانیت سے بھی کہیں نیچے، کیونکہ حیوان بھی اپنے ہم جنسوں کو دکھ نہیں پہنچاتے، شیر، شیر کا شکار نہیں کرتا، سانپ سانپ کو نہیں ڈستا، یہ انسان ہی ہے جو اپنے ہم جنسوں کو تکلیف پہنچاتا ہے اور پھر اس کے بعد اسے کوئی احساس جرم بھی نہیں ہوتا۔

☆.....☆

پچھلی ساری رات آمنہ نے اپنی ذات کو روندے جانے کے دکھ پر رو کر گزاری تھی۔ فجر کی اذان سن کر اس نے اٹھ کر وضو کیا اور اپنے رب کے حضور جا کھڑی ہوئی۔ اپنی ہر فیلنگ، اپنا ہر درد اس رازدار کے حوالے کر کے اس نے اپنا دل ہلکا کیا، جو بغیر بتائے بھی سب کچھ جانتا ہے اور جب کوئی اس واحد لاشریک کے سامنے اپنے دکھ اور تکلیف بیان کرتا ہے تو وہ نہ صرف اسے پوری توجہ سے سنتا ہے بلکہ اس دل پر اطمینان، سکون اور حوصلہ بھی اتارتا ہے۔ نماز مکمل کر کے اس نے جائے نماز لپیٹ کر اس کی جگہ پر رکھی۔ پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے منہ پر ہاتھ پھیرے۔

''بس بہت رولیا..... اب اور نہیں۔'' اس نے خود کو پرسکون کیا اور باہر نکل آئی۔ پورے گھر پر موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ ابا جی کے کمرے کے سامنے رکی، اندر سے تلاوت قرآن کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ وہ باہر برآمدے میں آکر بیٹھ گئی۔ اب اس کا دماغ تیزی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ یہ رسوائی جو اس کا مقدر بنا دی گئی تھی اس رسوائی کو وہ اکیلے نہیں جھیلے گی بلکہ اس میں اس کو بھی شامل کرے گی جو اس کا سبب بنا تھا بلکہ اس پورے خاندان کو بھی جنہیں لڑکیوں کی آبگینوں جیسی نازک عزت کی پروا نہیں تھی۔

☆.....☆

''بھابی! جلدی سے ناشتہ دے دیں، اسکول سے دیر ہو رہی ہے۔'' آمنہ تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر پہنچی تو سب نے اسے حیرت سے دیکھا۔ کل جو کچھ ہو چکا تھا، اس کے بعد آمنہ کا اتنا نارمل سا انداز سب کے لیے باعث حیرت تھا۔ انہیں لگا جیسے اس کا دماغ صدمے سے چل گیا ہو۔ ابا جی بڑے بھائی، بھابی اور چھوٹے بھائی سب نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔

''آپ لوگ میری طرف ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔ وہ کوئی دنیا کا آخری لڑکا نہیں تھا اور..... اچھا ہی ہوا ان کی اصلیت شادی سے پہلے سامنے آگئی۔'' آمنہ نے بات مکمل کر کے دو سلائس اور

ایک انڈا پلیٹ میں رکھا اور ناشتہ کرنے لگی۔ اس کا لہولہو دل بین کر رہا تھا مگر اس نے اپنے دل کے بینوں کو سختی سے بند کر کے گرم گرم چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ جلدی جلدی ناشتہ مکمل کر کے وہ اسکول جانے کے لیے نکل گئی اور باقی سب کے سامنے ناشتہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔

☆......☆

آمنہ فری پریڈ میں اسٹاف روم میں بیٹھ کر بچوں کی کاپیاں چیک کر رہی تھی، جب اس کی کولیگ اور بہت اچھی دوست نوشین بھی کاپیوں کا ڈھیر اٹھا کر وہیں آن بیٹھی۔

"کیا بات ہے؟ تمہاری شکل اتنی اتری ہوئی کیوں ہے؟" نوشین نے اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر پوچھا۔

جواب میں آمنہ نے الف سے ی تک کا سارا واقعہ سنایا تو نوشین بے یقینی سی سکتہ زدہ بیٹھی رہ گئی۔

"ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ لوگ ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔ تم لوگ ان سے بات کرو۔" نوشین نے بے ربط سے انداز میں کہا۔ اسے آمنہ کی ذہنی حالت پر بھی شبہ ہو رہا تھا جو اتنے بڑے دھچکے کے بعد بھی معمول کے مطابق اسکول آ گئی تھی مگر یہ تو آمنہ ہی جانتی تھی یا اس کا خدا کہ اس وقت اس کی اندرونی حالت کیا تھی۔

"اب بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اب بس عمل کرنے کا وقت ہے۔" آمنہ نے سرسراتے لہجے میں کہا تو نوشین کو اس کے اندر سے خوف محسوس ہوا۔

"ک...... کیا کرو گی تم؟"

"ابھی بتاتی ہوں۔" پھر جوں جوں آمنہ اسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتاتی گئی توں توں نوشین کی آنکھیں پھیلتی گئیں۔

"اور اس میں مجھے تمہارا تھوڑا سا ساتھ چاہیے۔" آخر میں آمنہ نے نوشین کی مدد چاہی۔

"چھوڑو تم، ایسے مت کرو، لوگ کیا کہیں گے؟" نوشین ہچکچا گئی۔

"لوگوں کو یہی تو بتانا ہے کہ لڑکیاں کمزور نہیں ہوتیں۔ آج کی لڑکیوں کو نہ صرف اپنی عزت کی حفاظت کرنا آتا ہے بلکہ اپنی بے عزتی کا منہ توڑ جواب دینا بھی آتا ہے۔" آمنہ اطمینان سے بولی۔

"مگر...... مگر...... اگر ہم پہچان میں آ گئیں تو؟"

"پہچانی تو میں جاؤں گی، تم مجھ سے تھوڑے فاصلے پر رہنا یوں جیسے تم میرے ساتھ نہیں ہو۔ جب میں اپنی کارروائی شروع کروں تو تم بس وہ کام کر دینا جو میں نے تم سے کہا ہے۔ ویسے بھی ہم دونوں مکمل نقاب اور برقعے میں ہوتی ہیں۔ کسی کو پتا نہیں چلے گا۔" نوشین اب بھی متردد تھی۔

"چلو تم رہنے دو، میں خود ہی کچھ کرلوں گی۔" نوشین کے تاثرات دیکھ کر آمنہ نے رسانیت سے کہا تو نوشین شرمندہ سی ہو گئی۔

"نہیں، نہیں...... میرا تو خود دل چاہ رہا ہے کہ ان کم ظرف لوگوں کے منہ نوچ لوں۔ بس ذرا گھبرا رہی ہوں [illegible] ہوتا کہ ہم لڑکیاں ہیں اور لڑکیوں کے لیے ہمارے معاشرے کے اصولوں میں کہیں کوئی لچک یا معافی کی گنجائش نہیں ہے۔" نوشین نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"تم چلو تو، اگر صورت حال زیادہ بگڑ گئی تو تم خاموشی سے نکل جانا۔" نوشین ڈرتے ڈرتے تیار ہو گئی۔ شدید ٹھنڈ میں بھی اسے پسینے آ رہے تھے مگر اس نے آمنہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆......☆

موسم بہت سرد اور عجیب گھٹا گھٹا سا تھا۔ دوپہر کے ڈھائی تین بجے کا وقت تھا۔ مکرم اپنی کاسمیٹکس کی دکان پر کھڑا خواتین گاہکوں کو بھگتا رہا تھا۔ اس

کی دکان سے تھوڑا پیچھے ایک رکشا رکا۔ جس میں سے آمنہ اور نوشین اتریں۔ دونوں برقعے اور نقاب میں ہٹی ہوئی تھیں۔

"بھائی! یہیں کھڑے رہنا، ہمیں ابھی واپس بھی جانا ہے۔"

آمنہ نے رکشے والے کو رکے رہنے کا اشارہ کیا تو اس نے رکشہ سائیڈ پر کر لیا۔ دونوں دکان کی طرف چلی گئیں۔ آمنہ دکان کے اندر چلی گئی اور کاسمیٹکس سیکشن میں جا کر اِدھر اُدھر یوں دیکھنے لگی جیسے اپنی مطلوبہ چیز تلاش کر رہی ہو۔ جب کہ نوشین نے اپنے موبائل کا مووی کیمرہ آن کر کے دکان کا نام اور دروازہ فوکس کر کے تھوڑی سی مووی بنائی اور چند منٹ بعد وہ بھی دکان کے اندر چلی گئی۔ وہ جیولری سیکشن کے پاس جا کر یوں کھڑی ہو گئی جیسے جیولری دیکھ رہی ہو مگر اس کا سارا دھیان موبائل سے مووی بنانے کی طرف تھا۔

"مجھے یہ والا فیس واش دکھایئے۔" آمنہ نے اشارہ کیا۔ یہ فیس واش نکالنے کے لیے مکرم کو کاؤنٹر سے نکل کر سامنے آنا پڑا کہ وہ فیس واش سامنے والی دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی الماری میں تھا۔ جیسے ہی مکرم نے فیس واش نکال کر آمنہ کی طرف بڑھایا اس نے فیس واش پکڑنے کی بجائے کس کس کر دو تھپڑ مکرم کے منہ پر دے مارے مکرم کی حسیات جیسے جم سی گئیں اسے اپنی خطا سمجھ میں نہ آئی۔

"تم، ذلیل انسان! تم کیا سمجھتے ہو تم دنیا کے آخری لڑکے ہو؟ اور تمہارے انکار کے بعد میں خودکشی کر لوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ یہ دو تھپڑ تمہاری سوئی ہوئی غیرت کو جگانے کے لیے ہیں۔ منگنی کے بعد چھ مہینوں میں دس بار تمہارے گھر والے اور پانچ بار تم خود ہمارے گھر آئے تھے، تب تمہیں نظر نہیں آیا تھا کہ میں موٹی ہوں...... جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں، لوگوں کو دعوت نامے تک پہنچا دیے گئے تو صرف دس دن پہلے تم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ لڑکی موٹی ہے۔ اونہہ! جاؤ تم اپنے پورے خاندان سمیت کسی گندے نالے میں ڈوب مرو۔ میں یہاں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ تم جیسے گھٹیا انسان پر تھوکنا چاہیے جو دوسروں کی بیٹیوں کو ذلیل کرتے ہیں۔ میں موٹی ہوں، اللہ نے مجھے ایسا ہی بنایا ہے اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ شرمندگی تم جیسے بے ضمیر لوگوں کو ہونی چاہیے جن کے ظاہر بہت خوب صورت اور اندر بدبودار سڑے ہوئے بدشکل ہیں۔ میں تمہیں تمہاری اوقات یاد دلانے اور یہ بتانے آئی ہوں کہ لڑکیاں کوئی چیونٹیاں نہیں ہوتیں جنہیں تم جیسے لوگ پیروں کے نیچے مسلیں اور وہ مسلی جائیں۔" آمنہ مکرم کا گریبان پکڑ کر چیخ رہی تھی۔ نوشین آرام سے کھڑی کلوز اپ موڈ میں مسلسل ویڈیو بنا رہی تھی۔

[illegible] آواز سن کر ارد گرد کی دکانوں کے لوگ بھی باہر نکل [illegible]۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو مکرم کے اس انکار کے بارے میں معلوم تھا سو وہ آمنہ کو حق بجانب سمجھ کر خاموش [illegible] رہے اور دل سے چاہ رہے تھے آمنہ اس کی اچھی طرح درگت بنا لے۔ مکرم کو جب اپنی بے عزتی اور پوزیشن کا احساس ہوا تو وہ غراتے ہوئے آمنہ پر جھپٹا مگر بھلا ہو سامنے والی دکان کے خان چاچا کا جو درمیان میں آ گیا۔

"اوہ نیچ انسان! جو کام تم اور تمہارے خاندان نے کیا، اس پر تمہارا یونہی درگت بننا چاہیے تھا۔ خبردار جو تم نے اس بچی کو ہاتھ بھی لگایا تو ام مار مار تمہارا نقشہ بگاڑ دے گا۔"

آمنہ کے لیے اتنی مہلت کافی تھی وہ نوشین کو

Ridadigest.com

اشارہ کر کے تیر کی طرح دکان سے نکلی۔ نوشین بھی اس کے پیچھے نکل گئی کسی نے بھی نوشین کے جانے کا نوٹس نہ لیا۔ دونوں تیز تیز قدموں سے رکشے تک پہنچیں۔ جلدی سے سوار ہوئیں اور رکشے والے نے رکشہ آگے بڑھا دیا۔

مکرم کے اس طرح انکار کا واقعہ جب مارکیٹ میں ہر کسی کے علم میں آیا تو سب اس پر تھوتھو کرنے لگے۔ جو لوگ دوسروں کی عزت کی پروا نہیں کرتے، ان کی اپنی ناک بہت اونچی ہوتی ہے۔ وہ خود کو بہت باعزت سمجھتے ہیں۔ ان کی انا ان کو بہت اونچے سنگھاسن پر بٹھائے رکھتی ہے، پتا تو تب چلتا ہے جب کوئی سوا سیر آ کر ان کو منہ کے بل گراتا ہے، تب ان سے اپنی بے عزتی سہے نہیں سہی جاتی۔ مکرم کے ساتھ بھی آج ایسا ہی ہوا تھا۔ جب سب کی باتیں اس کی برداشت سے باہر ہو گئیں تو وہ دکان بند کر کے چلا گیا۔

☆.....☆

کسی نے آج کے واقعے کی خبر آمنہ کے گھر تک پہنچا دی۔ شام کو وہ سو کر اٹھی تو سب گھر والوں کو غصے میں پایا۔

''پہلے ہماری کم بے عزتی ہوئی ہے جو اب تم یہ کارنامہ دکھا آئی ہو۔'' آمنہ کے بڑے بھائی کا بس چلتا تو وہ اسے تھپڑ ہی دے مارتا۔

''پہلے آپ کی جو بے عزتی ہوئی ہے، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے..... اور..... اب میں آپ کی نہیں لڑکے والوں کی بے عزتی کا سامان کر کے آئی ہوں۔ ہم لڑکی والے ہیں تو کیا کریں؟ مر جائیں؟ نہیں..... اب وقت بدل گیا ہے۔ لڑکی والے لڑکے والوں کی ہر جائز ناجائز فرمائش کی صلیب اپنے کندھوں پر کیوں اٹھائیں؟ اگر لڑکا نہ ملنے پر لڑکی کنواری رہ جائے گی تو لڑکی نہ ملنے کی صورت میں لڑکے کے ساتھ بھی یہی ہو گا۔ پھر لڑکے والوں کا اتنا رعب کیوں؟'' آمنہ قدرے جذباتی ہوئی تو ابا جی نے اپنی دھیمے مزاج والی بیٹی کے تاثرات کو قدرے حیرت سے دیکھا۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بات ختم کر دی۔

پھر آمنہ نے یہ ویڈیو فیس بک پر ڈال دی۔ دنوں میں یہ ویڈیو اتنی مشہور ہو گئی کہ ایک چینل نے خواتین کے ایک پروگرام میں اس ویڈیو کو نہ صرف دکھایا بلکہ اس پر تیس منٹ کا پروگرام بھی دکھا ڈالا جس میں لڑکی کو سپورٹ کرتے ہوئے اس کی جرأت کو سراہا گیا اور لڑکے کی بے ضمیری کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ ویڈیو میں لڑکی کا چہرہ تو نظر نہیں آ رہا تھا مگر لڑکے کا چہرہ بہت واضح تھا۔ البتہ لڑکی کے بولے گئے الفاظ کی بازگشت ہر طرف سنائی دے رہی تھی۔

جس جس نے یہ ویڈیو دیکھی اس اس کی ہمدردیاں لڑکی اور اس کے خاندان والوں کے ساتھ تھیں اور لڑکے والوں کو سب لعنت ملامت کر رہے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آمنہ کے اس عمل پر شدید تنقید کر رہے تھے مگر زیادہ تر لوگ آمنہ کے حوصلے کو داد دے رہے تھے کہ کچھ بھی تھا جو کام آمنہ کر گزری تھی وہ کام کرنا ہر لڑکی کے بس کی بات نہیں تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت جب اپنی کرنے پر آئے تو فرعون کے گھر میں رہ کر موسیٰ پالنے کی جرأت دکھا دیتی ہے۔ مکرم اور اس کے گھر والوں کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ وہ تو غلط کر کے بھی سر اٹھا کر اور سینہ پھلا کر چل رہے تھے مگر اب وہ سب سے منہ چھپائے پھر رہے تھے۔ آمنہ نے انہیں بتا دیا تھا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے اب ہر قصور لڑکی والوں کے کھاتے میں نہیں ڈالے گا۔ اب لڑکے والوں کو بھی اپنے کیے کی سزا بھگتنا ہو گی۔

☆.....

عائشہ ذوالفقار

عائشہ کہاں

عینیہ صوفے پر لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں کو اندر آتا دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیسے ہو ہیرو۔'' علیکہ اس سے گلے ملتے ہوئے بولی۔

''بس ہیروئن کو دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھر رہا ہوں۔'' وہ اسکرین پر نظر آتی ایما اسٹون کی طرف اشارہ کرتے

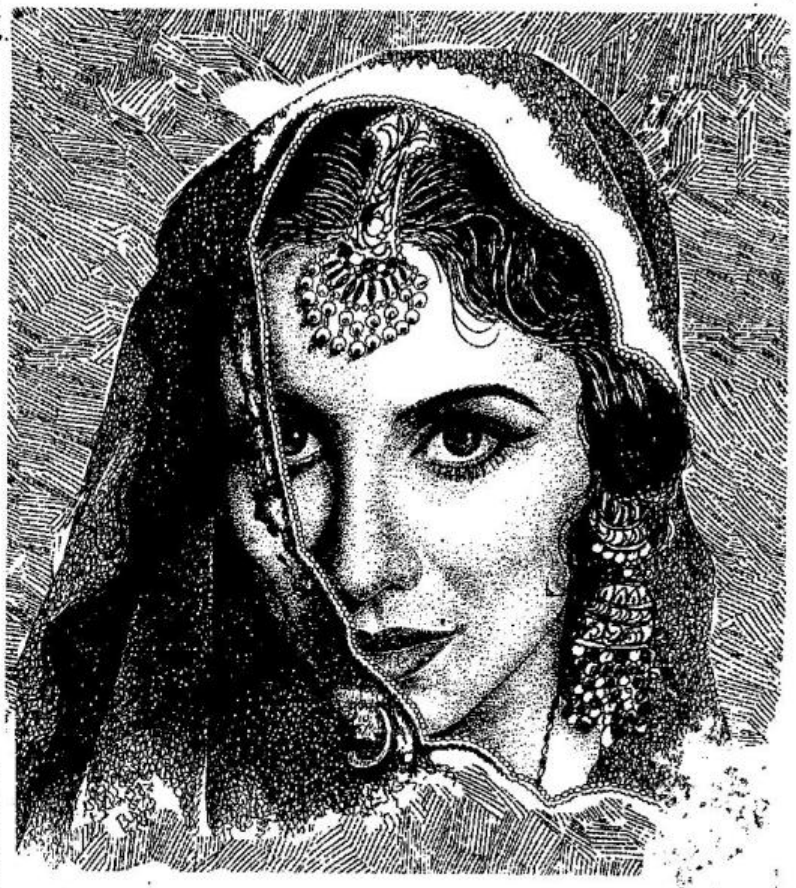

ہوئے مسکرا دیا۔

''بخش دو اسے، کسی صورت نہیں ملنے والی یہ تمہیں۔ آس پاس والیوں میں سے کسی پر نظر رکھ لو۔'' علیکہ ہنستے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''رکھی تو ہے نظر اب دیکھو کیا بنتا ہے؟'' وہ دھیرے سے آنکھ دباتے ہوئے بولا۔

''اچھا سنو مجھے کیوں بلایا ہے ڈیڈ نے۔'' وہ آگے کو ہوتے ہوئے بولی۔

''مجھے کیا خبر، جاؤ جا کر خود پوچھ لو اسٹڈی میں ہوں گے۔'' عینیہ صاف کندھے اچکا گیا۔

''پتا تو تمہیں سب کچھ ہے گھنے انسان۔ بس چپکے لینے کا شوق ہے۔'' وہ اسے کشن مارتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

قسط نمبر 5

''چلو میرے ساتھ۔'' وہ عمایہ کو اشارہ کرتے ہوئے بولی۔
''قطعاً نہیں، تم اکیلی جاؤ۔'' عمایہ نے صاف انکار کرتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔
''تم ایک نمبر کی دغاباز ہو۔'' علیکہ سلگ کر کہتی ہوئی اندر چلی گئی۔
''اور تم سناؤ لڑکی۔ تمہارا کیا حال ہے۔'' عینیہ دوبارہ صوفے پر دراز ہوگیا۔
''تم ذرا دو منٹ اس بے ہودہ لڑکی سے نظریں ہٹاؤ تو میں تم سے کچھ پوچھوں۔'' عمایہ کی بات پر وہ تڑپ گیا۔
''بے ہودہ تو نہ کہو، بس ذرا سے کپڑے ہی اتارے ہیں اس نے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔
عمایہ نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ لے کر ٹی وی آف کردیا۔
''یہ تمہارے ڈیڈ کا علیکہ کی مام سے کیا پنگا ہوگیا تھا جو انہیں چھوڑ دیا۔'' عمایہ تھوڑا آگے کو ہوتے ہوئے بولی۔
''مجھے کچھ زیادہ نہیں پتا یار! بس اتنا پتا ہے کہ علیکہ اور عکرمہ کی مام نے میری مام کے سابقہ شوہر سے تعلقات بڑھانے شروع کردیے تھے۔'' عینیہ بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔
''تمہیں جتنا پتا ہے اتنا تو بتا دو مجھے، شاید مجھے اپنے ہونے کا کوئی سراغ مل جائے۔'' وہ دھیرے سے بولی۔
عینیہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆.....☆

اسٹڈی روم کے دروازے کو ہلکا سا ناک کرتے ہوئے وہ اندر آگئی۔
''بلایا تھا آپ نے مجھے؟'' نہ دعا نہ سلام۔
''میں شاید غلطی سے تمہارا باپ ہونے کا شرف رکھتا ہوں۔'' وہ اس کے اس قدر بدتمیز انداز پر کھول گئے۔
''السلام علیکم ڈیڈ! کیا حال چال ہیں آپ کے۔ خیریت سے ہیں آپ نے بلایا تھا مجھے۔'' وہ ان کی اجازت لیے بغیر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
عزین مرزا اس کے چہرے پر پھیلی بیزاریت کو دیکھ کر رہ گئے۔
''میری شکل دیکھ کر تم دونوں بہن بھائیوں کے چہرے مسخ ہوجاتے ہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے لہجے میں ناگواری آگئی۔
''مسخ.....اس سے زیادہ خوب صورت لفظ نہیں ملا آپ کو۔'' وہ زور سے مسکرادی۔
''علیکہ میں نے تمہیں یہاں فضول کی بحث اور بکواس کے لیے نہیں بلایا۔ تمہاری ماں کو تو خیر تم سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ پوری طرح مگن ہے وہ اپنے شوہر اور بچوں میں لیکن مجھے تمہاری فکر ہے۔ چاہے اس فکر کی تمہارے نزدیک رتی بھر اہمیت نہ ہو۔'' وہ بڑے صبر سے چپ چاپ ان کی تقریر سن رہی تھی۔
''شادی کے بارے میں تمہارے کیا ارادے ہیں۔'' انہوں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو دھیما رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔
''جب دل کرے گا تو کرلوں گی۔'' وہ بولی۔
''میرے پاس ایک دو پروپوز ہیں تمہارے لیے، وہی ڈسکس کرنے کے لیے بلایا ہے تمہیں۔'' وہ ذرا تفصیل بتاتے ہوئے بولے۔ خلاف توقع علیکہ اب بھی خاموش تھی۔
''عروہ کی ایک بہت اچھی جاننے والی بزنس لیڈی ہے، عفاف نورین اس کے اکلوتے بیٹے کا پروپوزل

ہے۔ چار چار فرمز کا تن تنہا مالک ہے وہ۔ تمہیں زندگی بھر کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔'' وہ بڑے نپے تلے انداز میں بول رہے تھے۔
''آپ خود ملے ہیں اس لڑکے سے۔'' اس کے خلاف توقع سوال پر وہ چونک گئے۔
''نہیں لیکن عروہ نے دیکھا ہوا ہے۔'' وہ جلدی سے بولے۔
''اس کی ماں سے ملاقات ہوئی ہے آپ کی؟'' علیکہ کا دوسرا سوال۔
''نہیں ابھی تک تو نہیں ہوئی لیکن۔'' اس بات پر وہ گڑبڑا گئے۔
''یعنی اس کی مام نے آپ کی بیوی کے ذریعے آپ تک پروپوزل بھجوایا ہے۔'' وہ ابھی تک یہ ہی سمجھ رہی تھی کہ عزین مرزا کے پاس اس کے لیے پروپوزل آیا ہے۔
''علیکہ میری بات سنو۔ عفاف سے ابھی اس سلسلے میں میری یا عروہ کی کوئی بات نہیں ہوئی لیکن.....'' اب اس کے بھڑکنے کی باری تھی۔
''جب کوئی بات ہی نہیں ہوئی تو مجھے خوامخواہ یہاں کیوں بلایا ہے آپ نے۔'' اسے اچھا خاصا غصہ آگیا۔
''دراصل میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ تم اتنے عرصے سے اکیلی رہ رہی ہو۔ جاب کرتی ہو۔ لوگوں سے میل ملاپ ہے تمہارا، تم پہلے ایک دو دفعہ اس لڑکے سے مل لو تو میں عفاف سے.....'' علیکہ نے بھڑک کے ان کی بات کاٹ دی۔
''آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ میں اس کی طرف قدم بڑھاؤں، اس سے دوستی کروں۔ اس سے محبت کے دعوے کروں۔'' عزین مرزا چپ رہ گئے۔
''آپ اگر اتنا ہی کہہ دیتے کہ اس عورت نے پروپوزل بھجوایا ہے لیکن میرے ہاں کرنے سے پہلے تم ایک دو دفعہ اس لڑکے سے مل لو تو شاید میں مل ہی لیتی لیکن..... اب جو سوچیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ مجھے اس لڑکے کو پھنسانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔'' علیکہ کی آواز اونچی ہوگئی اور دروازے کے باہر کھڑی عروہ کا صبر جواب دے گیا۔ وہ ایک دم دروازہ کھول کر اندر آئی تھیں۔

☆.....☆

عزین اور عیرہ دونوں آپس میں کزنز تھے۔ بڑے بوڑھوں نے آپس کے صلاح مشورے سے ان دونوں کا رشتہ طے کردیا۔ عزین اور عیرہ کی نہ صرف عمروں میں بہت فرق تھا بلکہ عادات اور خیالات بھی ایک دوسرے سے قطعاً مختلف تھے۔ عیرہ ابھی صرف انیس سال کی تھی بے تحاشا ضدی، بے تحاشا موڈی اور بے حد حسین۔ اس کے بی اے کے امتحان ختم ہوتے ہی دونوں کی شادی طے ہوگئی۔ عیرہ کو بہت اچھی طرح اپنے حسن اور خوب صورتی کا ادراک تھا۔ سو وہ پہلے دن سے عزین کے ساتھ ایڈجسٹ نہ ہوسکی۔ عزین کے پاس فی الحال اسے دینے کے لیے محبت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا اور اس کی محبت کو عیرہ نے اپنے قدموں تلے بھی نہ رکھا۔ ان دنوں عزین ایم بی اے کرنے کے بعد نوکری کے لیے دھکے کھا رہا تھا۔ عیرہ کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ کوئی شاندار پرسنیلٹی نہ کوئی مضبوط بیک گراؤنڈ۔ بس ایک کمرے کا کرائے کا گھر جسے وہ بمشکل چلا رہا تھا۔ آئے روز ان دونوں کی لڑائی ہوتی رہتی۔ عزین کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ عیرہ کو شکایت کا موقع نہ دے۔ جو بھی تھا جیسے بھی حالات تھے لیکن یہ سچ تھا کہ وہ عیرہ سے محبت کرتا تھا۔ وہ جنوری کی ایک یخ بستہ رات تھی جب نرس نے اس کے بازوؤں میں اس کا بیٹا لا کر ڈال دیا۔

Ridadigest.com

"عکرمہ نور۔" وہ ہو بہو اپنی ماں جیسا تھا۔

☆......☆

"سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ میرا گھر ہے سو اپنی چنگھاڑتی آواز کو قابو میں رکھو اور دوسری بات یہ کہ یہ شخص صرف تمہارا باپ ہی نہیں میرا شوہر بھی ہے سو اپنی زبان کو لگام دے کر بات کرو۔" انہیں اندر آتا دیکھ کر علیکہ سر پر لگی اور پاؤں پر بجھی۔

"اور تیسری بات یہ کہ میں یہاں اپنے باپ کے بلانے پر آئی ہوں۔ کسی تیسرے بندے کی بکواس سننے نہیں۔" وہ دوبدو ہو کر بولی۔

"تم شاید بھول رہی ہو کہ عفاف کے بیٹے کے بارے میں مجھ جیسے تیسرے بندے نے ہی تمہارے باپ کو بتایا ہے۔" وہ زور سے چیخیں۔

"اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ جیسے میں نے تمہیں پھانس لیا تھا ویسے ہی اپنی بیٹی سے کہو کہ جا کر اس کے بیٹے کو پھانس لے۔" علیکہ کی بات پر عروہ کا تھپڑ اٹھتے اٹھتے رہ گیا۔

"بے غیرت لڑکی یہ پھانسنے والا کام تمہاری حرافہ ماں نے شروع کیا تھا۔" وہ بھڑک گئیں۔

"خدا کا واسطہ بس کرو تم دونوں۔" عزین مرزا کی بس ہوگئی۔

"اپنی ڈارلنگ بیوی کو کہیں کہ یہاں سے چلی جائیں میں صرف آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔ ان کی فضول گفتگو کا بالکل حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔" وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں بس اپنی بات سنانے کا حوصلہ ہے تمہارے اندر۔ یہ سنانے کا حوصلہ ہے کہ میں نے تمہارے باپ کو پھانس لیا لیکن جب بات تمہاری ماں پر آتی ہے تو تمہارے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔" عروہ کسی صورت چپ ہونے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"عروہ پلیز جاؤ یہاں سے۔ جاؤ میں بات کر رہا ہوں اس سے۔" عزین نے ان کو بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

"ذرا ایک منٹ ٹھہریں عزین! آج مجھے اس سے پوچھ لینے دیں کہ میں نے ایسا کیا کر دیا جو اس کی ماں نے نہیں کیا۔" وہ پوری طرح علیکہ کی طرف مڑ گئیں۔

"یہی تو المیہ ہے مسز عزین مرزا کہ کیا تو آپ نے بھی وہی جو میری ماں نے کیا لیکن اس کے باوجود آپ ہمیشہ ایسے ظاہر کرتی ہیں جیسے آپ پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے گئے ہوں۔ جیسے آپ سے بڑھ کر مظلوم اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" علیکہ کا لہجہ سرد ہو گیا۔

☆......☆

عکرمہ کی پیدائش کے بعد بھی عبیرہ سیٹ نہ ہو سکی۔ اس کے اور عزین کے درمیان فاصلے بڑھتے چلے گئے اس ڈر سے کہ کہیں وہ ڈپریشن کی مریض نہ بن جائے عزین نے اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا مشورہ دے دیا اور شاید زندگی میں پہلی بار عبیرہ نے اس کی بات مان لی۔ عکرمہ کو ڈے کیئر والوں کے حوالے کر کے دونوں اپنی اپنی منزلوں کو چل پڑے۔ عبیرہ اپنی زندگی میں مگن ہوتی گئی اور عزین معاشرے میں قدم جمانے کی دوڑ میں مصروف ہو گیا۔ عکرمہ کو جیسے دونوں بھول ہی گئے۔ یونیورسٹی میں ہی عبیرہ کی ملاقات عاشر صدیقی سے ہوئی اس کی شخصیت کے زیر اثر وہ عزین سے اور دور ہو گئی۔ عاشر دھیرے دھیرے اس کے حسن کا دیوانہ ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد عبیرہ کو یہ

بتائے بغیر کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے۔ عاشر نے اسے پروپوز کر دیا۔ عبیرہ ان دنوں پھر امید سے تھی۔ عاشر کے جذبوں میں اسے کوئی کھوٹ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے پاس وہ سب کچھ تھا جو عزین اسے نہیں دے سکا تھا۔ آخر کار اس نے فیصلہ کر لیا۔ گرمیوں کے دن تھے جب علیکہ کی پیدائش کے فوراً بعد اس نے عزین سے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ تب عکرمہ صرف دو سال کا اور علیکہ چند دنوں کی تھی۔

☆......☆

"اگر تمہاری ماں عاشر کو اپنے حسن کے جال میں نہ پھنساتی تو شاید آج میں تمہارے باپ پر اپنا حق نہ جتا رہی ہوتی۔" عروہ آگے کو آئیں۔

"اور اگر آپ کو اپنا شوہر قابو کرنا آتا تو شاید تب بھی یہ سب نہ ہوتا۔" علیکہ کون سا کم تھی۔

"خدا کا واسطہ ہے تم دونوں کو گڑھے مردے کیوں اکھاڑ رہی ہو۔" عزین مرزا کی بس ہوگئی۔

"اپنی بیوی سے پوچھیں۔ پہلا مردہ انہوں نے اکھاڑا ہے۔" علیکہ بھڑک گئی۔

"عروہ جاؤ یہاں سے۔" وہ ان کی طرف مڑے۔

"جا رہی ہوں لیکن میری ایک بات کان کھول کر سن لو یہ تمہارا باپ ہی ہے جو تمہارا اتنا خیال کر رہا ہے۔ ورنہ تمہاری ماں کو تو فرق ہی نہیں پڑتا۔ تمہارے مرنے یا جینے سے۔ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں کر دی عزین نے۔ ویسے بھی تو جگہ جگہ منہ مارتی پھرتی ہونا۔ ایک ہی بار اچھی جگہ منہ مار لو۔ زندگی سنور جائے گی تمہاری ورنہ اپنی ماں کی طرح ساری زندگی ذلیل و خوار ہی ہوگی۔" اس قدر سخت الفاظ استعمال کرنے کے بعد بھی عروہ توقع کر رہی تھیں کہ علیکہ چپ رہے گی۔

"جب میں اپنی ماں کی طرح ذلیل و خوار ہوں گی تو آپ بے شک شادیانے بجوا لیجیے گا بلکہ بھنگڑے ڈال ڈال کر جشن منائیے گا، دل سکون ملے گا آپ کو۔" علیکہ کی چنگھاڑ چھت پھاڑ گئی۔

"علیکہ میری بات سنو۔" عزین نے آخری کوشش کرنی چاہی۔

"نہیں ڈیڈ! آپ میری بات سنیں آپ میرے لیے اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم مجھ پر ترس ہی کھا لیں یہ دیکھیں میرے جڑے ہوئے ہاتھ میں بہت خوش ہوں اپنی زندگی میں، بڑی مشکلوں سے کسی سہارے کے بغیر جینا سیکھا ہے۔ پلیز مجھے میری زندگی میری مرضی سے گزار لینے دیں۔ ڈیڈ میں جیسی بھی ہوں ناں بقول آپ کی بیوی کے ادھر ادھر منہ مارنے والی لیکن خود پر ایک یقین ضرور ہے مجھے اور وہ یہ کہ میں نے آج تک کسی لڑکے کی طرف خود سے قدم نہیں بڑھائے۔ تعریفیں کرنے کی بجائے تعریفیں سننے کی عادت ڈالی ہے خود کو، منت کرنے کی بجائے منتیں کروانے کی عادت ڈالی ہے خود کو۔ میں جیسی ہوں پلیز مجھے ویسا ہی رہنے دیں۔" علیکہ نے کھٹاک سے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ عزین اسے دیکھ کر رہ گئے۔

☆......☆

عکرمہ کو عزین کے پاس چھوڑ کر وہ علیکہ کو اپنے ساتھ لے کر میکے آ گئی۔ عدت کے دن پورے کیے اور گھر والوں کی مرضی کے بغیر عاشر سے شادی کر لی لیکن عاشر کو اس کی ذات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ تو خود من موجی بندہ تھا۔ صرف اٹھارہ سال کی عمر میں اس کے گھر والوں نے اس کی شادی اس سے پندرہ سال بڑی عروہ سے کر دی تھی اور اس بات کا بدلہ شاید وہ عروہ سے ہی لے رہا تھا۔ آئے روز کسی نہ کسی کو پھنسا کر عروہ کو جلائے رکھتا۔ آئے روز عروہ اسے کسی نہ کسی کے چنگل سے نکال کر لاتی۔ عبیرہ بھی اس کی بدلے کی آگ میں تباہ ہونے

Ridadigest.com

والی بے شمار لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ عاشر کو اس کی محبت سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ عبیرہ کو اس رات حقیقت کا ادراک ہوا جب عروہ اپنے تین چار بھائیوں کے ساتھ اس کے گھر کی دہلیز پر آموجود ہوئی۔ اس رات اسے پتا چلا کہ عاشر نہ صرف شادی شدہ تھا بلکہ ایک بیٹے کا باپ بھی تھا۔ عتبہ صدیقی، عاشر اور عروہ کا بیٹا عبیرہ کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد عاشر کی طرف سے اسے طلاق کے کاغذات مل گئے تب علیکہ صرف دو سال کی تھی۔

☆.....☆

''جب بچپن میں پرواہ نہیں کی تو خدا کا واسطہ ہے۔ اب بھی نہ کریں، بہت مہربانی ہوگی آپ کی۔'' اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

''توبہ ہے بھئی، بندے میں اتنی بھی انا نہ ہو، ایک دو دفعہ ادائیں دکھا کر اس لڑکے کو پٹا لو گی تو عیش کرو گی، تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔'' عروہ پھر بول پڑیں۔

''پہلے مجھے یہ بتائیں کہ ادائیں دکھانا مجھے کس نے سکھایا ہے۔ اس سگی ماں نے جو پورے چار سال بھی میرے ساتھ نہیں رہی یا اس سوتیلی ماں نے جس کی وجہ سے وہ پورے چار سال بھی میرے ساتھ نہیں رہ سکیں۔ کمال ہے عروہ جی، بات تو کر دی آپ نے لیکن یہ بھی تو بتائیں ناں اسے پھانسنے کے بعد کیا ہوگا۔ آپ کی طرح اسے بھی کوئی اور کھینچ کر لے گئی تو میں کیا کروں گی۔ یہ بھی تو بتائیں مجھے جب مجھ پر ترس کھا کر، میری اس قدر فکر کر کے میرا بھلا سوچ رہی ہیں تو آگے کی زندگی کے بارے میں بھی سمجھا دیں ناں۔'' علیکہ کا رخ پوری طرح ان کی طرف ہو گیا۔

''یہ سب جا کر اپنی ماں سے پوچھو۔'' عروہ کا پارہ ہائی ہو گیا۔

''آپ سے کیوں نہ پوچھوں۔'' علیکہ آگے کو ہوئی۔

''کیونکہ شروعات اس نے کی تھی۔'' عروہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولیں۔

''اور آپ نے اختتام کر دیا۔'' علیکہ دھیرے سے مسکرائی عروہ بول نہ سکیں۔

''نہیں کرنی اس چار چار فرمز کے اکلوتے مالک سے شادی جیسے ہاتھ جوڑ کر منانا پڑے۔ اس سے کروں گی جو ہاتھ جوڑ کر مجھے منائے گا۔'' انگلی اٹھا کر کہتے ہوئے وہ باہر نکل آئی تھی۔

☆.....☆

عبیرہ کے بعد شاید عروہ کی بھی بس ہو گئی۔ تھک گئی تھی وہ عاشر کو زبردستی اپنا بناتے بناتے سو عتبہ پانچ سال کا تھا جب اس نے عاشر سے طلاق لے لی۔ عزین ان دنوں اس کے باپ کی فرم میں جاب کر رہا تھا۔ عروہ کی نظروں میں آ گیا اور جب عروہ کو یہ پتا چلا کہ وہ عبیرہ کا سابقہ شوہر ہے تو اس نے اپنے قدموں کو عزین کی طرف بڑھنے سے بالکل بھی نہ روکا، نہ صرف عزین سے شادی کر لی بلکہ اسے عزین انٹر پرائزز کھڑی کرنے میں پوری طرح مدد بھی کی۔ عروہ کی دوست اور عزین کی محنت نے سات منزلہ عزین انٹر پرائزز کو تشکیل دے دیا لیکن نقصان کس کا ہوا.....! اس چار سالہ عکرمہ نور کا جس کا باپ اس رات کے بعد سے اس کا نہیں رہا اور اس کے بعد آنے والی کسی بھی رات کو نہیں یا پھر اس پانچ سالہ عتبہ صدیقی کا جس کی ماں اس دن کے بعد سے پرائی ہو گئی اور اس کے بعد آنے والے ہر دن اس سے دور ہی ہوتی چلی گئی۔ عروہ کو عکرمہ کا وجود برداشت نہیں تھا اور عزین کو عتبہ کا سو ان دونوں کو اٹھا کر بورڈنگ پھینک دیا گیا۔ عبیرہ نے کچھ عرصے ماتم منایا پھر گھر والوں کے مجبور کرنے پر عزین سے معافی مانگنے چلی آئی مگر وہ اب وہ عزین مرزا بن چکا تھا۔ اب مرضی بھی اس کی تھی۔ اب وقت بھی اسی کا تھا۔ عبیرہ سے محبت

ہونے کے باوجود وہ اسے معاف کر کے دوبارہ نہ اپنا سکا۔ عبیرہ واپس لوٹ آئی گھر والوں نے اس کی شادی عادل نامی ایک شخص سے کر دی۔ یہاں پھر عبیرہ کے ساتھ کھیل ہو گیا۔ شادی کے بعد اسے پتا چلا کہ عادل مراد کی پہلے سے ایک بیٹی تھی۔ علیکہ سے ایک دو سال بڑی۔ عبیرہ تو ہتھے سے اکھڑ گئی اپنے ساتھ ہوئے تمام دھوکوں کا بدلہ اس معصوم سے لیتے ہوئے اسے دروازے سے باہر کر دیا۔ ایک بار پھر نقصان کس کا ہوا۔ چند سالہ عمایہ عادل کا جو اپنے باپ سے محروم ہو گئی یا پھر علیکہ زہرہ کا جو نہ باپ کی رہی نہ ماں کی اور ایسوں کا ٹھکانہ بورڈنگ ہی ہوتا ہے، شادی کے بعد عبیرہ کو اللہ نے دو بیٹوں اور ایک بیٹے سے نواز دیا جن میں مگن ہو کر وہ عکرمہ عمایہ کو بالکل ہی بھول گئیں۔ عروہ اور عزین کی زندگی کو عینیہ نے مکمل کر دیا۔ عتبہ کی وہاں کوئی ضرورت نہیں تھی۔

☆.....☆

وہ آج آفس سے واپسی پر عشوہ کو لے کر آؤٹنگ کے لیے آیا تھا۔ خلاف توقع وہ بس ایک مسکراہٹ کے ساتھ مان گئی تھی۔

''آئس کریم کھاؤ گی؟'' اس نے عشوہ کے برابر چلتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''کون سا فلیور۔'' وہ ہنسا۔

''چاکلیٹ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے عکرمہ کے بازو میں اپنا بازو ڈال دیا۔ وہ بس اس کے چاند سے چہرے کو فرصت سے دیکھ کر رہ گیا۔

''عکرمہ چلو وہاں گھاس پر بیٹھتے ہیں۔ آئس کریم پکڑتے ہوئے وہ گراؤنڈ کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

''عشوہ یار رات کا وقت ہے کوئی کیڑا کاٹ گیا تو؟'' عکرمہ قطعاً گھاس پر بیٹھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''او ہو چلو بھی کچھ نہیں ہوتا، سارا جہان بیٹھا ہے۔'' وہ اس کا بازو کھینچتے ہوئے بولی اور گراؤنڈ کے پاس لے آئی۔ جلدی سے دونوں جوتے اتارے اور ننگے پاؤں نرم نرم گھاس پر بیٹھ گئی۔

''میں جوتے نہیں اتاروں گا۔'' وہ جھٹ بولا۔

''بیٹھ بھی جاؤ۔'' عشوہ نے زبردستی اسے اپنے برابر میں گرا لیا۔

''تم زیادہ سوچا نہ کرو عکرمہ نور! بس کر گز را کرو۔'' وہ اس کے منہ میں چاکلیٹ آئس کریم کا چمچہ بھر کر رکھتے ہوئے بولی۔

''تو پھر تم زیادہ کیوں سوچ رہی ہو شہزادی، بس کر گز رونا۔'' وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا کر گز روں۔'' وہ بولی۔

''مجھ سے محبت۔'' وہ ہنسا۔

''باتیں بنانی کوئی تم سے سیکھے۔'' عشوہ نے دوسرا چمچ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں نے آج تک کیا ہی کیا ہے سوائے باتیں بنانے کے اپنے باس کی جھاڑ کھانے کے اور تم سے محبت کرنے کے۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''یہ ہی محبت تمہیں میرے بعد کسی اور سے ہو گئی تو۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''تمہارے ہوتے میں کسی اور طرف دیکھوں گا تو پھر نہ تمہارے علاوہ آنکھوں میں کوئی جچے گا تو پھر نہ.....'' وہ فوراً بولا۔

Riadigest.com

''اور اگر بچ گیا تو.....'' وہ بولی۔
''تو تم ان لمحوں کے صدقے مجھے معاف کر دینا جن میں صرف تمہارا ہو کر جیوں گا۔ عشوہ میں یہ وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ تم سے بہت محبت کروں گا۔ یہ بھی کہ تمہیں بہت خوش رکھوں گا لیکن میں اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا کہ آنے والی زندگی میں کیا ہوگا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔
''میں تمہیں معاف نہ کر سکی تو.....'' وہ پھر بولی۔
''فیصلہ تب بھی تمہارا ہوگا اور میرے سر آنکھوں پر ہوگا۔'' عکرمہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔ عشوہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے دھیرے سے ہاتھ میں پکڑا آئس کریم کا خالی کپ نیچے گھاس پر رکھ دیا۔ اس نے سلیولیس شارٹ شرٹ اور کیولیٹ کے اوپر پورے بازوؤں کی چھوٹی سی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ عکرمہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے دھیرے سے وہ جیکٹ اتار دی۔ عکرمہ دنگ رہ گیا۔ اس کے دونوں بازو کندھوں تک پرندوں کے چھوٹے بڑے ٹیٹوز سے بھرے پڑے تھے۔
''میں نے آج تک یہ کسی کو نہیں دکھائے اپنی بیسٹ فرینڈ کو بھی نہیں۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔
''یہ کب بنوائے تم نے۔'' وہ ابھی تک ششدر تھا۔
''مام کے جانے کے بعد جب میں بالکل تنہا ہو گئی تھی تب بنوائے تھے۔ بالکل ان کی طرح بننا چاہتی تھی میں۔ بے خوف بے خطر بہت اونچا اڑنا چاہتی تھی میں۔ دونوں پر پھیلا کر آنکھیں بند کر کے پوری دنیا تسخیر کر لینا چاہتی تھی لیکن ڈیڈ نے میرے پر ہی کاٹ دیئے۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔
''بس پھر میں نے اپنی خواہشوں سے اپنے دونوں بازو بھر لیے۔ دنیا مجھ سے سب کچھ چھین سکتی ہے لیکن میری خواہشات نہیں چھین سکتی۔ میرے خوابوں کو دیکھنے والی آنکھیں نہیں چھین سکتی۔ میری نیندوں میں بسی میری اپنی سلطنت نہیں چھین سکتی۔'' آنسو اس کے گالوں پر لڑھک آئے تھے۔ عکرمہ تڑپ گیا۔ بہت محبت سے اس نے عشوہ کے گال خشک کیے تھے۔
''میں بھی تمہیں ایک چیز دکھاؤں؟'' اس نے پوچھا۔ عشوہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ عکرمہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی شرٹ کے بٹن کھولے اور اس کی طرف پشت کرتے ہوئے دھیرے سے پیچھے کو اتار دی۔ اب کی بار حیران ہونے کی باری عشوہ کی تھی۔ اس کی کمر پر بڑی سی ڈریگن بنی ہوئی تھی۔ چنگھاڑتی ہوئی۔ آگ اگلتی ہوئی۔
''میں اس جیسا بننا چاہتا تھا عشوہ! انتہائی خطرناک ایسا کہ سب مجھ سے ڈریں، سب مجھ سے خوف کھائیں۔'' وہ دھیرے سے بولا۔
''لیکن شاید خواہشات صرف اپنی ذات تک ہی محدود رکھنا پڑتی ہیں۔'' اس کی آواز مزید دھیمی ہو گئی۔
''یہ بہت خوب صورت ہے عکرمہ۔'' عشوہ نے دھیرے سے اس کی کمر کو اپنی انگلیوں سے چھوا۔
''اگر میں نے تم سے محبت کر لی تو تمہاری ڈریگن مجھے جلا تو نہیں دے گی۔'' اس نے اپنے دونوں بازو بہت مضبوطی سے اس کی کمر کے گرد لپیٹ دیئے۔
''ڈریگن نے تو کب کے تمہارے آگے ہتھیار ڈال دیئے شہزادی عشوہ!'' وہ اس کے ہاتھوں کو تھام کر بولا۔
''مجھے اڑنے دو گے ناں؟'' عشوہ نے اپنا چہرہ پورے حق سے اس کی کمر سے ٹکا دیا۔
''جیسے مرضی اڑنا، بس مجھ پر سے نظریں نہ ہٹانا۔'' عکرمہ نے آنکھیں بند کی تھیں۔ عشوہ کچھ نہ بولی۔

''پھر کب لینے آؤں تمہیں۔'' عکرمہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
''جب تمہارا دل چاہے۔'' عشوہ نے اسے کھلی اجازت دے دی۔

☆.....☆

وہ آج آفس سے واپسی پر اس سے ملنے چلی آئی، دو دن ہو گئے تھے اسے علیکہ کی نہ کوئی کال آئی تھی اور نہ وہ اس کے کسی ٹیکسٹ کا جواب دے رہی تھی۔ خلاف توقع وہ اسے گھر پر ہی مل گئی۔
''اجازت ہے اندر آنے کی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''تمہیں بھی نہ دی اجازت تو پھر کس کو دی۔'' بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے وہ آگے سے ہٹ گئی۔ عمایہ فوراً بھانپ گئی کہ اس کا موڈ خراب ہے۔
''چائے پیو گی؟'' علیکہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔
''پلا دو تو بڑی مہربانی ہوگی تمہاری۔'' عمایہ عبایا اتارتے ہوئے بولی اور وہیں صوفے پر دراز ہو گئی۔ کچھ دیر بعد علیکہ چائے بنا لائی۔
''شکریہ یار!'' وہ اس کے ہاتھ سے کپ پکڑتے ہوئے بولی۔
''اچھا سوری یار! معاف کر دو۔'' اس کی خاموشی سے اکتا کر عمایہ نے کہا۔
''کس بات کی سوری، جنہیں کرنی چاہیے انہیں تو پرواہ بھی نہیں ہے۔'' علیکہ واقعی ٹھیک نہیں تھی۔
''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔'' عمایہ نے آگے کو ہو کر پوچھا۔
''پتا نہیں، مر ہی جاؤں تو شاید سکون مل جائے سب کو۔'' وہ اکتائی پڑی تھی۔
''خیر کا کلمہ کہو لڑکی، ہو کیا گیا ہے تمہیں۔'' عمایہ نے اسے گھرکا۔
''تو اور کیا کہوں، مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ جب بچپن میں خیال نہیں کیا تو اب کیا مصیبت آ گئی ہے اب کیوں ایک دم ان دونوں کو میری فکر ہونے لگی ہے۔ سو فیصد یقین ہے مجھے کہ اس سب میں ان کا کوئی نہ کوئی فائدہ تو ضرور ہے ورنہ مجھے تو مر کر بھی نہ منہ لگائے یہ عروہ شیطان النساء.....'' علیکہ کے اندر کا غبار باہر آنے لگا۔ عمایہ نے بھی اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔
''انتہائی قابل نفرت ہے وہ عورت میرے لیے۔ چڑیلیں بھی اس سے زیادہ انسانیت رکھتی ہوں گی بالکل ہی قبضہ کر کے بیٹھ گئی ہے میرے ڈیڈ پر اور ڈیڈ.....'' وہ ایک دم رک گئی۔
''ڈیڈ کے تو حواس سلب کر لیے ہیں اس عورت نے۔ صرف اس کا کہا سنتے ہیں، صرف اس کا کہا مانتے ہیں، وہ چاہے غلط کہے یا درست، بس وہ ہی سب سے اچھی ہے، ہاں بھئی اس کے دیئے پیسے پر اپنی انڈسٹری جما کر بیٹھے ہیں آخر کیوں نہ زبان کو لگام دے کر رکھیں۔'' اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔
''مجھے اپنی مام پر اس سے بھی زیادہ غصہ آتا ہے۔ لعنت ہے ان عورتوں پر جو شوہر کے ہوتے ہوئے ایک بیٹے کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے شخص کے پیار میں پڑ جائیں۔'' وہ ہر حد پھلانگ گئی۔
''بس کرو علیکہ، اپنی ماں پر لعنت تو نہ بھیجو۔'' وہ دھیرے سے بولی۔
''آج میں اس عورت کے منہ پر اسے غاصب بھی نہیں کہہ سکتی کیوں کہ وہ میری غاصب ماں کی شکار ہے۔'' وہ آخر رو پڑی۔
''میں تمہیں جان سے مار دوں گی اگر تم نے مجھے آئندہ ڈیڈ کی کوئی بات ماننے کے لیے کہا تو۔'' توپ کا رخ

عمایہ کی طرف ہوگیا۔

''اچھا نہیں کہتی۔ پکا وعدہ۔ پر چپ کر واب اور چائے پیو۔'' عمایہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

''اور تمہیں ایک شرط پر معاف کروں گی، رات کا کھانا بنا کر جانا۔'' وہ چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے بولی۔

''بنا دوں گی۔ کام چور۔'' عمایہ نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر دھپ لگائی تھی۔

☆.....☆

وہ آج ایک کانفرنس کے سلسلے میں کراچی آئے تھے۔ اتفاق سے اپنی ساتھ والی نشست پر انہیں عثمان کیانی مل گئے۔

''کیا حال ہے عثمان صاحب، بڑے دنوں بعد ملاقات ہوئی۔'' عزین مرزا بڑی گرمجوشی سے ان کی طرف مڑے۔

''ارے واہ مرزا صاحب آپ بھی یہاں ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔'' عثمان کیانی انہیں دیکھ کر کافی خوش ہوئے۔

''اور سنائیں کیسی گزر رہی ہے زندگی۔'' عزین مرزا ان کی طرف رخ موڑتے ہوئے بولے۔

''بس مرزا صاحب اللہ کا شکر ہے۔ اس نے عزت بنائی ہوئی ہے۔'' وہ بڑی عاجزی سے بولے۔

''اور ہماری عشوہ گڑیا کا کیا حال ہے۔'' صد شکر انہیں عشوہ کا نام یاد رہا۔

''وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ بس اس کی ذمہ داری رہ گئی ہے میرے کندھوں پر۔ اس کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں، تو بڑا پرسکون ہو جاؤں گا میں۔'' عثمان کیانی نے خود ہی بات شروع کر دی۔

''ہاں جی یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ کوئی پروپوزل ہے اس کے لیے آپ کی نظر میں۔'' انہوں نے پوچھا۔

''ہاں تین چار پروپوزلز ہیں میرے پاس۔ عشوہ سے ڈسکس کروں گا کہ وہ کیا کہتی ہے۔'' وہ بولے۔

''کیانی صاحب ایک پروپوزل میری طرف سے بھی قبول کریں۔''

''ان کے کہنے پر عثمان کیانی چونک گئے۔

''کس کا پروپوزل۔''

''میرا بیٹا..... عینیہ مرزا۔'' وہ بولے۔

''اچھا اچھا عینیہ سے تو میں مل چکا ہوں۔ وہ تو بڑا اچھا بچہ ہے۔'' عثمان کیانی خوش ہو گئے۔

''عینیہ، عشوہ سے ایک دو بار مل چکا ہے۔ میں اور میری مسز بھی آج کل اس کے لیے لڑکی تلاش کر رہے ہیں آپ نے عشوہ کی بات کی تو میں رہ نہیں سکا۔ آپ کی بیٹی میری بہو بن جائے اس سے زیادہ میری خوش قسمتی اور کیا ہوگی۔'' عزین مرزا کہتے چلے گئے۔

''مرزا صاحب آپ نے تو میری آدھی مشکل آسان کر دی اب جو بات میں آپ سے کہنا چاہ رہا ہوں وہ تھوڑی نامناسب سی ہے لیکن کیا کریں آج کل کی اولاد کا، بس ہاتھوں سے نکل جاتی ہے۔'' عثمان کیانی پوری طرح عزین مرزا کی طرف مڑ گئے۔

''کہیں عثمان صاحب کیا بات ہے۔'' وہ بولے۔

''مرزا صاحب آج کل کے بچے زیادہ اپنی من مانی کرتے ہیں۔ اپنی مرضی سے لائف پارٹنر چنتے ہیں اور جب سب کچھ طے ہو جاتا ہے تو آخر میں آ کر ماں باپ کو بس اطلاع دے دیتے ہیں کہ ہو گیا اب آپ سر پر ہاتھ رکھ دیں۔'' عثمان کیانی ذرا دیر رکے۔

''دراصل آپ عینیہ سے کہیں کہ ایک دو بار عشوہ سے ملے اسے پیار سے محبت سے قائل کرنے کی کوشش کرے، اگر وہ راضی ہو جاتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' عزین مرزا ان کی باتیں بخوبی سمجھ رہے تھے۔

''دراصل ایک ہی بیٹی ہے میری بڑے نازوں میں پالا ہے اسے تو تھوڑی ضدی ہو گئی ہے۔ کہتی ہے ابھی شادی نہیں کرنی اب آپ ہی بتائیں یہ بھلا کوئی ضد ہے کرنے والی، یہ ہی تو عمر ہوتی ہے شادی کی۔'' آج انہیں کھل کے اپنے اظہار خیالات کا موقع مل گیا تھا۔

''جی عثمان صاحب آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں عینیہ سے کہوں گا کہ عشوہ سے بات کرنے کی کوشش کرے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' عزین مرزا نے ان کی پریشانی حل کرنی چاہی۔

''ہاں جی بالکل! اگر عشوہ راضی ہو جائے تو میں بڑا سکھی ہو جاؤں گا مرزا صاحب۔ سر چڑھی اولاد کو جھیلنا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ اب آپ کو کیا بتاؤں۔'' عثمان کیانی دھیرے سے کہتے ہوئے اپنی نشست پر سیدھے ہو گئے اور عزین مرزا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ان کا دل چاہا کہ عثمان کیانی سے کہیں کہ سر چڑھی اولاد کا دکھ میں نہیں سمجھوں گا تو اور کون سمجھے گا۔ آپ تو ایک بیٹی کا رونا رو رہے ہیں میرے کریڈٹ پر ایک بیٹی کے علاوہ تین سگے سوتیلے بیٹے بھی ہیں جس عینیہ کو آپ اچھا بچہ کہہ رہے ہیں وہ اپنی جون میں آ جائے تو ماں باپ کے سارے کس بل نکال دیتا ہے۔ میں نہیں سمجھوں گا سر چڑھی اولاد کا دکھ کہ جس کے بچے ڈیڈ کہنے پر راضی نہیں ہیں۔'' لیکن وہ بس ایک لمبی سرد آہ بھر کر رہ گئے۔

☆.....☆

عکرمہ اپنے لیے چائے بنا کر کمرے میں آیا تو عتبہ کہیں جانے کی تیاریوں میں تھا۔

''عکرمہ! اپنا پرفیوم دے، جلدی کر۔'' وہ اپنے پرفیوم کی ساری شیشی خود پر انڈیل کر عکرمہ کی طرف مڑا۔

''کوری ناں ہے میری، خدا کا خوف کر پورا کمرہ مہک رہا ہے۔'' عکرمہ نے صاف جواب دے دیا۔

''دفع ہو نہ دے قبر میں ساتھ لے جائیں۔'' عتبہ منہ بناتے ہوئے بولا۔

''کہاں جا رہا ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''ڈنر کرنے۔'' عتبہ نے مختصر جواب دیا۔

''علیکہ کے ساتھ۔'' اس نے پھر پوچھا۔ عتبہ نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پتا نہیں علیکہ کو تیرے اندر کیا نظر آتا ہے۔ سمجھ سے بات باہر ہے۔'' عکرمہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''وہی جو تجھے نظر آتا ہے۔ جس کے پیچھے تو 26 سالوں سے میرے ساتھ رہ رہا ہے۔ تم دونوں بہن بھائی ہی دیوانے ہو میرے۔'' عتبہ کون سا کم تھا، عکرمہ بس قہقہہ لگا کر رہ گیا عتبہ نے چابیاں اٹھائیں اور بھاگتا ہوا نیچے آ گیا۔ ریسٹورنٹ پہنچا تو حسب عادت علیکہ غائب تھی۔ اس کے پہنچنے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کی تشریف آوری ہوئی۔

''دیر کرنے میں تم اپنے بھائی کا ایک پل نہیں بھولی۔'' عتبہ اس کے خوب صورت چہرے کو حفظ کرتے ہوئے بولا۔

''26 سال سے تم اس کے ساتھ رہ رہے ہو۔ ایک آدھ پل تم بھی لے لو اس سے۔ میں نے روکا تھوڑی ہے تمہیں۔'' وہ فوراً بولی۔

''اچھا سنو، میں آج تم سے ایک التجا کرنے آیا ہوں۔'' عتبہ آرڈر لکھوا کر اس کی طرف مڑا۔

''اور تم مجھ سے وعدہ کرو میری التجا کو ٹھکراؤ گی نہیں۔'' وہ پوری طرح سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''اگر قابل قبول ہوئی تو مان لوں گا۔'' علیکہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔ عتبہ نے ابھی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ ایک انتہائی حسین وجمیل لڑکی بولڈنیس کے سارے ریکارڈ توڑتی عتبہ کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

''عتبہ ڈارلنگ! آج میری جگہ کسی اور کو بٹھالیا۔'' بڑے حق سے اس نے عتبہ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ عتبہ کی آنکھیں اُبل کر باہر آ گئیں۔ علیکہ حق دق اس لڑکی کی سب حرکتیں دیکھ رہی تھی۔

''ایم سوری کون ہو تم؟'' عتبہ گڑبڑا گیا۔

''اوہ تو اب میں کون ہو گئی۔ یاد کرو عتبہ ڈارلنگ ابھی کل کی تو بات ہے جب مجھے بانہوں میں لے کر جھوم رہے تھے۔'' اس کے الفاظ علیکہ کے آر پار ہو گئے۔ عتبہ بھڑک کے اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو۔ میں تمہیں جانتا بھی نہیں ہوں۔ تم ہو کون۔''

''میں وہی ہوں عتبہ جس کے ساتھ عمر بتانے کے وعدے کیے ہیں تم نے، جس کے ساتھ تمہاری ہر شام گزرتی ہے۔ جس کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا ہے تم نے۔'' علیکہ کی برداشت ایک دم جواب دے گئی۔ لمحہ لگا تھا اسے کرسی سے اٹھ کھڑے ہونے میں۔

''علیکہ میری بات سنو۔'' عتبہ کے تو طوطے اڑ گئے۔

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم کس کے ساتھ ڈنر کرتے ہو یا کس کے ساتھ شامیں گزارتے ہو۔ مجھے اس سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے کہ تم کس سے شادی کرتے ہو، لیکن مجھے بے تحاشا فرق پڑتا ہے جھوٹ سے۔ اگر آج تمہاری اس لڑکی سے کمٹمنٹ تھی تو تمہیں مجھے ڈنر کے لیے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ نفرت ہے مجھے جھوٹ سے۔'' نہ جانے کیوں علیکہ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ بیگ اٹھا کر وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر آ گئی۔ عتبہ پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے دوڑا تھا۔

''علیکہ میری بات سنو رانی! میں اس لڑکی کو جانتا بھی نہیں ہوں۔ مجھے نہیں پتا وہ کون ہے۔ سراسر جھوٹ بول رہی ہے۔ یار پلیز دو منٹ میری بات سن لو۔'' عتبہ اس کے پیچھے بھاگتا ہلکان ہو رہا تھا لیکن علیکہ قطعاً اس کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔

''علیکہ رکو تو بات تو سنو۔ تمہارے علاوہ اور کسی سے شادی کا وعدہ نہیں کیا۔ خدا کی قسم یار تمہارے علاوہ اور کسی سے محبت نہیں کرتا میں۔'' علیکہ نے ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی کو روکا تھا۔ سن ہوتے دماغ سے یہ بھی نکل گیا کہ وہ اپنی گاڑی میں آئی تھی۔ عتبہ اسے روکتا رہ گیا۔ الٹے پاؤں بھاگتا ہوا ہوٹل واپس آیا تو وہ لڑکی کہیں بھی نہیں تھی۔ کاؤنٹر پر بل ادا کر کے وہ بھاگتا ہوا باہر آیا۔ گاڑی نکالی اور دیوانہ وار علیکہ کے گھر کی طرف دوڑا دی۔ علیکہ اس سے پہلے گھر پہنچ چکی تھی۔

''علیکہ رانی پلیز! دروازہ کھولو۔'' اس نے زور سے دروازہ بجایا۔

''جو چاہے قسم اٹھوالو، جیسے چاہے امتحان لے لو لیکن پلیز میری بات کا یقین کرو۔ میں اس لڑکی کو نہیں جانتا۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' صفائیاں دے دے کر وہ تھک گیا۔

''رانی دروازہ نہیں کھولو گی تو ساری رات تمہاری دہلیز پر بیٹھا رہوں گا۔'' وہ تھک ہار کر وہیں گر گیا۔ علیکہ بالکل چپ تھی۔

''قسم کھا رہا ہوں مر جاؤں گا لیکن یہاں سے ہٹوں گا نہیں۔'' وہ وہیں دروازے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ ساری رات وہ وقفے وقفے سے دروازہ بجا بجا کر اسے پکارتا رہا لیکن علیکہ کی چپ ٹوٹ کر نہ دی۔ ساری رات گزر گئی لیکن اس نے دروازہ نہ کھولا۔ صبح چار بجے کے قریب عتبہ نے ایک آخری کوشش کرنی چاہی۔

''علیکہ رانی! تمہیں اس شخص کی قسم جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ خدا کے واسطے بس ایک منٹ بات سن لو۔'' اب تو اس کی دستک سے بھی تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ نہ جانے کیسے علیکہ نے چپ چاپ دروازہ کھول دیا۔ اس کی سرخ خوابیدہ آنکھیں دیکھ کر عتبہ تڑپ گیا۔

''کہو۔'' انتہائی بے تاثر چہرے کے ساتھ اس نے سوال کیا تھا۔

''رانی میں مر جاؤں گا تمہارے بغیر۔ قسم سے مر جاؤں گا۔'' عتبہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

''تو مر جاؤ۔'' انتہائی سفاکی سے کہتے ہوئے علیکہ نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ عتبہ کی ہر صفائی، ہر دلیل، ہر آنسو بے کار چلا گیا۔ انتہائی تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا وہ سیڑھیاں اترتا ہوا آ گیا۔ آنکھوں میں بار بار پانی آ رہا تھا۔ ذہن بالکل سن ہو رہا تھا۔ گاڑی کی اسپیڈ تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی۔

''تو مر جاؤ۔'' ہر سو بس علیکہ کا یہ فقرہ گونج رہا تھا۔ آنکھوں میں آئے پانی کو رگڑ کر صاف کرتے ہوئے وہ سامنے سے آتے ٹرک کو دیکھ نہ سکا اور فل اسپیڈ کار اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ ذہن کے پردے پر علیکہ کا روتا ہوا چہرہ لہرایا تھا۔

☆.....☆

موبائل کی لگاتار وائبریشن سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے جلدی سے گھڑی کی طرف دیکھا لیکن ابھی تو الارم بھی نہیں بجا تھا۔ مندی مندی آنکھوں سے اس نے موبائل اسکرین کو گھورا۔ کسی انجان نمبر سے کال تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے موبائل کان سے لگا لیا۔

''آپ عکرمہ نور بات کر رہے ہیں۔'' آواز بھی انجان تھی۔

''جی بات کر رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''آپ کسی عتبہ صدیقی کو جانتے ہیں۔'' اب کے عکرمہ کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اپنے پہلو میں دیکھا۔ عتبہ کا بستر خالی تھا۔ اس کا مطلب وہ پوری رات باہر ہی رہا تھا۔

''جی وہ میرا دوست ہے، کیا ہوا ہے۔'' وہ پریشان ہو گیا۔

''آپ کے دوست کا تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے انتہائی سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ کچھ لوگ انہیں سول اسپتال چھوڑ کر گئے ہیں۔ آپ فوراً پہنچیں ان کی حالت بے حد نازک ہے۔'' عکرمہ کی ساری نیند اڑ چھو ہو گئی۔

''میں آ رہا ہوں ابھی آ رہا ہوں۔'' لرزتے کانپتے ہاتھوں سے کال کٹ کرتے ہوئے اس نے صرف گاڑی کی چابیاں اور والٹ اٹھایا اور پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا باہر آ گیا۔ ذہن میں بار بار عتبہ کا ہنستا مسکراتا چہرہ آ رہا تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اس کے پاس سے اٹھ کر گیا تھا۔ دھواں دھار گاڑی چلاتے ہوئے وہ اسپتال پہنچا۔ ایمرجنسی وارڈ کا ڈاکٹر اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر اس کے قریب آیا۔

''عکرمہ نور.....'' اس نے یقین دہانی چاہی۔

''جی وہ بچ تو جائے گا نا۔'' عکرمہ کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔

''جان بچانا اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے بس میں صرف کوشش کرنا ہے اور وہ میں پوری طرح

کروں گا۔ بہت خون بہہ گیا ہے۔ کافی جگہ فریکچرز ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے تو ان کے لیے خون کا انتظام کریں۔'' ڈاکٹر اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''میرا لے لیں، ہمارا بلڈ گروپ ایک جیسا ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''ٹھیک ہے، لیکن ایک اور بندہ بھی بلوالیں، صرف آپ کا کافی نہیں ہوگا اور میں کچھ انجکشنز اور ڈرپس لکھ کر دیتا ہوں۔ جلدی سے یہ لے کر آئیں۔'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے عکرمہ نے پہلے خون دیا پھر دوائیں لے کر آیا۔ عتبہ کا پورا وجود سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ بند آنکھیں..... خاموش لب وہ زیادہ دیر تک دیکھ نہ سکا۔ دواؤں سے فارغ ہو کر اس نے عتبہ کو کال کی۔ وہ مدہوش ہو کر سو رہا تھا۔

''عینی تو کہاں ہے اس وقت؟'' وہ کال ریسیو کرتے ہی بولا۔

''اپنے بستر میں۔'' عینیہ مدھم سی آواز میں بولا۔

''تو فوراً اسپتال پہنچ یار، تیرا خون چاہیے۔'' عکرمہ جلدی سے بولا۔

''اب تو میرا خون پی پی کر گزارہ کرے گا کیا۔'' عینیہ کو مذاق سوجھ رہا تھا۔

''عینیہ یار پلیز جلدی سول اسپتال پہنچ۔ عتبہ کا آج صبح انتہائی سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ اسے خون چاہیے، پلیز یار۔'' عکرمہ بس ہو گئی۔ عینیہ تیر کی طرح سیدھا ہوا تھا۔

''زیادہ خطرہ تو نہیں ہے۔'' وہ ہنسی سے نکلتے ہوئے بولا۔

''وہ سر سے لے کر پاؤں تک سفید پٹیوں میں جکڑا پڑا ہے۔ چھ بوتلیں خون کی لگ چکی ہیں اسے۔'' عکرمہ سے خود پر قابو رکھنا دوبھر ہو رہا تھا۔

''میں آرہا ہوں پریشان نہ ہو۔'' پندرہ بیس منٹ تک عینیہ اسپتال پہنچ گیا۔

''کہاں دینا ہے خون۔'' وہ عکرمہ کے پاس آتے ہوئے بولا۔

''ڈاکٹر ان کا خون لے لیں۔ بلڈ گروپ وہی ہے۔'' ڈاکٹر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے عینیہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ کچھ دیر بعد وہ فارغ ہو کر باہر آیا تو ڈاکٹر ایک نرس کے ہمراہ ان دونوں کی طرف آیا۔

''ان کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے تو بلوالیں۔'' وہ بولا۔

''کیوں ڈاکٹر خیریت تو ہے۔'' عکرمہ اور پریشان ہو گیا۔

''دیکھیں ہمارے بس میں صرف دوا کرنا ہے۔ زندگی یا موت دینا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا لیکن..... اگر بالفرض ناکامی ہوئی تو اسپتال ذمہ دار نہیں ہوگا۔ یہاں سائن کر دیں۔'' نرس نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ عکرمہ سن رہ گیا۔

''ڈاکٹر پلیز اسے بچالینا۔'' عکرمہ کی انگلیوں میں لرزاہٹ ہو رہی تھی۔

''حوصلہ کر۔'' عینیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اس کا سب سے زیادہ قریبی عکرمہ ہی ہے ڈاکٹر۔'' دھیرے سے کہتے ہوئے عینیہ نے کاغذ پکڑ کر عکرمہ کے آگے کر دیا۔

''ہمت کر، اللہ بہتر کرے گا۔'' کانپتی انگلیوں سے اس نے وہ کاغذ سائن کر دیا۔

''دعا کریں۔'' ڈاکٹر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تھا۔

''عتبہ کس کے ساتھ تھا ساری رات۔'' عینیہ نے پوچھا تو عکرمہ چونک گیا۔

''وہ علیکہ کے ساتھ ڈنر کرنے گیا تھا۔'' دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے فوراً علیکہ کا نمبر ملایا لیکن اس نے پندرہویں دفعہ میں بھی کال ریسیو نہیں کی۔

''نہیں اٹھا رہی۔'' تھک ہار کر اس نے موبائل ایک طرف پھینک دیا۔

''تو اپنی مام کو کال کر کے دیکھ، شاید وہ آجائیں۔'' عکرمہ نے کہا۔ عینیہ نے کئی دفعہ عروہ کا نمبر ملایا لیکن ان کا موبائل بند تھا۔

''مام کا سیل آف ہے۔'' وہ دھیرے سے کہتے ہوئے عزین مرزا کا نمبر ملانے لگا۔ صد شکر انہوں نے اٹھالیا۔

''ڈیڈ مام کہاں ہیں، فون بند ہے ان کا۔'' وہ کال ریسیو کرتے ہوئے بولا۔

''وہ تو ایک کانفرنس کے سلسلے میں آج صبح ہی اسلام آباد چلی گئی ہے تم کہاں ہو۔'' وہ بولے۔ عینیہ نے انہیں ساری تفصیل بتادی۔

''میں اور عکرمہ اسپتال میں ہیں ڈیڈ! عتبہ کا آپریشن ہو رہا ہے۔ آپ کا مام سے کوئی رابطہ ہو تو انہیں بتا دیں۔'' بوجھل دل سے کہتے ہوئے اس نے کال کٹ کر دی۔

''مام اسلام آباد گئی ہوئی ہیں۔'' وہ عکرمہ کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

''پتا نہیں علیکہ کس حال میں ہوگی۔'' عکرمہ کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

☆.....☆

آج پھر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تو رونا آگیا۔ رو رو کر تھک گئی تو وہ پھر یاد آنے لگا۔

''میری خاطر مرزا صاحب سے نہ لڑا کرو۔'' صرف اس کی باتیں۔

''مجھے اس قدر عزت نہ دیا کرو۔'' صرف اس کی یادیں۔

وہ ذہن جھٹک نہیں پا رہی تھی۔ اسے اگنور نہیں کر پا رہی تھی۔

''دیکھا تم باز نہیں آئیں ناں۔'' کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔

''میں کیا کروں میرے بس میں نہیں ہے۔'' وہ بے بس تھی۔

''تو ایسے تنہائی میں اسے یاد کرنے سے کیا فائدہ۔ ایسے تو اسے پتا نہیں چلے گا تمہاری محبتوں کا۔ تمہاری شدتوں کا۔ جا کر اسے ایک دفعہ بتاؤ تو سہی۔ کہو تو سہی کہ اس سے پیار کرنے لگی ہو۔'' کہنے والا سچ کہہ رہا تھا۔

''وہ نہ مانا تو..... اسے کوئی سروکار ہی نہ ہوا تو۔'' عمایہ کے دل نے خدشہ اٹھایا۔

''تو صبر کر لینا۔'' بہت آسان سا حل تھا۔ اسے ٹوٹ کر رونا آیا۔

''کیسے صبر کروں گی۔ کیسے یقین دلاؤں گی خود کو کہ وہ میرے لیے نہیں ہے۔ ہر وقت تو یاد آتا ہے۔ ہر لمحہ تو ذہن پر سوار رہتا ہے۔ پرچھائی بن کر میرے ساتھ چلتا ہے۔ اس پرچھائی کو کیسے خود سے الگ کروں گی۔'' وہ روئے جا رہی تھی۔

''پہلے اسے حال دل سناؤ تو پھر دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ اسے کہو کہ زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ اسے کہو کہ تمہیں اپنے دل کا شہزادہ بنانا چاہتی ہوں۔ نہ مانے تو ضد کرنا بار بار اصرار کرنا ہاتھ جوڑ کر منت کر لینا لیکن..... ضرور منالینا ہر قیمت پر منالینا۔'' دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

(جاری ہے)

صدف سعد

ردا کی ڈائری

سعدیہ جواد کی ڈائری سے

محمد مختار علی کا کلام

رکھتے ہو اگر آنکھ تو حیرت بھی خریدو
دل ہو تو ذرا درد کی دولت بھی خریدو
مل بیٹھ کے رونے کے بھی اب دام لگیں گے
اپنے لیے اپنوں کی رفاقت بھی خریدو
حق بات کا اظہار بھی کافی نہیں اب کے
حق پر ہو تو یاروں کی حمایت بھی خریدو
عجلت میں ملتے ہو میرے دوست ہمیشہ
اس وقت سے اپنے لیے فرصت بھی خریدو
گمنامی بھی اعزاز ہے نعمت ہے سکون ہے
معیار سے گر جاؤ تو شہرت بھی خریدو
کیا کچھ نہیں بچوں کے لیے تم نے خریدا
تھوڑی سی اب اردو کی محبت بھی خریدو
شاعر ہو تو شعر کہو میری زمین میں
افسانہ بنے ہو تو حقیقت بھی خریدو
اس بار جو مختار وطن لوٹ کے جاؤ
بازار سے ماں باپ کی خدمت بھی خریدو

ریمان نور رضوان کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی نظم

نہ وعدہ ہے کوئی تم سے
رشتہ نبھانے کا
نہ کوئی اور ہی دل میں
تہیہ یا ارادہ ہے
کئی دن سے مگر دل میں
عجب الجھن سی رہتی ہے
نہ تم اس داستاں کے
سرسری کردار ہو
نہ قصہ اتنا سادہ ہے
تعلق جو میں سمجھا تھا
کہیں اس سے زیادہ ہے

شہلا گل سحر کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

مانگا تھا کبھی دسمبر کی
بارش میں اس نے ہمیں
سنو!
اب دسمبر کی بارش میں
ایک خواہش روتی رہتی ہے
پورا دسمبر
میرے اندر
بارش ہوتی رہتی ہے

عائشہ انجم کی ڈائری سے

حسن عباسی کی نظم

محبت کرنے والے آج
اظہار محبت کر رہے ہیں پر
تمہارے ہاتھ میں جو پھول ہے اس کو
محبت کے صحیفے میں کہیں رکھ دو
کہ اظہار محبت تو دنوں کی قید سے آزاد ہوتی ہے

محبت میں روایت پھول دینے کی
بہت ہی خوب صورت ہے
مگر تم آج مجھ کو پھول مت دینا
تقاضے میری چاہت کے ہیں کچھ اور
کہ میرے پیار کی رسمیں زمانے سے جدا ہیں کچھ

عذرا ناصر کی ڈائری سے

سعد اللہ شاہ کی غزل

کوئی بات نہ سہاری جائے
زندگی کیسے گزاری جائے
اب تماشا نہیں دیکھا جاتا
نوٹ پھینکو کہ مداری جائے
عشق بازی بھی عجب بازی ہے
جیتی جائے نہ ہاری جائے
جھیل، بادل یا موسم خرام
تیری صورت اُتاری جائے
میری قسمت تو نہیں زلف تیری
جب سنوارو، یہ سنواری جائے
چیز ہوتی ہے اُسی کی جاناں
نام سے جس کے پکاری جائے
سعد آتی ہے مجھے سانس تو یوں
جیسے اک پیڑ سے آری جائے

اقراء کی ڈائری سے

تابش کمال کی خوبصورت نظم

اسے کہنا
اگر آئے تو ساتھ اپنے
کوئی جگنو کوئی تارا بھی لے آئے
کہ میرا دل
میرے گھر کی طرح
تاریک رہتا ہے

صائمہ رضوی کی ڈائری سے

ناصر زیدی کی غزل

سامنے تو ہو تو کدھر دیکھوں
تو ہی محسوس ہو جدھر دیکھوں
جانے کیوں تجھ سے جی نہیں بھرتا
جس قدر چاہوں، جس قدر دیکھوں
تو ہی کافی ہے عمر بھر کے لیے
اور تجھ سا نہ عمر بھر دیکھوں
جھیل جیسی ہیں وہ کنول آنکھیں
ان میں اک روز ڈوب کر دیکھوں
ایک ہی شخص ہے بہت ناصر
کیوں کوئی اور ہم سفر دیکھوں

ماہم سمیع کی ڈائری سے

مریم ماہ منیر کی نظم

چاہتوں کی منزل تک
خواب نگر کے رستے میں
گر رکاوٹیں انگنت
قدم تمہارے تھکا ڈالیں
چاہتوں کے بدلے میں
نفرتوں کے سلگی ہوں
پیار بھری باتوں کو
طنز بھرے لہجوں کا
سامنا ہر سو ہو
سن او رفیق میرے
تم کو چلتے رہنا ہے اس وقت تک
خواب نگر تک جاتی راہ
تم کو چاہتوں کی منزل تک
خود ہی حوصلوں کے ساتھی
کو سنگ تمہارے ہمقدم نہ کر دے

......☆......

نورین ملک

اشعار

مریم ماہ منیر ـــــــ لاہور

کہنے کو تو رات بیت چکی ہے لوگ کہتے ہیں
میرے دکھ کی رات نہ کٹے تو میں کسے کوسوں

سپاس گل ـــــــ رحیم یار خان

عشق کرنا ثواب ہے کوئی
یہ تو جاناں عذاب ہے کوئی
چین ملتا ہے نہ نیند آتی ہے
ایسا خانہ خراب ہے کوئی

سیدہ عروج فاطمہ ـــــــ ملتان

رحم آتا ہے اپنی آنکھ پر
آنسو بہاتی ہیں گزری باتوں پر

فرزانہ شوکت ـــــــ کراچی

پیاس کہتی ہے کہ اب ریت نچوڑ دی جائے
اپنے حصے میں سمندر نہیں آنے والا

مریم ناز ـــــــ پشاور

عشق بازی بھی عجب بازی ہے
جیتی جائے نہ ہاری جائے
چیز ہوتی ہے اسی کی جاناں
نام سے جس کے پکاری جائے

سنبل احمد ـــــــ کراچی

ماضی کی گود میں رکھ آئے خواب اور خواہش
اک روگ بن گیا تھا اس وبال کا شعور
وہ پکارے تو دل لوٹ آتا ہے خوشی سے
پنچھی بھول جاتا ہے ہر بار نئے جال کا شعور

جاناں خان ـــــــ کوئٹہ

میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا
وہی رونا تن و دل و جان کا
اس طرح کے وصال سے یارب
کیا مٹے داغ دل سے ہجراں کا

علوینہ ارمان ـــــــ کراچی

خیال یار کو عہد جنوں میں کیا کیجیے
شب فراق گزر جائے دعا کیجیے
بچھڑنا اُن کا قیامت سے کم نہیں لوگو
نہ زندگی کو مری، مجھ سے یوں جدا کیجیے

وانیہ ـــــــ حیدر آباد

کب تلک شمع جلی یاد نہیں
شام غم کیسے ڈھلی یاد نہیں
اس قدر یاد ہے اپنے تھے سبھی
کس نے کیا چال چلی یاد نہیں

عنایہ بلال ـــــــ لاہور

اک لامحدود اداسی ہے
اک بے پرواہ محبت کے بعد

عمیمہ ظہیر ـــــــ کراچی

اس تلخ ہو اسے برسر پیکار ہم بھی تھے
اپنے ہی گھر میں بے درودیوار ہم بھی تھے
دامن دریدہ تم ہی نہیں تھے فقط وہاں
بے آبرو کھڑے سر بازار ہم بھی تھے

بسمہ فاطمہ ـــــــ اٹک

کہاں ممکن تھا اس دل سے تیری یادیں مٹا دیتا
بھلا کیسے میں جیتا پھر اگر تجھ کو بھلا دیتا
تیری رسوائی کے ڈر سے لبوں کو سی لیا ورنہ
تیرے شہر منافقت کی میں بنیادیں ہلا دیتا

واحبہ عدنان ـــــــ سبی بلوچستان

وہ اگر مل کر بچھڑتا تو کوئی بات بھی تھی
جس کو پایا ہی نہیں اسے کھونا کیسا

ثناء علی ـــــــ کراچی

ثبوت عشق کو بس ایک ٹھنڈی آہ کافی تھی
گنوا دی زندگی ہم نے مثالیں اور دلیلوں میں

اقصیٰ احمد ـــــــ حیدر آباد

اک خواب ہے اس خواب کو کھونا بھی نہیں ہے
تعبیر کے دھاگوں میں پرونا بھی نہیں ہے
لپٹا ہوا ہے دل سے کسی راز کی طرح
وہ شخص جس کو میرا ہونا بھی نہیں ہے

عائشہ حمد ـــــــ میر پور خاص

جو ہو سکے تو بھلا دینا رنجشیں دل کی
محبتوں کا تقاضہ ہے در گزر کرنا

آمنہ خان ـــــــ اسلام آباد

لوگ کیوں بس کے اجڑ جاتے ہیں کبھی سوچا ہے
کس لیے جاں سے گزر جاتے ہیں کبھی سوچا ہے
جو نظر آتے ہیں آئینہ سی پوشاکوں میں
وہ بھی مٹی میں اتر جاتے ہیں کبھی سوچا ہے

حمیرہ ظفر ـــــــ کراچی

جب لوگ ہی جذبوں کی توقیر نہیں کرتے
ہم بھی کوئی دکھ اپنا تحریر نہیں کرتے
دل چیرتا ہے کیسے لہجے کا روکھا پن
کرتی ہے زبان وہ کچھ جو تیر نہیں کرتے

عافیہ وسیم ـــــــ سیالکوٹ

میں دھڑکتا ہوں تیرے سینے میں دل کی حسرت
اے مرے دشمن جاں اور دعا دے مجھ کو
اُف شب غم کا وہ ٹھہرا ہوا لمحہ محسن
جب مرے وہم کی آہٹ بھی جگا دے مجھ کو

ہانیہ عرفان ـــــــ لاڑکانہ

کبھی مہرباں کبھی آشناؤں جیسا ہے
مزاج اس کا عجیب دھوپ چھاؤں جیسا ہے
قتیل میں کس دل سے اس کو بے وفا کہوں
وہ بے وفا نہیں بے وفاؤں جیسا ہے

عروبہ شیخ ـــــــ ٹوبہ ٹیک سنگھ

رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے
تم جو بچھڑے تو یہ بھی نہ سوچا
کہ ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

وریشہ لئیق ـــــــ کراچی

کتنا رویا تھا میں تیری خاطر
اب جو سوچوں تو ہنسی آتی ہے

رابعہ منیر ـــــــ کراچی

یوں ہی ختم ہجر کا باب ہوئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہوئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب تو مجھ سے آملے
گئے رتجگوں کا حساب ہوئے سال میں

عاصمہ رشید ـــــــ فیصل آباد

سال نو میں گلاب ڈھیروں کھلانے ہیں
روٹھے ہوئے دوست سارے منانے ہیں
بند آنکھوں میں جو چھپ رہے ہیں ریت کی طرح
پلکوں کو کھول کر آنسو سارے گرانے ہیں

......☆......

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

''مجھے تم پر اعتبار نہیں'' یہ شاید آخری جملہ تھا جو اس کے کانوں نے سنایا پھر مزید کچھ کہنے کو ہی نہیں رہ گیا تھا یہ الفاظ سن کر اس کی زبان کو بریک لگ گیا تھا وہ ہذیانی کیفیت میں قدم قدم دور ہوتی گئی اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو کر اس کا سہارا لیا تھا۔ اس لمحے اسے کچھ یاد نہ تھا۔ تمام احساسات کہیں منوں مٹی تلے جا دفن ہوئے تھے۔ احساس ہوا تو بس یہ کہ وہ اب تک جس چیز کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھ کر اپنے حال میں خوش و مگن تھی وہ تو سب فریب تھا دھوکہ تھا، اس کی خوش فہمی تھی۔ درحقیقت زندگی کے ان چار سالوں میں وہ تو سب کچھ لٹا چکی تھی۔ اپنی زندگی کی آخری جمع پونجی تک۔ اب اس کی حالت ایسے فقیر کی سی تھی جو اپنا سب کچھ لٹا کر اپنے لوٹنے والے کے در پر سر جھکائے اس آس میں ساری زندگی گزارتا ہے کہ کبھی تو اس کے لوٹنے والا اس کی جانب نظر کرے۔ اپنا جھوٹا، اپنی اترن ہی اسے دے پر دے تو سہی کہ یہی جھوٹا اور اترن ہی اب اس کا مقدر ہے۔

اقتباس ''اعتبار کیا'' تحریر: مریم ماہ منیر
انتخاب: صالحہ انجم۔ ڈسکہ

اس ماہ کی معلومات

☆ ہاتھی کے دماغ کا وزن 11 پونڈ کا ہوتا ہے اور رفتار 30 میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

☆ پرندوں میں سب سے زیادہ عمر کوے کی ہوتی ہے۔

☆ چمگادڑ ایسا جانور ہے جو اڑتا بھی ہے اور دودھ بھی دیتا ہے اس کو دیکھ کر ہی انسان کے ذہن میں ریڈار بنانے کا خیال آیا۔

☆ دنیا کے تیز ترین خطرناک جانوروں میں سرفہرست مچھر ہے۔ مچھر انسانی اموات کی وجہ بھی ہے۔ یہ تقریباً تمام دنیا کے ممالک میں پایا جاتا ہے لیکن گرم علاقوں میں زیادہ متاثر کرتا ہے۔ انسان میں بہت سی خطرناک بیماریوں کا باعث بنتا ہے مثلاً ڈینگی، ملیریا، زرد بخار۔

☆ بلیک ممبا براعظم افریقہ میں بکثرت دیکھنے کو ملتا ہے یہ دنیا کے زہریلے سانپوں میں سے ایک ہے اس کی لمبائی تقریباً 14 فٹ تک ہوتی ہے کوبرا سانپ کے بعد دوسرا تیز ترین سانپ یہ ہے۔

☆ امریکن سیاہ ریچھ شمالی امریکہ کے جنگلات اور پہاڑیوں میں رہتا ہے۔ اس کا وزن 400 کلو گرام اور لمبائی چار سے چھ فٹ تک ہوتی ہے۔

☆ ریچھ کی سب سے نایاب نسل پولر سپیشیز ہے یہ بحر منجمد کے شمالی علاقہ جات میں پایا جاتا ہے، اس کو برفانی ریچھ یا سفید ریچھ بھی کہا جاتا ہے۔

اس ماہ کی غزل

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کے تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

رابعہ منیر۔ سرگودھا

اس ماہ کے لطیفے

شوہر: ''آلو کے پراٹھوں میں آلو تو نظر نہیں آرہے ہیں۔''
بیوی بولی۔ ''چپ کر کے کھاؤ۔ کشمیری پلاؤ میں کشمیر نظر آتا ہے۔''

☆

دنیا چاند پر پہنچ گئی ہے اور ہمیں یہ فکر لگی رہتی ہے کہ آج جانو نے گڈ مارننگ والا میسج کیوں نہیں کیا۔ کیا خاک ترقی کرنی ہے ہم نے۔

☆

کچھ لڑکیاں تین سو لفظ فی منٹ کے حساب سے پونے تین گھنٹے مسلسل بول بول کر تھکنے کے بعد جوس کا سپ لیتے ہوئے بولتی ہیں۔ ''بس میرا منہ نہ کھلواؤ۔''

☆

ساس: ''آج میری بیٹی اتنی خاموش کیوں بیٹھی ہے؟''
داماد: کچھ نہیں لائٹ گئی ہوئی تھی اس نے لپ اسٹک مانگی میں نے ایلفی دے دی۔ شاید اسی بات پر ناراض ہے مجھ سے۔''

☆

بیوی شوہر سے۔ ''آپ قربانی کا جانور کب لائیں گے؟''
شوہر: ''بیگم مجھے ہی ذبح کر لو۔''
بیوی: ''گدھے کی صرف کمائی حلال ہے قربانی نہیں۔''

☆

بیوی: ''تم مجھے ایسی دو باتیں بولو کہ ایک سے میں خوش ہو جاؤں اور دوسری سے مجھے غصہ آجائے۔''
شوہر: ''پہلی بات، تم میری زندگی ہو۔''
بیوی: ''دوسری بات بتاؤ نا جلدی سے۔''
شوہر: ''دوسری بات لعنت ہے ایسی زندگی پر۔''

اس ماہ کی کتاب

The First Felio

ولیم شیکسپیئر کے کام کا مجموعہ ہے جو پہلی بار اس تخلیق کار کی موت کی صرف سات برس بعد یعنی 1623ء میں شائع ہوا تھا اسے

Mr Willium
Shakespeares Comidies
Histories and Tragedies.

کا نام بھی دیا جاتا ہے تاہم آج کے نقاد اور دانشور اسے The First Felio کے مختصر نام

Ridadigest.com

سے یاد کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے پہلی بار Felio کے انداز میں شائع کیا گیا تھا۔ اس میں شیکسپیئر کے 36 کھیل شامل ہیں اور انگریزی ادب کی دنیا میں اسے شیکسپیئر کا سب سے زیادہ معتبر مجموعہ قرار دیا جاتا ہے۔

نگہت توقیر۔ چیچہ وطنی

اس ماہ کے اقوال

☆ خدا کی راہ میں کوشش کرو اور کبھی پیچھے نہ ہٹو کیونکہ خدا نے تم سے کوشش چاہی ہے، نتیجہ نہیں۔

☆ جاہلوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان کی دلیل مقابل کے آگے نہیں چلتی تو وہ لڑنا شروع کردیتے ہیں۔

☆ جو لوگ طاقت رکھتے ہوئے بھی چشم پوشی کریں سوائے صبر کے اس سے زیادہ خطرناک انسان کوئی نہیں وہ اپنے صبر سے ہی سامنے والے کی دنیا و آخرت خراب کردیتے ہیں اور اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔

☆ زمانے کا شکوہ نہ کرو بلکہ خود کو بدلو کیونکہ پاؤں کو گندگی سے بچانے کا طریقہ جوتا پہننا ہے نا کہ شہر میں قالین بچھانا۔

شمائلہ قیصر۔ کراچی

اس ماہ تل کے بارے میں

☆ سر پر تل: عورت کے ہو تو وہ نیک بخت ثابت ہوگی اور مرد کے ہو تو وہ ہر دلعزیز اور عزت پائے گا۔

☆ ابروؤں کے درمیان تل: عورت کے ہو تو وہ وفادار ہے اور مرد کے ہو تو اسے خوش مزاج بیوی ملنے کی دلیل ہے۔

☆ دائیں رخسار پر تل: عورت کے ہو تو بلند اقبال شوہر ملنے کی نشاندہی ہے اور مرد کے ہو تو وہ مالدار اور خوش اطوار اور نیک شوہر ثابت ہوگا۔

☆ بائیں رخسار پر تل: عورت کے ہو تو شادی کے بعد اسے کچھ مسائل کا سامنا کرنا ہوگا اور مرد کے ہو تو وہ غریب ناکام عاشق اور سہل پسند ہوسکتا ہے۔

☆ ٹھوڑی پر تل: عورت کے ہو تو اس کے نیک بخت ہونے کی علامت ہے اور مرد کے ہو تو وہ قابل علم، مالدار مگر کفایت شعار ہوگا۔

☆ ہتھیلی پر تل: عورت کے ہو تو وہ ہمیشہ خوش و خرم زندگی گزارے گی اور مرد کے ہو تو وہ دولت مند اور خوش نصیب ہوگا۔

☆ لب پر تل: عورت کے ہو تو اس کی شادی کسی امیر کبیر مرد سے ہوگی اور مرد کے ہو تو بہت کامیاب حیادار اور عالم ہونے کی نشانی ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اس ماہ کی خوب صورت بات

شوہر اپنی بیوی کے دل پر اسی وقت راج کر سکتا ہے جب وہ اس کے دل سے عزت کرے گا۔

ریما نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کچھ ڈائری سے

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

بعض اوقات انسان کی زندگی میں ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں جو اس کی زندگی کے دھارے کو موڑ کر رکھ دیتے ایسی صورت میں انسان حالات سے سمجھوتہ کرنے میں بھرپور توانائی صرف کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے اسے

ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے پھر وہ مرحلہ بھی آجاتا ہے جب انسان بالکل بے بس ہو جاتا ہے۔ مسلسل ناکامیاں اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہیں اسے وہ وقت یاد آتا ہے جب اس نے دن رات محنت کر کے وہ مقام حاصل کیا ہوتا ہے جہاں سے منزل چند قدم کے فاصلے پر ہوتی ہے اس کی مثال ایک ایسے کوہ پیما کی سی ہوتی ہے جو چوٹی سر کرنے کی مہم پر جائے اور عین آخری چوٹی کے قریب اس کا پاؤں پھسل جائے۔ ایسی صورت میں اس سے بدقسمت انسان کوئی ہوسکتا ہے سے ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا دکھائی دیتا ہے اور دور کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی، یہی وقت خطرناک ہوتا ہے ایسی صورت میں انسان کچھ بھی کرسکتا ہے کچھ بھی زندگی اسے بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے جو اس پر زبردستی لاد دیا گیا ہو اس کے لیے جینا دوبھر ہو جاتا ہے اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ انسان منزل کے قریب ہونے کے باوجود منزل کو کیوں نہیں پا سکتا؟ انسان اتنا بے بس کیوں ہوتا ہے؟ آخر ایسے حالات کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کا قطعہ

تجھ سے دنیا میں ہے وقار وطن
تیری حرمت پہ جاں نثار وطن
تو میری ہر خوشی کا مرکز ہے
کیوں نہ ہو تجھ سے مجھ کو پیار وطن

راؤ تہذیب حسین تہذیب۔ رحیم یار خان

اس ماہ کچھ خاص!

☆ روز قیامت پہلے جو مقدمہ پیش ہوگا وہ دو پڑوسی ہوں گے۔

☆ دو چیزوں کو انتہا تک نہیں پہنچایا جاسکتا، ایک علم دوسری عقل۔

☆ دشمن کی تنقید کا چراغ لے کر بڑھو گے تو منزل کا سراغ مل جائے گا۔

☆ جن یادوں کو یاد کر کے انسان کو تکلیف ہوتی ہو، انہیں بھول جانا ہی بہتر ہے۔

☆ بددعا کبھی زبان سے نہیں دی جاتی بلکہ دکھا ہوا دل خود ایک بڑی بددعا کی گزرگاہ بن جاتا ہے۔

☆ بددیانت اور جھگڑالو شخص کامیاب زندگی بسر نہیں کرسکتا۔

☆ ماں باپ کی دعائیں لو، ہمیشہ پھولوں کی طرح مہکتے رہو گے۔

☆ سچائی کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کرسکتی۔

☆ شریف طبیعت کا انسان حساس اور ہمدرد ہوتا ہے۔

☆ جسم کا آرام، کم کھانے سے ہے۔

☆ سلام گرم جوشی سے کرو، اس سے محبت پائیدار ہوتی ہے۔

☆ بے پروائی، زندگی کو بے کار بنا دیتی ہے۔

☆ مسکراہٹ محبت کی زبان ہے۔

☆ خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔

سید امتیاز۔ کراچی

.....☆.....

Ridadigest.com

نورین ملک

خوشبو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوں گی۔ اس سے آگے بڑھنے والے کم ہوں گے۔'' (ترمذی)

حضرت علیؓ نے فرمایا

جب دنیا تمہارے سامنے (پاس آئے) تو خرچ کرو کیونکہ وہ تم کو ہی پہنچے گی اور جب وہ تم سے منہ موڑے تب بھی خرچ کرو کہ آخر وہ رہنے والی نہیں ہے۔

نورین ملک۔ کراچی

قناعت پسند

اگر انسان قناعت پسند ہو تو وہ مٹی کے ٹب میں بھی خوش رہ سکتا ہے لیکن اگر وہ حریص ہو جائے تو پوری کائنات بھی اس کے لیے چھوٹی ہے۔

نور بانو۔ کوئٹہ

جنت

ایک اللہ والے فرمایا کرتے تھے کہ جنت دو قدم پر ہے، کسی نے کہا۔ ''حضرت اس کا کیا مطلب ہے؟'' فرمایا: ''اے دوست تو اپنا پہلا قدم اپنے نفس پر رکھ دے، تیرا دوسرا قدم جنت میں پہنچ جائے گا۔''

صبا سحر۔ ہارون آباد

بات تو سچ ہے مگر......!

☆ نصیحت سچی خیر خواہی ہے جسے ہم نہیں سنتے خوشامد بدترین دھوکا ہے جس پر ہم پوری توجہ دیتے ہیں۔

☆ خوب صورت عورت دیکھنے سے آنکھ لیکن نیک عورت دیکھنے سے دل خوش ہوتا ہے۔

☆ ایک ہزار قابل انسانوں کے مر جانے سے اتنا نقصان نہیں ہوتا جتنا ایک بے وقوف کے صاحب اختیار ہو جانے سے ہوتا ہے۔

☆ دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی اصلاح ہے اور سب سے سہل دوسروں پر نکتہ چینی کرنا۔

☆ جب ہم اپنی پسند کی اشیاء سے محروم ہوں تو موجود اشیاء کو ہی پسند کر لینا چاہیے۔

حنا علی۔ ملتان

ڈاکٹر

ایک خاتون اپنی پڑوسن کو بتا رہی تھی۔ ''ڈاکٹر نے مجھے کھانا پکانے سے منع کر دیا ہے۔'' پڑوسن نے اظہار ہمدردی پوچھا۔

''کیوں خیریت آپ بیمار ہیں؟''

خاتون نے جواب دیا۔ ''میں نہیں میرے شوہر بیمار ہیں۔''

رابعہ منیر۔ سرگودھا

سوا سیر

ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا۔ ''میرا نوکر اتنا بے وقوف ہے کہ میں بتا نہیں سکتا تم دیکھو میں ابھی ثابت کرتا ہوں۔'' پھر اس نے نوکر کو بلا کر کہا۔ ''یہ لو سو روپے اور سوزوکی کار لے آؤ۔''

نوکر نے سو روپے لیے اور چلا گیا۔

دوست نے کہا۔ ''یہ تو کچھ نہیں میرا نوکر تمہارے نوکر سے بھی زیادہ بے وقوف ہے، ابھی دیکھو۔'' اس نے اپنے نوکر کو بلا کر کہا۔ ''گھر جا کر دیکھ کر آؤ کہ میں گھر پر موجود ہوں یا نہیں۔'' اس کا حکم سن کر نوکر چلا گیا۔

دوسری طرف دونوں نوکر ملے تو پہلے نوکر نے دوسرے نوکر سے کہا۔ ''میرا مالک بے وقوف ہے اس نے سو روپے دے کر نئی سوزوکی کار منگوائی ہے جب کہ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ آج اتوار ہے اور سارے شوروم بند ہیں۔''

دوسرا نوکر بولا۔ ''یار میرا مالک تمہارے مالک سے بھی زیادہ بے وقوف ہے اس نے مجھے گھر بھیج کر معلوم کروایا ہے کہ وہ گھر پر موجود ہے یا نہیں جب کہ وہ یہ بات ٹیلی فون پر بھی معلوم کر سکتے تھے۔''

ریما نور۔ کراچی

بل

لڑکے نے ایک لڑکی سے پوچھا۔ ''میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''نہیں۔''

لڑکے نے کہا۔ ''سوچ لو۔''

لڑکی نے پھر کہا۔ ''کہا نا نہیں۔''

لڑکے نے ویٹر کو بلایا اور کہا۔ ''ویٹر باجی کا بل الگ بنانا۔''

ماہ نور۔ فیصل آباد

مریض

ڈاکٹر نے نرس کو بلا کر پوچھا۔ ''وہ کنجوس مریض اب کیوں ناراض ہو رہا ہے۔ آخر اب کیا ہوا؟''

نرس نے جواب دیا۔ ''وہ اب اس بات پر ناراض ہو رہا ہے کہ دوائیاں ختم ہونے سے پہلے وہ ٹھیک کیوں ہو گیا۔''

شائلہ قیصر۔ کراچی

سمرقند......!

سمرقند کے مشہور و معروف بادشاہ طمغاج خاں کی خدمت میں ایک بار شہر کے قصابوں نے بکری کے گوشت کے نرخوں میں اضافہ کرنے کی درخواست دی اور سبب یہ بتایا کہ بکریوں کی تلاش میں دو دور جانا پڑتا ہے۔ پھر انہیں ذبح کرتے ہیں، گوشت کاٹتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں۔ اس قدر محنت کے باوجود منافع کم ملتا ہے۔ انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ اگر گوشت مہنگا کرنے کی اجازت دے دی جائے تو شہر کے قصابوں کی طرف سے ایک ہزار دینار شاہی خزانے میں نذر کیے جائیں گے۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اور گوشت کے نرخوں میں قصابوں نے اضافہ کر دیا۔

اسی دن بادشاہ نے شہر میں منادی کرا دی کہ جو شخص قصابوں سے گوشت خریدے گا اسے سزا دی جائے گی۔ لوگوں نے از خود آپس کے اشتراک سے جانور کاٹنے شروع کر دیے اور قصابوں کی آمدنی بالکل بند ہو گئی۔ آخر قصابوں نے ایک ہزار دینار شاہی خزانے میں مزید داخل کرائے کہ پرانے نرخ بحال کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ بادشاہ نے اپنا پہلا حکم واپس لے لیا۔

دریافت کرنے پر طمغاج خاں نے جواب دیا۔ ''یہ بات اچھی نہ تھی کہ میں اپنی ساری رعایا کو ایک ہزار دینار میں قصابوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔''

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

ماں کوئی تجھ سے کہاں

کسی نے پوچھا ماں کون ہے؟

☆ اولاد نے کہا: ممتا کی داستاں ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

☆ شاعر نے کہا: ایسی غزل جو سنتے ہی دل میں اتر جاتی ہے۔

☆ مالی نے کہا: ایسا پھول جس کی خوشبو سے دنیا مہکتی ہے۔

☆ بادل نے کہا: ایسی دھنک جس میں ہر رنگ نمایاں ہوتا ہے۔

☆ سمندر نے کہا: ایسی ہستی ہے جو اولاد کے لاکھوں راز اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

☆ چاند نے کہا: وہ روشنی ہے جسے عقیدت کہتے ہیں۔

☆ ہواؤں نے کہا: ایسا رشتہ ہے جس کی کوئی جگہ نہیں لے سکتا۔

☆ درخت نے کہا: وہ چھائوں ہے جس کے سائے میں بیٹھ کر سکون ملتا ہے۔

☆ مصنف نے کہا: وہ لفظ ہے جسے لکھتے ہوئے سرور آجاتا ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

انکشاف

مجھے لگا تھا کہ میں خاموشی کا لباس اوڑھ کر اپنے ہاتھوں سے اپنا دل توڑ کر اور اِک دن خاردار راستوں سے گزر کر اپنی سنگت میں بیٹھ کر وہ تمام زخم بھر دوں گی جو یادوں نے میری روح پر لگائے ہیں۔ ہاں مجھے خود سے ملنے کا شوق تھا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ سناٹا میری سماعت پر پگھلے ہوئے سیسے کی مانند گرے گا۔ تب مجھ پر انکشاف ہوا دبیز اداسی انسان کو وقت سے پہلے مار دیتی ہے۔ انسان خود اپنے گلے لگ کر اتنے آنسو بہاتا ہے کہ اتنے آنسو تو کبھی کسی نے کسی کے مرنے پر بھی نہیں بہائے ہوں گے۔ میں خود سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر پھر سے دنیا کے ہنگاموں میں واپس آگئی کیونکہ کھلی ہوا میں کچھ دیر اور سانس لینا چاہتی تھی اپنی ادھوری تحریروں کو مکمل کرنا چاہتی تھی میں کچھ دیر اور جینا چاہتی تھی۔

سیدہ عروج فاطمہ۔ ملتان

خوشبو

☆ مجھے وہ دوست پسند نہیں ہے جو محفل میں میری غلطیاں چھپائے اور تنہائی میں میری غلطیوں پر مجھے سمجھائے۔

☆ تین خوبیاں انسان کو باکمال بنا دیتی ہیں ٹھنڈا دماغ۔ میٹھی زبان۔ نرم دل۔

☆ خاموشی عظیم نعمت ہے بالخصوص اس مقام پر جہاں اختلاف زیادہ، آوازیں بلند، علم کی کمی اور دلیل کی کوئی اوقات نہ ہو۔

☆ خوف خدا ایک ایسا چراغ ہے جس کی روشنی میں نیکی اور بدی صاف نظر آتی ہے۔

☆ آپ کے اخلاق کی قدر بھی لوگ اس وقت کریں گے جب آپ کے پاس دولت اور طاقت ہو۔

☆ غریب کتنا ہی خوش اخلاق ہو، لوگ اس کے اخلاق کو اس کی مجبوری سمجھتے ہیں۔

☆ زمین عقلمندوں سے تو بھر گئی ہے مگر دردمندوں سے خالی ہے۔

سعدیہ جواد۔ کھاریاں

.....☆.....

ذرا پیر سے کہنا

اک چھوٹی سی سوچ

کبھی دو گام چلنا
پھر چل کر قدم روک لینا
پھر سوچنا کہ
میں کس سمت جا رہی ہوں
پھر سوچ کو کوئی نام دیئے بغیر
پھر سے آگے کی جانب قدم بڑھا دینا
کوئی خوش کن سا خیال دل میں لیے
مگر پھر دو گام چلنا
اور رک کر سوچنے لگنا
کہ یہ سمت ٹھیک ہے کہ نہیں؟
مگر دل میں مطمئن ہو کر
خود سے یہ کہتے ہوئے
قدم پھر سے بڑھا دینا
میرا ضمیر مطمئن ہے
میں پرسکون ہوں

مریم ماہ منیر

سانحہ

تیری جدائی بھی سانحہ ہے
میں کس کس سانحے کے
آنسو پونچھوں
جو مر گیا ہے بھائی میرا
وہ سانحہ ہے

ننھے بچوں کے سر سے سایہ جو چھن گیا ہے
وہ سانحہ ہے
اک سہاگن کی مانگ سونی جو ہو گئی ہے
وہ سانحہ ہے
ضعیف ماں باپ جوان بیٹے کی لاش دیکھے
کفن میں اس کا وجود دیکھے
اسے رو چکے ہیں
اسے لحد میں اتار کر وہ جیسے تیسے بھی
جی رہے ہیں
وہ سانحہ ہے
یہ دل جو میرا تیری محبت میں مر مٹا ہے
تجھے پا کر بھی میں نے یوں کھو دیا ہے
سانحہ
مجھ سے دوری کا زہر پی کر
زندگی کو گزارنا بھی تو
سانحہ ہے

سباس گل

سورج

سمندر کے کنارے یہ منظر
کس قدر
دلفریب
و حسین و دلکش لگ رہا ہے
دور افق پر سورج غروب ہونے کو ہے

Ridadigest.com

بادلوں پر سورج کی نارنجی شعاعیں
منتشر ہیں نیلا نیلا آکاش
اس پر پھیلی
تاحدِ نگاہ سورج کی یہ سنہری کرنیں
مجھے یہ احساس کرا رہی ہیں کہ
آج جدا ہوں گے تو کل صبح صادق
ملیں گے اسی نیلے آکاش پر
صبح کی تازی، ٹھنڈی، مہکی ہواؤں کے ساتھ
ابھی تو میں کہہ رہی ہوں
''الوداع''

ریما نور رضوان

زندگی

کچھ راحتوں کی کھوج میں آئی تھی زندگی
دیکھا تو اک لحد میں سمائی تھی زندگی
کیا کیا نہ ایک شخص نے رکھی ہتھیلی پر
معلوم اب ہوا کہ برائی تھی زندگی
ہو جائے ریزہ ریزہ لگے جب ذرا سی ٹھیس
کیا سوچ کر خدا نے بنائی تھی زندگی
تھا دشمنوں کے واسطے عبرت کا یہ مقام
کاندھے پہ دوستوں نے اٹھائی تھی زندگی
واپس گئی عدم کی طرف خاک اوڑھ کر
سانسیں پہن کر دہر میں آئی تھی زندگی
اُڑتا ہوا وہ اک پرندہ ہے اب کہاں
اپنے پروں پہ جس نے سجائی تھی زندگی
دیکھا کمار خانہ ہستی میں جب
داؤ پر ہر بشر نے لگائی تھی زندگی

فرزانہ شوکت

غزل

دل تیری یاد میں رویا نہیں کبھی
تو نے بھلا دیا میں نے تجھے کھویا نہیں کبھی
آ کے رک سی گئی ہے بات ہونٹوں پہ
ہار خوشیوں کا میں نے پرویا نہیں کبھی
کیا بتائیں کیا گزری ہے تیرے پیار میں
آنکھ سے ہم نے پھر آنسو بہایا نہیں کبھی
تیرے جانے سے سب کچھ بدل گیا جاناں
اندھیری راہوں میں دیپ جلایا نہیں کبھی
اپنے بدن سے پھر سایہ جدا ہو نہیں سکتا جاوید
کسی کا میرے سر پر پیار کا الزام آیا نہیں کبھی

محمد اسلم جاوید

نجانے کیوں

دے کر وجہ یاد کرنے کی
نجانے کیوں
بھول جانے کی بات کرتے ہیں
چاند ستاروں کی بات کرتے ہیں
نجانے کیوں
لوگ دل دکھانے کی بات کرتے ہیں
خوابوں خیالوں کی بات کرتے ہیں
بڑھا کر وابستگی پھر اک دن
دور جانے کی بات کرتے ہیں
یہ سوچ کر
نم ہو جاتی ہیں پلکیں
بیچ راہ میں چھوڑ کر جانے والے
نجانے کیوں
اتنی محبت سے بات کرتے ہیں

سیدہ عروج فاطمہ

اور کبھی

سنو
تم سے ملتے بھی تو کیسے ملتے
گو کہ منزل دور نہ تھی

مگر
کبھی راستوں نے بھٹکا دیا
کبھی موسموں کی نظر لگ گئی
کبھی کسی مجبوری کی زد میں آ گئے
اور کبھی
اور کبھی محبت ہی نہ رہی

ایس امتیاز احمد

راز

کس سے اپنا غم بانٹوں
کس کو اپنا حال سناؤں
لوگ سبھی ہیں بے گانے
میرے غم سے انجانے
سب ہیں اپنے حال میں مست
سب کی اپنی کہانی ہے
سب ہی اپنے غم میں ڈوبے
کوئی نہیں غم خوار یہاں
کس کا دل کا حال سناؤں
کس پہ اعتبار کروں

فیضان احمد فیضی

غزل

جب میں تیرے گمان سے گزرا
درد کے آسمان سے گزرا
تیری وسعت سے آشکار ہوا
جب میں دونوں جہان سے گزرا
عشق راحت فزا ہوا مجھ پر
آگ کے جب جہان سے گزرا
چیختی ہے ہوائے شہر ایسے
جیسے بیمار جان سے گزرا
بن گیا شعر وہ مری پہچان
جب وہ تیری زبان سے گزرا
ذکر تیرا نہ تھا کہیں بھی حکیم
جب تری داستان سے گزرا

حکیم خان حکیم

غزل

ویران دل میں اِک شمع جلائے بیٹھا ہوں
مت پوچھ کیسا میں درد چھپائے بیٹھا ہوں
اب تو کچھ بھی نہیں رہا دامن میں یادوں کے سوا
اپنا سب کچھ اس پر یوں لٹائے بیٹھا ہوں
نہ اظہارِ تعزیت نہ دلاسہ نہ دو لفظ تسلی کے
میں تو کل شب سے اپنا دل دفنائے بیٹھا ہوں
کرو تضحیک، مارو پتھر، کرو چاک دامن و گریباں
میں مجرم وفا کا بیچ گلی خود کو لائے بیٹھا ہوں
کیوں دوش دوں کسی کو میں اپنی بربادی کا
اپنے نشیمن میں خود ہی بخاری آگ لگائے بیٹھا ہوں

مریم شاہ بخاری

تو میرا سہارا بنے گا

اے میرے پیارے اللہ
یہ تیری دنیا ہے جی
جہاں سادہ لوح لوگ
یہاں لوگ ایسے لوٹتے ہیں
کہ سمجھ نہیں آتا
مگر تیری محبت نرالی ہے
کہ تیرے محبوب بندے
تیرے لیے سب کچھ لٹا دیتے ہیں
اے میرے پیارے اللہ
تو کسی کو مایوس نہیں کرتا
تو میرا سہارا، جان سے پیارا

فیضان احمد فیضی

.....☆.....

Rdadigest.com

عائشہ حمد

ذوق شوق کے نام پیغام

پیارے ردا کے نام

ردا ڈائجسٹ کا ظاہری و باطنی حسن بے مثال، باکمال ہے جو اسے تمام ڈائجسٹوں سے ممتاز کرتا ہے۔ کمپوزنگ پیپر، میٹر، لے آؤٹ، اسکیچز ہمیشہ ہی جاندار و شاندار ہوتے ہیں۔ مستقل رائٹرز تو ہیں ہی باکمال، بے مثال، نئے رائٹرز بھی باخوبی قلم و قرطاس سے جڑ کر خوب صورت تحاریر ردا کے حوالے کر رہے ہیں۔ اگست 2018ء ماشاء اللہ ردا ڈائجسٹ سے جڑے مجھے ماشاء اللہ بارہواں سال مکمل ہو گیا ہے۔ کس طرح یہ سفر طے ہوا پتا بھی نہیں چلا، صالحہ آپی کے خلوص و پیار نے کبھی اجنبیت محسوس نہ ہونے دی۔ صالحہ آپی کا دست شفقت سدا میرے سر پر رہا ہے۔ یہ بات کسی اعزاز سے کم نہیں۔ دعا ہے کہ یہ رابطہ جڑا رہے۔ یہ رشتہ بنا رہے، شکر الحمدللہ رب العالمین کے ردا سے وابسطہ ہوں۔ ردا نے ہمیشہ مجھے جو مان و عزت دی ہے۔ ناقابل بیان ہے۔ تحریر بھیجتے ہی شائع کر دی جاتی ہے۔ اتنی عزت و خلوص پر آنکھیں بعض اوقات نم ہو جاتی ہیں۔ میرے ساتھ صالحہ آپی نے ہر طرح سے تعاون کیا ہے۔ ردا اسٹاف اراکین اور صالحہ آپی کے لیے صحت و سلامتی کی دعائیں ردا کی سالگرہ صالحہ آپی کی سالگرہ میرے تحریری سفر کی سالگرہ تینوں سالگراہوں کی ڈھیر ساری مبارک باد اور دعائیں۔

ریمانور رضوان۔ کراچی

شہلا گل سحر کے نام

السلام علیکم! پیاری شہلا گل سحر ردا ڈائجسٹ کے جولائی کے شمارے میں آپ کا ناولٹ ''میری تھکن اتار دو'' بے حد پسند آیا۔ باوفا اور وفادار عورت کے گرد گھومتی یہ کہانی احسن طریقے سے یہ بات ثابت کرنے میں کامیاب رہی کہ عورت کے کئی روپ ہیں۔ پانچ سال گزرنے کے باوجود موتیا نے حمزہ کے لیے اپنے دل کے دروازے بند نہیں کیے اور اسے ہی محبت کہتے ہیں۔ آپ کی یہ تحریر برسوں یاد رہے گی۔ اللہ آپ کو بے پناہ خوشیاں اور کامیابی دے، آمین۔

سیدہ عروج فاطمہ۔ ملتان

صالحہ آپی کے نام

السلام علیکم صالحہ آپی۔ سدا خوش رہیں ہمارے آنچل کے دامن میں مہکتی رہیں، آمین۔ ردا دن بدن بہت ہی زیادہ بہترین ہو رہا ہے۔ پہلے ہی نمبرون تھا اب بھی ہے۔ باقی آپ میری تحریریں شائع کر دیتی ہیں شکریہ۔ دل بہت خوش ہوتا ہے۔ لکھنے کا شوق ہے جو میں آپ کی مہربانی اور پیار کی وجہ سے پورا کر لیتی ہوں۔ خدا آپ کو کبھی غم سے دو چار نہ کرے، آمین۔ دعاؤں میں اس بہن کو یاد رکھیے گا، شکریہ۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

ملک جواد نواز کے نام

مجھ کملی کا سنگھار پیا
ان سانسوں کا سردار پیا
تجھ بن در چھت دیوار ڈسے
تجھ بن سونا گھر بار پیا
ہر جذب کو پہچان بھی تو
تو سانول دلدار پیا
ان سر آنکھوں پر حکم تیرا
میں مانوں ہر ہر بار پیا
تو ہی میرا غمخوار سجن
میں کرتی ہوں اقرار پیا
اب سانسیں چور و چور ہوئیں
اب آ کے مل تو اک بار پیا
اک دکھ نے گھیرا ڈال لیا
اب لے چل نگری پار پیا
ہے من اندر اک آس تیری
تو سانسوں کو درکار پیا
ہر منزل پا کر ہجر ملے
سب راہیں بھی پر خار پیا
تو پاکیزہ سی ایک دعا
یہ دل تیرا دربار پیا
اک سکھ سے سوئے وصل تیرا
جانے کب ہو بیدار پیا
پھر چاہت کی اک بات تو کر
مت چپ چپ رہ کر مار پیا
تک تک راہیں اب نین تھکے
یہ برسیں زار و زار پیا
اب دے ہاتھوں میں ہاتھ میرے
میں اک تیری بیمار پیا

سعدیہ جواد۔ کھاریاں

پیاری امی کے نام

ہوں خوش بہت میں اپنے آشیاں میں
بس گئی ہوں میں اپنے اس جہاں میں
یاد آتی ہے اکثر اداس ہو جاتی ہوں
گزرے پلوں کو جیتی ہوں ان میں کھو جاتی ہوں
ہر گزرا پل یہ احساس دلاتا ہے مجھ کو
کہ کتنا ستایا ہے ماں میں نے تجھ کو
بچپن میں راتوں میں کبھی باتوں میں رلایا ہے
پھر بھی ماں تو نے لوریاں دے کر سلایا ہے
کبھی معصوم باتوں سے مجھے ہنسایا ہے
کبھی کبھی میرا کوئی روپ تجھے بہت بھایا ہے
کبھی رغبت دلائی تو نے مجھے کاموں میں
کب [illegible] لگائی ہے ہم نے سہانی شاموں میں
کبھی جو [illegible] بھی میں پیاری ماں تجھ سے
اس پل روٹھ جاتی تھیں نیندیں مجھ سے
کائنات کی ہر شے سے ماں تو اعلیٰ ہے
بہت ہی چاہتوں سے تو نے مجھے پالا ہے
نہیں اتار سکتی قرض میں تیری محبتوں کا
دنیا میں کوئی مول نہیں تیری ان چاہتوں کا
کرتی ہوں اپنے رب سے ہر دم میں دعا
پوری ہو میری ماں کی ہر آرزو اور تمنا
کبھی نہ آئے کوئی مشکل تجھ پہ ماں
تیرے دم سے روشن میرا یہ جہاں
کبھی نہ بھولنا مجھے دعاؤں میں ماں
تم سے ہے مکمل میری زیست کا سماں

ثمرین ارشد۔ کراچی

......☆......

Ridadigest.com

ثریا اقبال

کوفتے قورمہ مصالحہ

اجزاء:

قیمہ (بچھیا کا).....آدھا کلو
خشخاش.....ایک چائے کا چمچہ
بھنے چنے (پسے ہوئے)..... آدھا چائے کا چمچہ
ثابت گرم مصالحہ.....ایک چائے کا چمچہ
ادرک (چوپ کی ہوئی).....ایک کھانے کا چمچہ
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا).....تین کھانے کے چمچے
پودینہ (چوپ کیا ہوا).....ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں (موٹی کٹی ہوئی).....پانچ عدد
لال مرچ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
نمک.....حسب ذائقہ
گریوی کے لیے:
براؤن پیاز.....آدھا کپ
لال مرچ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر.....پون چائے کا چمچہ
ادرک لہسن پیسٹ.....ایک چائے کا چمچہ
دہی.....آدھا کپ
گرم مصالحہ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
سبز الائچی.....چار پانچ عدد
نمک.....حسب ذائقہ
تیل.....حسب ضرورت

ترکیب: فوڈ پروسیسر میں قیمہ، خشخاش، بھنے چنے، ثابت گرم مصالحہ، ادرک، ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچیں، لال مرچ پاؤڈر اور نمک ڈال کر باریک پیس لیں۔ پیالے میں نکال کر کوفتے بنا کر رکھ لیں۔ سوس پین میں تیل گرم کر کے دہی اور براؤن پیاز ڈال کر تلمن کر دیں۔ لال مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ادرک، لہسن پیسٹ، سبز الائچی اور نمک ڈال کر بھون لیں۔ گریوی کے لیے حسب ضرورت پانی ڈال کر پکائیں۔ ایک ابال آنے پر کوفتے ڈال کر درمیانی آنچ پر 15-10 منٹ پکائیں۔ گرم مصالحہ پاؤڈر چھڑک کر چولہا بند کر دیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر سرو کریں۔

چانپ روغن جوش

اجزاء:

چانپ.....آدھا کلو
لہسن پیسٹ.....ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر.....پون چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا (کٹا ہوا).....ایک چائے کا چمچہ
تیل.....آدھا کپ
پیاز (سلائس کر لیں).....ایک عدد
ادرک پیسٹ.....ایک کھانے کا چمچہ
نمک.....حسب ذائقہ
دہی.....آدھا کپ
لیموں کا رس.....دو چائے کے چمچے

زیرہ (کٹا ہوا).....ایک چائے کا چمچہ

ترکیب: کڑاہی میں تیل میں پیاز ساتے فرائی کریں۔ پھر چانپ، لہسن، ادرک، نمک، مرچ، ہلدی اور ایک کپ پانی ڈال کر پکانے رکھ دیں۔ چانپ گل جائے تو دہی پھینٹ کر ڈالیں اور بھون لیں۔ اب لیموں کا رس، زیرہ ڈال کر مکس کریں اور سرو کریں۔

یخنی بریانی

اجزاء:

گوشت.....ایک کلو
باسمتی چاول.....تین پاؤ گرام (دھو کر پندرہ منٹ بھگو دیں)
ادرک پیسٹ.....ایک چائے کا چمچہ
لہسن پیسٹ.....ایک چائے کا چمچہ
دہی.....ایک کپ
سرخ مرچ پاؤڈر.....ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
ثابت گرم مصالحہ.....ایک چائے کا چمچہ
سبز الائچی.....پانچ عدد
ہرا دھنیا.....ایک گٹھی (چوپ کر لیں)
پیاز.....تین عدد (سلائس کاٹ لیں)
ہری مرچیں.....چھ سات عدد (لمبائی میں کاٹ لیں)
پودینہ.....ایک گٹھی (چوپ کر لیں)
نمک.....حسب ذائقہ
تیل.....ایک کپ

یخنی کے لیے:

سونف.....ایک کھانے کا چمچہ
ثابت دھنیا.....ایک کھانے کا چمچہ
بڑی الائچی.....تین عدد
چھوٹی الائچی.....چار عدد
لونگ.....پانچ عدد
ثابت سیاہ مرچیں.....پانچ عدد
دار چینی.....ایک ٹکڑا
بادیان کے پھول.....دو عدد
لہسن کے جوے.....چھ عدد
ادرک.....ایک ٹکڑا

ترکیب: دیگچی میں گوشت، سونف، ثابت دھنیا، بڑی الائچی، چھوٹی الائچی، لونگ، ثابت سیاہ مرچیں، دار چینی، بادیان کے پھول، لہسن کے جوے، ادرک کا ٹکڑا اور نمک ڈال کر اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت تقریباً گل جائے اور یخنی تیار ہو جائے۔ یخنی کو چھان کر الگ کر لیں اور گوشت الگ کر لیں۔ بڑی دیگچی میں تیل گرم کر کے پیاز ڈال کر فرائی کریں، سنہری ہو جائے تو ہری مرچیں، گوشت، ادرک، لہسن پیسٹ، سرخ مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ثابت گرم مصالحہ، سبز الائچی، ہرا دھنیا اور پودینہ ڈال کر بھون لیں۔ دہی اچھی طرح پھینٹ کر شامل کر دیں۔ یخنی اور چاول شامل کر کے پکائیں، پانی خشک ہو جائے تو درمیانی آنچ پر پندرہ بیس منٹ دم پر رکھ دیں۔ مزیدار یخنی بریانی تیار ہے سرونگ ڈش میں نکال کر رائتے کے ساتھ گرما گرم سرو کر دیں۔

پسندے

اجزاء:

پسندے.....ایک کلو
نمک.....حسب ذائقہ
پیاز (براؤن پسی ہوئی).....ایک کپ
جائفل جاوتری کا پاؤڈر.....آدھا چائے کا چمچہ
الائچی پاؤڈر.....آدھا چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ
ناریل پاؤڈر.....ایک چائے کا چمچہ

کاجو (پیس لیں).....آٹھ عدد
دہی.....ایک کپ
ملائی.....آدھا کپ
تیل.....آدھا کپ

ترکیب: پیالے میں پسندے، نمک، لال مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر، گرم مصالحہ پاؤڈر، دہی، لہسن اور ادرک ڈال کر اچھی طرح مکس کر کے دو گھنٹے میرینیٹ کریں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے پسندے ڈال کر ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ پسندے گل جائیں تو ناریل پاؤڈر، پسے ہوئے کاجو، جائفل جاوتری پاؤڈر، براؤن پیاز، الائچی پاؤڈر اور ملائی شامل کر کے گھما دیں ایک کپ پانی ڈال کر مزید ایک منٹ پکائیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر نافتان کے ساتھ سرو کریں۔

پائے گریوی

اجزاء:

پائے (اچھی طرح دھو کر رکھیں)..... چار عدد (بکرے کے)
نمک..... حسب ذائقہ
لہسن، ادرک پیسٹ.....ایک کھانے کا چمچہ
پیاز (سلائس کاٹ لیں).....تین عدد
ثابت گرم مصالحہ مکس.....ایک کھانے کا چمچہ
چھوٹی الائچی..... چھ عدد
ہلدی پاؤڈر.....آدھا چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر.....ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر.....دو چائے کے چمچے
گرم مصالحہ پاؤڈر.....آدھا چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا.....گارنشنگ کے لیے
ہری مرچیں.....گارنشنگ کے لیے
ادرک کے سلائس.....گارنشنگ کے لیے

ترکیب: دیگچی میں تیل گرم کر کے پیاز ڈال کر ماتے فرائی کریں۔ پیاز کی رنگت جب ہلکی سنہری ہو جائے تو اس میں لہسن، ادرک پیسٹ اور ثابت گرم مصالحہ ڈال کر بھونیں۔ خوشبو آنے لگے تو پائے ڈال کر چند منٹ فرائی کرنے کے بعد لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، نمک اور چھوٹی الائچی ڈال کر بھونیں۔ حسب ضرورت پانی شامل کر کے دھیمی آنچ پر پکائیں۔ پائے گل جائیں اور پانی خشک ہو جائے تو بھون لیں۔ تیل الگ نظر آنے لگے تو ایک گلاس پانی شامل کر کے پکائیں۔ حسب پسند گریوی تیار ہو جائے تو گرم مصالحہ، پیاز دھنیے، ہری مرچوں اور ادرک کے سلائس سے گارنش کر کے سرو کریں۔

نمکین گوشت

اجزاء:

گوشت چربی والا.....ایک کلو
ٹماٹر.....دو عدد
نمک..... حسب ذائقہ
ادرک.....ایک چائے کا چمچہ باریک کٹی ہوئی
کوکنگ آئل.....تھوڑا سا
ہری مرچ.....باریک کٹی ہوئی تین سے چار عدد

نوٹ: اس ڈش کے لیے دنبے کا گوشت بہترین ہے۔

ترکیب: گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں اگر چربی گوشت سے لگ ہے تو اس کے بھی چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ دونوں کو کڑاہی میں ڈالیں، حسب ضرورت نمک اور ایک کپ پانی شامل کر کے ڈھک دیں اور ہلکی آنچ پر بیس سے پچیس منٹ تک پکائیں درمیان میں تین چار مرتبہ چمچہ چلائیں۔ پھر کوکنگ آئل، ادرک، ہری مرچ شامل کر کے تین چار منٹ فرائی کریں۔ پھر اس میں ٹماٹر باریک کاٹ کر شامل کر دیں اور دس منٹ تک ڈھک کر پکائیں پھر آنچ تیز کر کے تھوڑا فرائی کر لیں اور اتار لیں۔

.....☆.....

سنگھار

گھریلو ماسک استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو اپنی جلد کی نوعیت سے بخوبی آگاہی ہو۔ بہت سے ماسک پھلوں، سبزیوں، انڈوں، دودھ اور وٹامن سے بھی تیار کیے جاتے ہیں۔

انڈوں کو ماسک کے طور پر استعمال کرنے کا رجحان اس لیے زیادہ ہے کہ انڈے ہر قسم کی جلد پر لگائے جاسکتے ہیں اور اس کا طریقہ استعمال بھی آسان ہوتا ہے۔ تازہ پھلوں مثلاً اسٹرابیری کو بھی ماسک کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسٹرابیری کو کاٹ کر یا اسے اچھی طرح کچل کر چہرے پر ملیے، اس طرح کیلے کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کیلے میں وٹامن کیلشیم، فاسفورس اور پوٹاشیم کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں استعمال کرنے کا رجحان بھی عام ہے۔ عام طور پر کیلے حساس جلد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ٹماٹر، پپیتے، دہی، بالائی والے دودھ، شہد کو بھی چہرے کی جلد کی حفاظت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بازار میں دستیاب ماسک استعمال کرنے میں بہت سہولت رہتی ہے۔ گھر میں ماسک کی تیاری کے لیے اجزائے ترکیبی کے لیے بہت محنت کرنا پڑتی ہے اور وقت بھی بہت ضائع ہوتا ہے۔ بہرحال ماسک بازار سے خریدنے کے بجائے بیوٹی سیلون سے بھی منگوا سکتی ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ آپ کی جلد سے واقف ہوگی۔

اسٹرابیری کا ماسک

نرم اور چمک دار جلد کے لیے یہ بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ مٹھی بھر تازہ پکی ہوئی اسٹرابیری لیں۔ ایک کپ میں ڈال کر انہیں اچھی طرح گاڑھا کر لیں، پھر اسے چہرے اور گردن پر مل کر سوکھنے دیں۔ بعد میں اسے نیم گرم پانی سے صاف کر لیں۔ اس سے جلد میں تازگی اور چستی پیدا ہوگی۔ یہ ماسک بازار میں تیار صورت میں بھی دستیاب ہے۔

ککڑی کا ماسک

ککڑی میں سلفر اور سلی کان کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ شام کے وقت جلد میں پیدا ہونے والی تھکن اور مژمردگی کو دور کرنے کے سلسلے میں یہ بہت مفید ہے۔ ککڑی کے چند ٹکڑے لے کر دو چمچے پاؤڈر ملک اور ایک انڈے کے ساتھ اسے پھینٹیں۔ اسے چہرے اور گردن پر اچھی طرح مل لیں۔ سوکھنے پر اسے نیم گرم پانی سے دھو لیں۔ بعد میں چہرے اور گردن پر ٹھنڈا پانی ڈالیں اور سوکھنے دیں۔

خمیر کا ماسک

یہ رطوبت زرد چہروں کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ ایک چمچہ خمیر لے کر تھوڑے سے دہی میں اچھی طرح ملائیں، پھر اسے چہرے کے رطوبت زدہ حصوں پر لگائیں۔ پندرہ منٹ تک سوکھنے دیں اور پھر پہلے گرم اور بعد میں ٹھنڈے پانی سے صاف کر لیں۔

Radiodigest.com

Urdu Gem
UG
The online library

UrduGem.com

URDU KA KHAZAANA

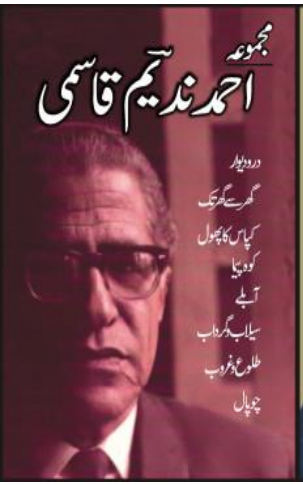

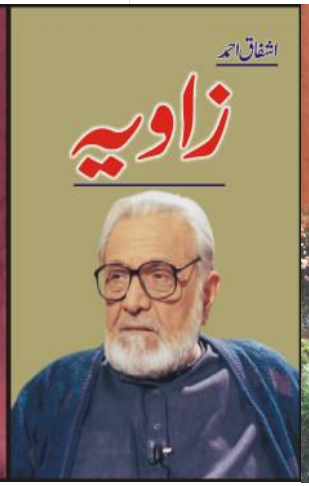

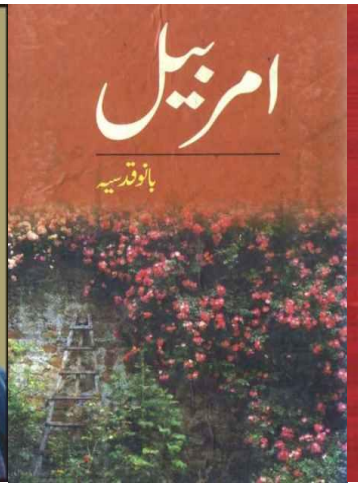

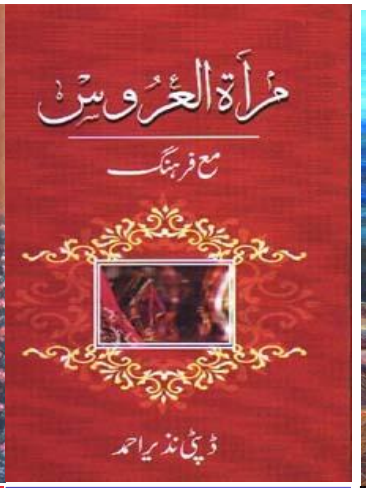

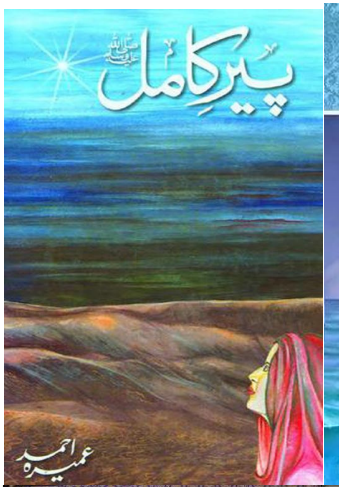

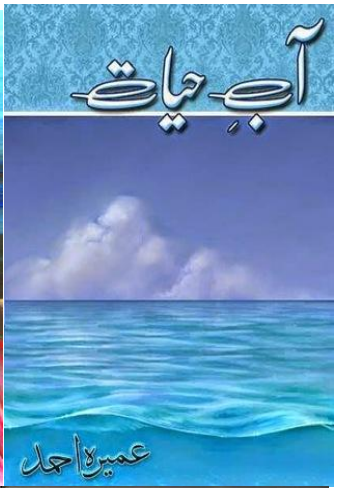

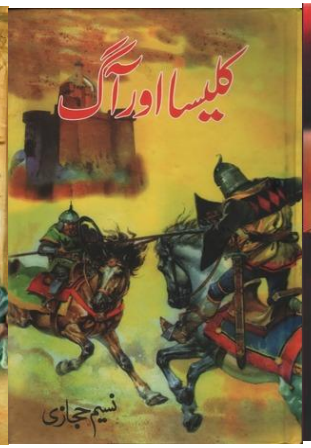

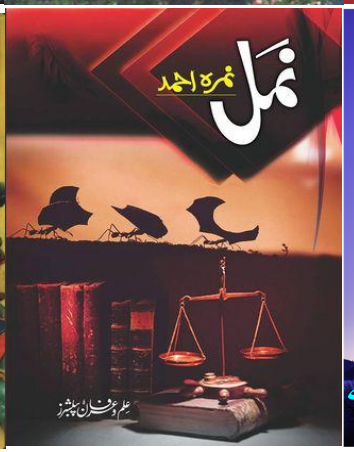

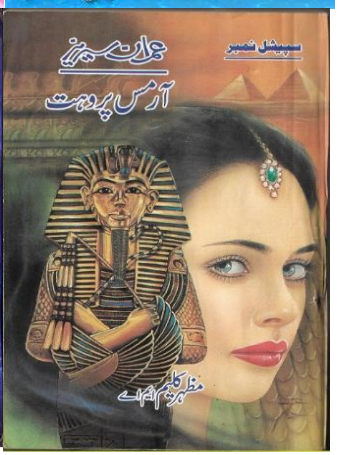

کھیرے کا ماسک

کھیرے میں سلفر اور سلیکون بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اس ماسک کا استعمال دن بھر کی تھکن کے اثرات چہرے سے زائل کرنے کے لیے بہترین ہے۔ کھیرے کی قاشیں بلینڈر میں ڈال کر پیس لیں۔ دو چائے کے چمچے دودھ اور ایک انڈے کی سفیدی اچھی طرح اس میں ملا لیں اور پھر اسے چہرے اور گردن پر بطور ماسک استعمال کریں۔ خشک ہونے کے بعد اسے گرم پانی سے دھولیں۔

قہوے اور دہی کا ماسک

قہوے کا ماسک چکنی جلد کی خواتین کے لیے ایک اچھا ماسک ہے۔ یہ ماسک ایک چمچہ قہوہ، ایک چمچہ خمیر میں دہی کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔ اس کو لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے پورے چہرے اور گردن پر پھیلا لیا جائے اور پندرہ منٹ بعد پہلے گرم پانی اور کچھ دیر بعد ٹھنڈے پانی سے چہرے کو دھولیا جائے۔

اناناس کا ماسک

اس ماسک کے استعمال سے چہرے کے مردہ خلیے زندہ ہو جاتے ہیں اور یہ چہرے کی شادابی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایک پیالی میں چوتھائی کپ اناناس کا رس جوسر سے نکال لیں اور اس رس کی دو تہیں اپنے چہرے پر لگالیں۔ پندرہ منٹ بعد اسے گرم پانی سے دھولیں۔

خشک خوبانی کا ماسک

یہ ماسک تمام اقسام کی جلد کے لیے موثر ہے۔ اس کی تیاری کے لیے دو خشک خوبانیاں لے کر تمام رات کے لیے پانی میں بھگو دیں۔ اگلے دن اسے ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب اچھی طرح گل جائیں تو انہیں مسل لیں اور اس مرکب کو بطور ماسک چہرے پر استعمال کریں۔ دس منٹ بعد اسے پانی سے دھولیں۔

ٹماٹر کا ماسک

ٹماٹر کا گودا نکال لیں اور اچھی طرح کچل لیں۔ پھر اس میں ایک چمچہ خالص شہد بھی شامل کریں۔ اسے چہرے پر پندرہ منٹ تک لگا رہنے دیں۔ پھر چہرہ دھوڈالیں۔ چہرے کی رنگت نکھر جائے گی۔

گاجر کا ماسک

گاجر کا پانی نکال لیں اور فریج میں رکھ دیں۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو روئی کی مدد سے چہرے پر لگائیں۔ یہ عمل دن میں تین مرتبہ کریں۔ رنگ گورا کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

انڈے کا ماسک

ایک انڈہ لیں، میں انڈہ توڑ کر اس کی سفیدی اچھی طرح پھینٹ لیں۔ اس میں لیموں نچوڑ کر اچھی طرح مکس کریں اور چہرے پر لگائیں۔ پندرہ منٹ تک لگائیں۔ بات چیت بالکل نہ کریں۔ پھر دھو ڈالیں۔ یہ ماسک خشک جلد کے لیے ہے۔

شہد کا ماسک

یہ ماسک نرم جلد اور جھریوں کے لیے ہے۔ اس کے لیے شہد میں چند قطرے لیموں کا عرق اچھی طرح سے ملالیں اور بیس منٹ کے لیے چہرے پر لگا رہنے دیں۔ پھر اسکن ٹانک کی مدد سے روئی کے ساتھ صاف کردیں۔

حساس جلد کے لیے ماسک

ایک حصہ کولین اور ایک حصہ کیلا مائن لوشن میں عرق گلاب ملائیں اور صرف دس منٹ چہرے پر لگائیں۔ جلد خشک ہونے پر اتار لیں۔

خشک جلد کے لیے ماسک

ملتانی مٹی ہلدی اور تین قطرے زیتون کا تیل اسکین ٹانک کے چند قطرے ملا کر پندرہ منٹ تک چہرے پر لگا رہنے دیں یا بادام کو پیس کر دودھ میں ملا کر چہرے پر لگائیں۔ بیس منٹ بعد چہرہ دھولیں۔☆